وداعِ جنگ

مصنف:- ارنسٹ ہیمنگ وے

ترجمہ:- اشفاق احمد

حصہ دوم

یونائیٹڈ بک ڈپو لمیٹڈ - لاہور

ناشر

یونائیٹڈ بک ڈپو لمیٹڈ

۶۰ - دی مال، لاہور

باہتمام

منیجر جنرل پبلسٹی سروس

طباعت :— دین محمدی پریس، لاہور

کتابت :— صوفی فضل حسین

سرورق :— ریزی

اشاعت اول ۱۵ ہزار

جنوری ۱۹۶۰ء - لاہور، مغربی پاکستان

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

تعارف

ارنسٹ ہیمنگوے کے مشہور ناول "اے فیئرول ٹو آرمس" کے اردو ترجمے کی دوسری جلد حاضر ہے۔ جدید انگریزی ادب کی امتیازی شخصیتوں میں ہیمنگوے سب سے زیادہ ہر دلعزیز ادیب ہے۔ اس کا منفرد اسلوب نگارش اور اچھوتا اندازِ تحریر اسے اپنے معاصرین سے ممتاز کرتا ہے۔ ۱۹۲۰ء کے اوائل میں جب ہیمنگوے نے پہلی بار اپنے افسانے پیش کئے تو امریکہ کے نوجوان ادیب اور افسانہ نگار اس سے بیحد متاثر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں جب ہیمنگوے کو ادب کا نوبل پرائز دیا گیا تو سویڈش اکیڈیمی کے پریذیڈنٹ نے اس عظیم ادیب کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے کہا کہ "ہیمنگوے عہدِ حاضر کا سب سے بڑا اہلِ قلم ہے جس کی تحریر کے آئینہ میں اس دَور کی زندگی اور مسائل کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔" خود ہیمنگوے کی اہلِ قلم کے بارے میں یہ رائے ہے کہ "ایک حقیقت پسند مصنف کے نزدیک اس کی ہر نئی تصنیف گویا ایک نیا آغاز ہے جس میں وہ ان بلندیوں کو چھونے کی کوشش کرتا ہے جن تک رسائی ناممکن معلوم ہوتی ہے۔"

"وداعِ جنگ" میں ہیمنگوے نے جنگ کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کا نقشہ بڑی چابکدستی سے کھینچا ہے۔ اس کے مطالعہ سے قاری کو جنگ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان کی جبلّت میں جو جنگ پسندی کا مادّہ ہے وہ اس سے پوشیدہ نہیں اور اسی گتھی کو وہ سلجھاتا ہے۔ ہیمنگوے کو جنگ کا براہ راست تجربہ ہے کیونکہ پہلی جنگِ عظیم کے دوران وہ محاذِ جنگ پر نہ صرف دادِ شجاعت دے چکا ہے بلکہ وہ زخمی ہو کر ہفتوں صاحبِ فراش رہا۔ اس نے جنگ کے وہ ہولناک مناظر دیکھے جنھیں وہ فراموش نہ کر سکا اور

یہی وجہ ہے کہ جب وہ جنگ کی تباہ کاریوں کا نقشہ کھینچتا ہے تو قاری اپنے آپ کو محاذِ جنگ پر کھڑا اپنی آنکھوں سے آگ اور خون کا دریا بہتے دیکھتا ہوا محسوس کرتا ہے ۔ ——— اور لرز جاتا ہے ۔

ہیمنگوے کی دوسری شہرہ آفاق تصانیف ۔

فار ہوم دی بیل ٹولس — FOR WHOM THE BELL TOLLS.

دی سن آل سو رائیزز — THE SUN ALSO RISES.

من وِدآوٹ ویمن — MEN WITHOUT WOMEN.

اَور ، ٹو ہیو اینڈ ہیو ناٹ — TO HAVE AND HAVE NOT.

ہیں ۔ اس وقت اُس کی عمر باسٹھ سال ہے اور آج وہ علم و ادب کی خاموش خدمت میں مصروف ہے ؛

تیسری کتاب

۲۵

خزاں آچکی تھی!

درخت ٹنڈ منڈ کھڑے تھے اور سڑکوں پہ کیچڑ تھا۔ اُودینے سے میں ٹرک پر سوار ہوکر گورزیا پہنچا۔ راستے میں ہمیں اپنے جیسے کئی اور ٹرک ملے ہیں ادھر اُدھر خزاں رسیدہ علاقے کو دیکھ رہا تھا۔ شہتوت کے درخت بغیر پتیوں کے ننگ دھڑنگ کھڑے تھے اور کھیت خاکستری ہو چکے تھے۔ سڑک پر دو رویہ اُگے ہُوئے درختوں کی ٹہنیاں جھڑ کر سڑک پہ بکھری پڑی تھیں۔ درختوں کے بیچ بیچ کوٹے ہوئے پتھروں کی ڈھیریاں لگی تھیں اور مزدوران کو اٹھا اٹھا کر گڑھے بھرنے میں مشغول تھے۔ شہر پہ دُھند چھائی تھی اور کُہر کے باعث پہاڑوں کا سلسلہ نظر نہ آرہا تھا۔ جب ہم دریا پار کرنے لگے تو میں نے دیکھا کہ دریا چڑھا ہُوا تھا۔ پہاڑوں پر کہیں بارش ہوئی تھی جس کی وجہ سے دریا کا پانی ــــــ بڑھ گیا تھا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی پہلے ہم فیکٹریوں کے پاس سے گزرے پھر گھروں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے بنگلے اور کوٹھیوں کے احاطے میں چلتے گئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ میری غیر موجودگی میں بہت سے اور گھر دشمن کی بمباری کی نذر ہو چکے تھے۔ ایک تنگ سی سڑک پر ہمارے قریب سے ایک برٹش ریڈکراس ایمبولنس گزری۔ ڈرائیور نے سر پہ برساتی پہن رکھی تھی اور اس کا دبلا پتلا چہرہ سنولایا ہُوا تھا۔ اس ڈرائیور کو میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ٹاؤن میجر کے بنگلے پہنچکر ٹرک بڑے چوک میں رُک گیا۔ ڈرائیور نے میرا

پٹھو تھیلا اور کٹ بیگ پکڑا دیئے میں نے انہیں اپنے اوپر لاد لیا۔ اور اپنے بنگلے کی طرف چل دیا۔ مجھے اپنے گھر کی فضا اجنبی سی لگی اور میں نے واپسی کی خوشی ذرا بھی محسوس نہ کی۔

احاطے کی روش پر بجری بچھی تھی۔ میں درختوں میں سے بنگلے کی طرف دیکھتا ہوا روش پر چل کھڑا ہوا۔ تمام کھڑکیاں بند تھیں لیکن دروازہ کھلا تھا۔ میں اندر چلا گیا خالی کمرے میں دیوارے پر نقشے اور ٹائپ شدہ کاغذ لگے ہوئے تھے اور میز پر میجر بیٹھا تھا۔ وہ پہلے سے بوڑھا اور کچھ خشک سا نظر آیا مجھے دیکھتے ہی اُس نے کہا۔ "ہیلو؟ کیا حال ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "بہت اچھا ہے جی۔ یہاں کی سنایئے؟"

وہ بولا۔ "ہماری تو ہمت جواب دے چکی ہے اپنا کٹ اتار کر بیٹھ جاؤ"

میں نے اپنا پٹھو تھیلا اور کٹ بیگ اتار کر فرش پر رکھی پھر اپنی ٹوپی اتار کر پٹھو تھیلے پر رکھ دی۔ دیوار کے پاس ایک اور کرسی پڑی تھی اسے اٹھا کر میں ڈسک کے قریب لے آیا اور اس پر بیٹھ گیا۔

میجر بولا۔ "بڑی خراب گرمیاں گزری ہیں۔ اپنی سناؤ۔ کچھ توانائی آئی ہے کہ نہیں؟"

"جی اب تو ٹھیک ہوں"

"تمہیں کچھ امتیازی نشان ملے کہ نہیں؟"

"جی شکریہ مجھے مل چکے ہیں"

"دکھانا ذرا۔"

میں نے اپنا لبادہ کھولا تاکہ اُسے وہ دھاریاں دکھا سکوں۔

"میڈل والے بکس ملے ہیں کہ نہیں؟"

"جی نہیں۔ ابھی تو صرف کاغذات ہی موصول ہوئے ہیں"

"بکس بھی آجائیں گے۔ انہیں پہنچنے میں زیادہ وقت لگتا ہے"

"میرے لئے کیا حکم ہے ؟"

"گشتی کاریں تو تمام جا چکی ہیں۔ کچھ تو یہاں سے شمال کی طرف کاپر تو میں ہیں جانتے ہونا کاپر تو کہاں ہے ؟

"جی ہاں" میں نے کہا

مجھے وادی کا یہ چھوٹا سا صاف شہر یاد آ گیا جس کے چوک میں ایک خوبصورت فوارہ تھا اور سرے پر گنجان گھر نظر آتا تھا۔

"آج کل وہاں کام ہو رہا ہے۔ لڑائی تقریباً ختم ہو چکی ہے آج کل تو ہر طرف مریض ہی مریض نظر آتے ہیں"

"اور باقی سب کہاں ہیں ؟"

"دو تو پہاڑوں پر موجود ہیں۔ اور چار ابھی تک بانیتزا میں ہیں۔ باقی رہ گئے دو تو وہ گشتی گاڑیوں کے ساتھ کام کر رہے ہیں"

"اور آپ کا میرے لئے کیا حکم ہے ؟ میں کیا کروں ؟"

"اگر تم چاہو تو بانیتزا پہنچ کر چاروں کاروں کا بندوبست سنبھال سکتے ہو جینو ایک عرصہ سے وہاں ہے اسے بھی کچھ دیر آرام مل جائے گا۔ تم نے بانیتزا شاید نہیں دیکھا ؟"

"جی نہیں اتفاق نہیں ہوا"

"وہاں کا تو برا حال ہے۔ ہم نے تین گشتی کاریں وہاں کھو ڈالیں"

"میں نے سنا تھا جی"

"ہاں۔ شاید رینالدی نے تمہیں لکھا ہوگا"

"اور رینالدی کہاں ہے ؟"

"یہیں ہسپتال میں ہے" پھر میجر بولا "نہایت خراب حالات رہے ہیں تم تو یقین ہی نہیں کر سکتے کہ یہاں کتنا ماندہ حال رہا ہے سب کا کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں کہ تم خوش

نصیب تھے کہ بڑے اچھے موقع پہ زخمی ہوئے اور چلتے بنے ؟"

"جی ہاں میں جانتا ہوں ۔ اپنی خوش نصیبی کو"

میجر بولا ۔ "اور اگلا سال اس سے بھی بدتر ہوگا ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب حملہ کر دیں ۔ کہتے تو سب یہی ہیں لیکن مجھے یقین نہیں آتا ۔ اب بہت دیر ہو چکی موسم نہایت حوصلہ شکن ہے تم نے دریا دیکھا تھا ؟"

"جی ہاں ۔ ابھی سے پانی چڑھا ہُوا ہے"

"میں تو سمجھتا ہوں کہ اب وہ حملہ نہیں کریں گے ۔ بارشیں شروع ہو چکی ہیں جلد ہی ہر طرف برف ہی برف ہو گی ۔ تمہارے ہم وطنوں کا کیا حال ہے ؟ کچھ اور امریکی بھی تمہارے علاوہ یہاں ہوں گے ؟"

"جی ہاں ، کوئی ایک کروڑ فوجی ان کے زیر تربیت ہیں"

"کاش ان میں سے تھوڑی سی تربیت یافتہ نفری ہمیں مل جائے ۔ لیکن کہاں یہ تو سب خوش فہمیاں ہیں ۔ ہاں تو آج کی رات تم یہاں ٹھہرو ۔ کل چھوٹی کار لے کر روانہ ہو جانا ، اور جینو کو بھیج دینا ۔ میں تمہارے ساتھ کسی ایسے آدمی کو بھیج دونگا ۔ جو راستے سے واقف ہو باقی سارے حالات سے جینو خوب واقف ہے وہ تمہیں سب کچھ بتا دے گا ۔ کچھ بمباری تو ضرور جاری ہے لیکن جنگ کا موسم ختم ہو چکا ہے ۔ بائنزا تو دیکھنا ہی چاہو گے ؟"

"جی ۔ مجھے بڑی خوشی ہو گی وہاں جا کر اور جناب میجر صاحب مجھے آپ کے پاس لوٹ آنے کی بے حد خوشی ہے"

وہ مسکرا دیا ۔ اور بولا ۔ "یہ تمہاری بڑی سعادت مندی ہے کہ ایسا کہتے ہو میں تو اس جنگ سے تنگ آ چکا ہوں ۔ اگر کبھی میں یہاں سے چلا جاؤں تو شاید کبھی لوٹ کر نہ آؤں"

"حالات اس قدر ابتر ہیں کیا ؟"

"ہاں ۔ ابتر ہی نہیں ناگفتہ بہ بھی ۔ اچھا اب جا کر منہ ہاتھ دھو ڈالو پھر تمہیں

اپنے دوست رینالدی کو بھی تو تلاش کرنا ہوگا؟"

میں اپنے تھیلے اٹھا کر باہر نکل آیا اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں جا پہنچا۔ رینالدی کہیں نہ تھا لیکن اس کی چیزیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی پٹیاں کھولیں دائیں پاؤں کا جوتا اتارا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ پاؤں میں درد ہو رہا تھا اور میں بڑی تکان محسوس کر رہا تھا، پھر مجھے خیال آیا کہ ایک جوتا اتار کر لیٹنا بھی کچھ کم احمقانہ فعل نہیں ہے چنانچہ میں نے دوسرے جوتے کا تسمہ بھی کھولا۔ بوٹ فرش پر گرا دیا اور کمبل پر لیٹ گیا۔ کھڑکی بند ہونے کی وجہ سے کمرہ میں بڑا حبس تھا۔ لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اٹھ کر کھڑکی کھولوں۔ میں نے آنکھوں کی جھرّی سے دیکھا میری تمام چیزیں کمرے کے ایک کونے میں پڑی تھیں۔ باہر اندھیرا پھیل رہا تھا۔ میں بستر پر لیٹا رینالدی کا انتظار کرتا ہوا کیتھرین کے متعلق سوچنے لگا، میری تمام تر کوشش تھی کہ میں کیتھرین کے متعلق سوائے رات کو سونے سے پہلے کبھی نہ سوچوں لیکن اس وقت میں تھکا ہوا تھا اور کرنے کو بھی کچھ نہ تھا اسی لئے میں لیٹ کر اس کے متعلق سوچنے لگا۔ لیکن میرے خیالات کا سلسلہ رینالدی نے آکر توڑ دیا۔ مجھے وہ پہلے سے ذرا دُبلا نظر آیا۔

"اوہو۔ ننھے میاں ہیں" وہ بولا۔

میں اٹھ بیٹھا رینالدی آگے بڑھا اور میرے بستر پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنی باہیں میرے گرد ڈال دیں۔

"ارے وہی تو ہے میرا پیارا ننھا" اس نے میری پیٹھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

میں اس کے بازوؤں سے اپنا آپ چھڑانے میں مشغول رہا۔

وہ بولا۔ "اچھا تو اب مجھے اپنا گھٹنا دکھاؤ۔"

"مجھے اپنی برجس اتارنا پڑے گی"

"ننھے میاں یہ اتارنا ہی پڑے گی۔ یہاں کوئی غیر تو ہے نہیں۔ میں تو یہ دیکھنا چاہتا

ہوں انہوں نے کیا کام کیا ہے" میں نے کھڑے ہو کر برجس اتاری اور پھر گھٹنے کی پٹی کھینچ کر علیحدہ کی۔ رینالدی فرش پر بیٹھ کر میرے گھٹنے کا معائنہ کرنے لگا پھر اس نے آہستہ آہستہ آگے پیچھے ہلایا اپنی انگلی سے داغ کو چھو کر دیکھا پھر گھٹنے بند پر دونوں انگوٹھے جما کر اس نے انگلیوں سے گھٹنا ہلا کر دیکھا۔

"بس اسی قدر آگے پیچھے ہوتا ہے یہ؟"

"ہاں۔"

"پھر تو انہوں نے تمہیں بھیج کر بڑا گناہ کیا۔ پورا جوڑ کھلنا چاہیئے"

"اب تو قریباً ٹھیک ہو چکا ہے پہلے تو تختے کی طرح اکڑا ہوا تھا"

رینالدی نے کچھ اور گھٹنا جھکایا۔ میری نظریں اس کے ہاتھوں پر جمی تھیں۔ اس کے ہاتھ سرجن کے مشتاق ہاتھ تھے۔ پھر میں نے اس کے سر کی طرف دیکھا۔ اس کے بال چمک رہے تھے۔ مانگ بڑی نفاست سے جمی ہوئی تھی۔ اس نے میرا گھٹنا اس قدر جھکایا کہ مجھے تکلیف ہونے لگی۔

"اُف خدا" میں چلایا۔

"مشینوں کے ساتھ کچھ زیادہ علاج ہونا چاہیئے ابھی" رینالدی نے کہا۔

"پہلے سے تو بہت بہتر ہے"

"مجھے بھی نظر آتا ہے بچے پر اس معاملے میں کم از کم مجھے تم سے زیادہ علم ہے"

وہ اٹھ کر بستر پہ بیٹھ گیا اور بولا "گھٹنے پہ تو خاصی محنت کی گئی ہے" پھر وہ اس قصے کو بھول بھال کر کہنے لگا "اب مجھے سب کچھ بتاؤ۔ سب کچھ"

میں نے کہا "کیا بتاؤں۔ بتانے کو کچھ ہو بھی؟ میں تو نہایت خاموش قسم کی زندگی بسر کر کے آیا ہوں"

وہ کہنے لگا "تم تو شادی شدہ مرد کی سی حرکتیں کرنے لگے ہو۔ تمہیں ہوا کیا ہے آخر؟"

"کچھ نہیں۔ لیکن یہ بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟"

رینالڈی بولا "یہ جنگ میرا خاتمہ کر دے گی۔ میں تو بے حد دل شکستہ ہو گیا ہوں یار۔"

اس نے اپنے ہاتھ گھٹنے پر رکھ لئے۔

"ہوں" میں نے کہا۔

رینالڈی نے کہا "خدا لگتی کہنا کیا میں انسانی کمزوریوں کو اپنانے کا بھی مجاز نہیں!"

"نہیں نہیں۔ مجھے نظر آ رہا ہے — کہ تم نے نہایت پر لطف وقت گزارا ہے لیکن کچھ مجھے بھی بتاؤ؟"

سنو، ساری گرمیاں اور خزاں کا موسم — میں نے آپریشن کرتے گزارا ہے۔ سارا وقت میں کام کرتا ہوں۔ اپنے علاوہ دوسروں کا بھی کام بھگتتا ہوں۔ سارے مشکل کیس میرے کندھوں پر آ پڑتے ہیں۔ تم یقین نہیں کرو گے بخدا ننھے میاں میں تو غضب کا سرجن بن چکا ہوں!"

"بات ہوئی ناں"

"دوسری بات یہ ہے کہ میں کبھی نہیں سوچتا۔ بخدا ذہن کی کوٹھڑی مقفل کر کے آپریشن کئے جاتا ہوں۔"

"ہونا بھی ایسے ہی چاہیئے۔"

"لیکن ننھے میاں اب سب قصہ پاک ہو چکا ہے۔ اب میں آپریشن نہیں کرتا اور اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے جہنم میں زندگی بسر کرتا ہوں۔ بے حد مہیب ہے یہ جنگ۔ میری بات کا یقین کرنا یار۔ اب تم میرا حوصلہ بڑھاؤ گے تو کچھ ہو گا۔ اچھا وہ گراموفون ریکارڈ لائے؟

"ہاں — لایا ہوں"

میرے پٹھو تھیلے میں ایک دفتی کا ڈبہ تھا جس میں کاغذ میں لپیٹ کر میں نے اس کے ریکارڈ رکھے تھے۔ لیکن اس وقت مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ انہیں نکالوں۔

"اور تم خود کیسے ہو ننھے میاں؟ تمہارا جی کیسا ہے؟"

"جہنم کی آگ میں زندہ ہوں جیسے۔"

"سب قصور اس جنگ کا ہے یہ جنگ نہایت وحشتناک ہے۔ آؤ دونوں شراب پی کر دنیا کو بھول جائیں اور قہقہے لگائیں۔ —————————— اور پھر ہماری طبیعتوں پر چھایا ہوا مایوسی کا دھواں چھٹ جائے گا" رینالدی نے مجھے تھپک کر کہا۔

"میں نے ابھی یرقان سے نجات پائی ہے اس لئے شراب پی کر بداعتدالی نہیں کر سکتا۔"

"اچھا یار تم بالآخر میرے پاس آ ہی پہنچے۔ لیکن یہ کیا آنا ہوا ہے۔ یہ سنجیدہ لمبا چہرہ ہے تمہارا۔ لیکن تمہارا ابھی کوئی دوش نہیں، سب قصور اس جنگ کا ہے یہ نہایت نڈھال کرنے والی شے ہے۔ میں پوچھتا ہوں آخر اس جنگ کی ضرورت کیا تھی۔ ہم اس مصیبت میں پڑے ہی کیوں، چلو ایک گلاس چڑھائیں۔ میں نشے میں وحشت تو نہیں ہونا چاہتا لیکن تھوڑی سی پی لیں گے۔"

"آؤ —" میں نے کہا۔

رینالدی کمرے کی طرف منہ دھونے والے میز کی طرف گیا۔ اور دو گلاس اور ایک بوتل کونیاک کی لے آیا۔

"یہ دیکھتے ہو آسٹرین کونیاک؟ یہ دیکھو لیبل "سات ستارے"؟ بس سان گبریلے کا مالِ غنیمت ہے اور تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا"

"تم وہاں گئے تھے کیا؟"

"نہیں بھئی میں تو کہیں بھی نہیں گیا۔ میں تو یہیں بیٹھا آپریشن کرتا رہا ہوں۔ دیکھو ننھے یہ تمہارا پرانا آئینہ ہے اس میں دیکھ کر تم دانت صاف کیا کرتے تھے۔ میں نے اسے بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھا تھا تاکہ تمہاری یاد تازہ رہے"

"اور تمہیں اپنے دانت صاف کرنا بھول نہ جائیں"

"کیوں بھلا؟ میرے پاس تو اپنا شیشہ ہے۔ مجھے تو اسے دیکھ کر بیٹیوں جیسی یاد آتی تھیں، جب ہم ولادہ وزا کی کثافت صبح ہی صبح برش کرکے اپنے دانتوں سے علیحدہ کیا کرتے تھے۔ وہ گلاس دیکھتے ہو؟ جب بھی میری نظر اس پر پڑتی ہے میں سوچتا ہوں تم کس طرح دانتوں کے برش سے اپنا ضمیر صاف کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے" پھر وہ میرے بستر کے قریب آکر بولا۔ "اچھا اب مجھے چوم کر یہ یقین دلاؤ کہ تم سنجیدہ نہیں ہو۔ سنجیدگی تم پر زہر لگتی ہے"

"تم جانتے ہو میں تمہیں کبھی نہیں چومتا۔ گوریلے کو کوئی کیا بوسہ دے؟"

رینالدی ہنسنے لگا۔ ہم دونوں نے گلاس ٹکرائے اور شراب پینے لگے۔

"میں خوب جانتا ہوں تم نہایت شریف بہت نیک دل اینگلوسیکسن ہو۔ تم ملامتِ نفس میں جلنے والے لڑکے ہو۔ خوب جانتا ہوں میاں اچھی طرح اس نیک نیتی کو پہچانتا ہوں۔ میں تو اس وقت کا منتظر ہوں جب میاں اینگلوسیکسن صاحب اپنے دانتوں سے رات کی تماش بینی کا ذائقہ برش سے اتاریں گے۔"

"اس گلاس میں کونیاک ڈالو جی۔"

ہم نے گلاس ٹکرائے اور رینالدی نے ہنستے ہوئے گلاس منہ سے لگالیا۔

"بچو! میں تمہیں ابھی مدہوش کرکے یہ ساری سنجیدگی نچوڑ لوں گا۔ یہ جو تمہارا بے جگرا جگر ہے اسے نکال کر اس کی جگہ ایک تر و تازہ عمدہ اطالوی جگر لگاؤں گا سمجھا کیا ہے تم نے؟ میں تمہیں آدمی بناکر چھوڑوں گا آدمی!"

میں نے کچھ اور شراب کے لئے گلاس بڑھادیا۔ باہر اندھیرا چھا گیا تھا۔ گلاس ہاتھ میں تھامے میں کھڑکی کی طرف بڑھا اور پٹ کھول دیئے۔ بارش تھم چکی تھی۔ باہر خنکی پھیلی ہوئی تھی اور درختوں میں ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔

رینالدی جلدی سے بولا "ارے ـــــــ وہ کونیاک کھڑکی سے نہ گرا دینا۔ اگر پی نہیں

سکتے تو ضائع بھی نہ کرنا، دھر مجھے پکڑاؤ وگلاس"

میں نے زیرِ لب کہا ــ "ڈوب مرو کہ تمہیں یہ گرانے کی چیز ہے"

مجھے رینالڈی سے مل کر بڑی خوشی ہوتی تھی۔ اس نے پورے دو سال میرا مذاق اڑایا تھا اور مجھے اس کی چھیڑ خانی نے ہمیشہ محظوظ کیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے۔

بستر پر اس نے بیٹھے ہوئے پوچھا "کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"

میں کھڑکی کے پاس دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ میں نے نہایت آہستہ سے جواب دیا۔

"نہیں ابھی تک تو نہیں ہوئی"

"کسی کی محبت میں گرفتار ہو پھر؟"

"ہاں ــــ"

"وہی انگریز لڑکی پیشِ نظر ہے کیا؟"

"ہاں!"

"اچھا بتاؤ تم سے اچھا برتاؤ کرتی ہے؟"

"کیوں نہیں ــــ"

"میرا مطلب تم نہیں سمجھے، میں پوچھ رہا تھا۔ اس برتاؤ کا کچھ عملی ثبوت بھی دیا ہے کہ بس زبانی جمع خرچ کیا کرتی ہے؟"

"بکواس نہ کرو ــــ"

"ہیں؟ بکواس کیوں نہ کروں؟ تم نہیں جانتے میں انتہا کا نفاست پسند ہوں اچھا یہ بتاؤ وہ تم سے جسمانی . . . . . "

میں نے کہا ــــ "اینی! خدا کے لئے بکواس بند کرو۔ اگر تم میرے دوست رہنا چاہتے ہو تو زبان کو لگام دو ــــ"

"دوست رہنا کیا معنی؟ میں تمہارا دوست ہوں ــ شُنتے بھول رہے ہو کیا، میں تمہارا دوست

ہوں پیارے دوست"

"پھر منہ بند رکھو"

"بہت خوب"

میں رینالڈی کے پاس جاکر بستر پر بیٹھ گیا۔ وہ گلاس ہاتھ میں تھامے فرش کو گھور رہا تھا۔

"ابنی کچھ مجھے ہو؟ کچھ مجھے ہو میرے حالات کو؟"

"کیوں نہیں ساری زندگی مجھے مقدس چیزوں ہی سے تو پالا پڑتا رہا ہے۔ لیکن تمہاری طبیعت میں بہت کم ایسے تقدس کا مشاہدہ کیا تھا۔ لیکن شاید تم میں بھی کچھ نہ کچھ طیب ضرور ہوگا — تم بھی جی کے کسی گوشہ میں منہ لٹکائے بیٹھے ہو گے"

"کیا تمہارے اندر ایسا کوئی مقدس گوشہ نہیں ہے؟"

"نہیں —"

"ذرا سا بھی نہیں؟"

"نہیں"

"کم از کم تمہاری والدہ اور ہمشیرہ کے متعلق تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی یاد دل کے کسی پاک کونے میں رہتی ہوگی"

اس نے مجھے آنکھ مارتے ہوئے کہا "اور میں تمہاری بہن کے متعلق کہہ سکتا ہوں"

ہم دونوں ہنس دیئے

"تم وہی بڈھے فوق البشر ہو۔"

رینالڈی بولا "شاید مجھے حسد آتا ہے جلن ہوتی ہے جی میں؟"

"نہیں نہیں حسد وسد کچھ نہیں بس"

"میرا مطلب عام حسد سے نہ تھا۔ میرا اشارہ کسی اور طرف تھا۔ اچھا یہ بتاؤ تمہارے کوئی شادی شدہ دوست ہیں؟"

"ہاں — ہیں" میں نے جواب دیا۔

رینالڈی بولا "میرا کوئی شادی شدہ جوڑا دوست نہیں۔ اگر ان کی آپس میں محبت ہو تو پھر یہ دوستی اور بھی ناممکن بن جاتی ہے"

"کیوں"

"بس وہ مجھے پسند نہیں کرتے؟"

"اس ناپسندیدگی کی وجہ؟"

"میں ورغلانے والا سانپ ہوں — منطق کا سانپ!"

"تم شاید پانچ بہشت کی روایت سے اچھی طرح واقف نہیں ہو یا تمہاری یادداشت نے تمہیں الجھا دیا ہے۔ دراصل سیب کو منطق سمجھا جاتا ہے نہ کہ سانپ کو —"

وہ نہایت خوشگوار لہجے میں بولا "توبہ کرو! — سانپ حضرت منطقیں بھو کنے والے تھے"

میں نے کہا "ایسی گہری سوچوں میں نہ پڑا کرو تم پر غور و فکر سجتا نہیں"

وہ کہنے لگا "اسی لئے تو میں تم سے محبت کرتا ہوں ننھے کہ جب میں کسی بڑے الالوی مفکر کی طرح سوچنے لگتا ہوں اور میری شخصیت پھول کر غبارے ایسی ہو جاتی ہے تو تم میرے غبارے میں چھید کر دیتے ہو۔ لیکن اتنا سمجھ لو مجھے کئی ایسی باتوں کا علم ہے جن کا بیان مجھ سے ممکن نہیں۔ کم از کم تم سے میں زیادہ ہی جانتا ہوں۔"

"یہ بات تو ٹھیک ہے" میں نے تسلیم کیا۔

"لیکن وقت تمہارا اچھا کٹے گا۔ دیکھ لینا، پچھتاوے اور پشیمانیاں بھی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی؟"

"میں تو یوں نہیں سمجھتا"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مجھے تو اب صرف اپنے کام سے مسرت حاصل ہوتی ہے۔ جب میرا کام مجھ سے چھن جاتا ہے تو میں سوچ میں ڈوب جاتا ہوں" وہ فرش کو گھورنے لگا۔

"فکر نہ کرو یہ کیفیت جاتی رہے گی"

نہیں یہ بات سچ ہے۔ اپنے کام کے علاوہ مجھے دو اور چیزیں بھی پسند ہیں لیکن ایک سے میرے کام کو نقصان پہنچتا ہے اور دوسری ؟ ـــــ دوسری عجب لعنتی چیز ہے کبھی اس میں پندرہ منٹ لگتے ہیں کبھی آدھ گھنٹہ ـــــ اور کبھی اس سے بھی بہت کم ! "

"ہاں ـــــ بہت زیادہ کم ـــــ"

"شاید میں کچھ بہتر ہو گیا ہوں۔ تمہیں علم نہیں لیکن کام کے علاوہ بس صرف ان ہی دو چیزوں سے تسکین ملتی ہے"

"رفتہ رفتہ سکون کے اور بھی اسباب پیدا ہو جائیں گے"

"نہیں ـــــ زندگی میں کچھ نہیں ملتا۔ جو کچھ ہمیں پیدائش کے وقت ملتا ہے وہی ساتھ دیتا ہے نئی چیزیں سیکھنے کی ہم میں سکت نہیں۔ کوئی نئی راحت جھولی میں نہیں پڑتی۔ پیدائش کے وقت ہی انسانی زندگی مکمل ہوتی ہے ـــــ شکر کرو تم لاطینی نہیں ہو"

"لاطینی کیا معنی ؟ لاطینی کوئی چیز نہیں۔ ہاں لاطینی خود ذکر ایک اصطلاح ہوتی ہے دیکھئے! اپنے نقائص پر تم کس قدر نازاں ہو"

رینالڈی نے سر اٹھا کر قہقہہ لگایا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا "میرا خیال ہے اب یہ بکواس بند کریں۔ اتنا سوچنے سے میں تھک گیا ہوں پھر کھانے کا بھی وقت ہو چکا ہے۔ مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے کہ تم واپس آگئے ہو تم میرے بہترین دوست ہو۔ اور اس معرکے میں میرے جنگ بھائی ہو"

"اور جنگی بھائی کھانا کب کھائیں گے ؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی اسی وقت لیکن کھانے سے پہلے ہم تمہاری سنجیدگی کی نذر کچھ شراب پئیں گے"

"سینٹ پال کی طرح ؟"

"بے حد غلط بات کی تم نے ؟ تب شراب اور پیٹ کا ذکر ہوا تھا۔ روایت ہے کہ اپنے پیٹ کی خاطر تھوڑی سی شراب پی لو"

"اچھا باقی ماندہ بوتل ادھر لاؤ اور کسی کی خاطر سہی لیکن آؤ پیئیں مزید"

"تمہاری دوستی کی نذر ــــــ" رینالدی نے گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب"

"میں اس کے متعلق کبھی کوئی گندی بات نہ کروں گا"

"کچھ ایسی زیادہ احتیاط بھی نہ برتنا"

اس نے کونیاک کا گلاس چڑھالیا اور بولا "میں پاک ہوں۔ میں بھی تمہاری طرح ہوں لفٹے مجھے بھی کوئی انگریز لڑکی کبھی مل جائے گی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ تمہاری محبوبہ سے پہلے میری واقفیت ہوئی تھی۔ لیکن وہ میرے لئے کچھ زیادہ ہی لمبی تھی۔ لمبی لڑکی ہمیشہ بہن ہوتی ہے" اس نے کسی کا قول دوہرایا۔

"تمہارا ذہن نہایت ہی پاکیزہ ہے" میں نے کہا۔

"اور میں بھی ہوں۔ اسے تو سب مجھے رینالدو پاکباز پکارا کرتے ہیں"

"رینالدو خبیث، لعین"

"آؤ چلو باہر نیچے چل کر کھائیں۔ کون جانے پھر کب ذہن پر بدی عود کر آئے۔ اس ذہنی پاکیزگی کا فائدہ اٹھانا چاہیئے"

میں نے ہاتھ منہ دھو کر بال بنائے اور پھر ہم نیچے چلے گئے۔ رینالدی پر تھوڑا سا نشہ طاری ہو چکا تھا۔ جب ہم کھانے کے کمرے میں پہنچے تو ہمیں پتہ چلا کہ کھانا تیار ہونے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

"میں بوتل لے کر ابھی آیا" رینالدی کہنے لگا۔

یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ میں میز پر بیٹھ گیا تھوڑی سی دیر میں وہ بوتل سمیت پلٹ آیا اور ہم دونوں کے لئے اس نے آدھا آدھا گلاس بھر دیا۔

میں نے لیمپ کے سامنے گلاس کی شراب دیکھی اور بولا "یہ بہت زیادہ ہے بہت نیادہ"

خالی پیٹ کے لئے نہیں۔ غضب کی چیز ہے۔ پیٹ تو اس سیال آگ میں جل کررہ جاتا ہے سارے کا سارا۔ تمہارے لئے اس سے بدتر اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔"

"ٹھیک!"

"سنو اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا اس سے زیادہ اور کوئی اچھا طریقہ نہیں ہے ——— ہر روز بربادی ہر روز تباہی ——— اس چیز سے پیٹ تباہ ہوجاتا ہے اور ہاتھ کانپنے لگتا ہے بس یہ سرجن کے لئے بہترین ہے۔"

"اچھا تم اس کی سفارش کرتے ہو؟"

"بالکل! میں کسی اور چیز کی سفارش ہی نہیں کرتا۔ پی لو سنگھتے اور بیمار ہونے کی توقع کرو بس!"

میں نے شراب کا آدھا گلاس چڑھالیا۔ ہال میں اردلی کی آواز سنائی دی۔ "سوپ تیار ہے صاحب"

اسی اثنا میں مجر بھی آپہنچا اس نے ہماری طرف دیکھا اور سر کے اشارے سے سلام کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ میز کے سامنے مجھے اس کا جثہ بہت ہی چھوٹا لگا۔

"بس ہم اتنے ہی لوگ رہ گئے ہیں کیا؟ ———" اس نے پوچھا

اردلی نے اس کے سامنے سوپ سے بھری ایک پلیٹ لگادی اور وہ بڑے چمچے سے شوربہ پینے لگا۔

رینالدی نے جواب دیا۔ "بس جی یہی کچھ ہیں۔ ہاں پادری ابھی نہیں پہنچا۔ اگر اسے علم ہوتا فریڈریکو آگیا ہے تو اب وہ یہاں ہوتا"

"ہاں۔ لیکن پادری ہے کہاں؟" میں نے پوچھا۔

مجر کہنے لگا۔ "۳۰۷ نمبر میں رہتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ آتا ہی ہوگا۔ میں وہاں پیغام دے آیا تھا کہ تم آپہنچے ہو۔"

میجر شوربہ پینے میں مشغول تھا۔ پھر اس نے منہ پونچھا اور اوپر کو چڑھی سفید مونچھیں بڑی

احتیاط سے پوچھیں۔

"میس کا یہ ماحول مجھے کچھ جچا نہیں۔ مجھے تو وہی شور و غوغا یاد آتا ہے" میں نے کہا۔

"ہاں ذرا کچھ خاموشی سی چھائی ہوئی ہے"

"ہنگامہ بھی بپا ہو گا" رینالدی بولا۔

میجر نے کہا "تھوڑی سی شراب پیو؟"

پھر اس نے میرا گلاس بھر دیا۔ کچھ عرصہ بعد سپاگیٹی آ گئی اور ہم سب مشغول ہو گئے۔ ابھی آدھی پلیٹ بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ پادری آ پہنچا۔ ہمیشہ کی طرح وہ گٹھا ہوا چھوٹے قد کا آدمی سنولایا سا مجا تھا۔ میں کھڑا ہو گیا اور جب ہم ہاتھ ملا چکے تو اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "جونہی مجھے آپ کی آمد کا پتہ چلا میں ادھر روانہ ہو گیا"

میجر بولا ـــــ "بیٹھ جائیے، آپ پہلے ہی دیر سے پہنچے ہیں"

"شام بخیر ـــــ" رینالدی نے انگریزی زبان میں پادری کو سلام کیا۔ سلام کرنے کا یہ طریقہ میس والوں نے اس کپتان سے سیکھا تھا جو پادری سے چھیڑ خانی کیا کرتا تھا اور جسے تھوڑی بہت انگریزی آتی تھی۔

"شام بخیر ـــــ رینالدی" پادری نے جواب دیا۔

اردلی پادری کے لئے شوربے کی پلیٹ لے آیا لیکن اس نے سوپ نہ پیا اور اپنے لئے بھی سپاگیٹی منگوالی۔

"مزاج شریف؟" پادری نے مجھے پوچھا۔

"نہایت عمدہ! یہاں کے حالات سنائیے؟"

رینالدی بولا "پادری صاحب شراب پیجئے شراب۔ اپنے پیٹ کی خاطر تھوڑی سی شراب پینا اچھا ہوتا ہے۔ یہ سینٹ پال کہا کرتے ہیں آپ تو جانتے ہی ہوں گے؟"

"جی ہاں مجھے علم ہے" پادری نے مؤدب ہو کر کہا۔

رینالڈی کہنے لگا "یہ جو آپ کے سینٹ پال تھے نا۔ یہ ساری مصیبت ان ہی کی پھیلائی ہوئی ہے" پادری میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ میں نے بھانپ لیا کہ اب اسے چھیڑ خانی سے اذیت نہیں پہنچی۔

رینالڈی بولا "حضرت سینٹ پال دراصل ایک آوارہ مزاج اور عورتوں کے گرد گھومنے والے شخص تھے۔ لیکن جب جسم نے ساتھ چھوڑ دیا، جذبات کی گرمی جاتی رہی تو کہنے لگے کہ اس کام میں کچھ نہیں۔ جب اپنے میں دم خم نہ رہا تو ہم لوگوں کے لئے اصول مرتب کر دیئے۔ ٹھیک ہے نا فرید یکو؟"

اس وقت ہم گوشت کا اسٹیو کھا رہے تھے۔ میجر مسکرانے لگا۔ میں نے کہا "ادھیڑ ہو جانے کے بعد میں کبھی کسی سینٹ پر بحث نہیں کیا کرتا"

رینالڈی کہنے لگا "لیجئے یہ بھی پادری سے جا ملے، بھلا ان پادری صاحب کو کانٹوں میں گھسیٹنے والے تمام نیک دل کہاں گئے"

بڑے اچھے پادری ہیں یہ۔" میجر بولا۔

رینالڈی کہنے لگا "بھلا ان کی اچھائی پر کس کو اعتراض ہے، لیکن ہیں تو پادری ہی نا! میں میس میں پرانے دنوں کی یاد تازہ کرنا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ فریڈیریکو خوش ہو جائے کسی طرح ـــــ جہنم میں جائے پادری! ہمیں کیا؟"

پادری بولا "سب ٹھیک ہے رینالڈو۔ سب ٹھیک ہے۔"

رینالڈی بولا "جہنم میں جاؤ پادری صاحب اور لعنت بھیجو ہماری ان مصروفیات پر" وہ کرسی سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔

میجر مجھ سے مخاطب ہوا "ان پر کام کی زیادتی کا بہت بوجھ رہا ہے"

میجر نے گوشت کھانا ختم کر دیا اور ڈبل روٹی کے ٹکڑے سے پلیٹ کی یخنی پونچھ لی۔ رینالڈی کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا پھر اس نے خالی خولی گستاخانہ نظروں سے سب کو دیکھا اور کہنے

لگا۔" میں کسی کی رتی بھر پرواہ نہیں کرتا۔ یہ ساری جنگ اور اس کی ساری مصروفیات جہنم میں غرق ہو جائیں میری بلا سے!"

"بہت خوب! سب کچھ جہنم واصل ہو جائے ہم سب کی بلا سے"

رینالدی بولا۔ "نہیں نہیں تم یہ نہیں کہہ سکتے۔ تم ایسا کر نہیں سکتے تم ایسا کرہی نہیں سکتے۔ تم اندر سے خشک اور کھوکھلے ہو چکے ہو تمہارے اندر کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اور باقی رہا بھی کیا ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ میں! اب تو بدبختی سے کچھ بھی کرنے کو نہیں رہا۔ جب میں کام ختم کر لیتا ہوں تو میں اچھی طرح ان باتوں کو سمجھنے لگتا ہوں"

پادری سر ہلانے لگا۔ اردلی آیا اور خالی اور جھوٹے برتن اٹھا کر لے گیا۔

پھر رینالدی نے پادری کی طرف رخ کر کے کہا۔ "اور حضرت پادری صاحب آپ کس خوشی میں گوشت کھائے جا رہے ہیں؟ آج جمعہ ہے حضور جمعہ!"

"آج جمعرات ہے" پادری نے تردید کی۔

"جمعرات؟ — کتنا سفید جھوٹ جمعہ ہے سیدھا سادا۔ آپ حضرت یسوع مسیح کا گوشت کھا رہے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کا گوشت کھا رہے ہیں۔ مردہ آسٹرین کی لاش چبا رہے ہیں سمجھے؟ — کچھ سمجھے؟"

پرانے مذاق کو ختم کرتے ہوئے میں نے کہا "لیکن سفید گوشت آفیسروں کا ہوا کرتا ہے رینالدی"

رینالدی ہنس دیا۔ پھر اس نے اپنا گلاس شراب سے بھرا اور بولا "میری باتوں کا بُرا نہ ماننا میں ذرا سا دیوانہ ہوں"

پادری نے کہا "آپ کو چھٹی پر جانا چاہیئے، آپ کو آرام کی ضرورت ہے"

میجر نے پادری کی طرف چہرہ کر کے سر ہلایا اور رینالدی نے بھی اپنا رخ اسی طرف پھیر کر پوچھا۔

"آپ کا خیال ہے مجھے چھٹی پر جانا چاہیئے؟ ہیں؟"

میجر سر کے اشارے سے پادری کو منع کرنے لگا۔ رینالدی کی آنکھیں بھی پادری پر گڑی تھیں پادری نے آہستہ سے کہا: "جیسے آپ کی مرضی۔ جیسا آپ کا جی چاہے۔ اگر آپ جانا نہیں چاہتے تو نہ جایئے"

"جہنم میں جاؤ۔ یہ مجھے چھٹکارا دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہر روز یہ میری نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ان کا ہر روز مقابلہ کرتا ہوں۔ ہر ایک کو دنیا میں مقابلہ کرنا پڑتا ہے ہر ایک کو! ساری دنیا اسی میں مبتلا ہے ساری دنیا۔ پہلے ایک چھوٹی سی پھنسی سر نکالتی ہے پھر کندھوں کے درمیان چکتے پڑ جاتے ہیں۔ پھر سب کچھ مٹ جاتا ہے نہ پھنسی رہتی ہے نہ چکتے اور ہم اپنا تمام تر اعتماد گندھک اور سیماب پر لگا بیٹھتے ہیں کہ بس اسی سے شفا حاصل ہو جائے گی۔ بس یہی تریاق ہے" رینالدی لیکچر دینے لگا۔

"پامر کیورو کروم" میجر نے خاموشی سے قطع کلام کیا۔

رینالدی بولا "وہ بھی پارے ہی سے بنتی ہے۔ مجھے ایک ایسا علاج آتا ہے جو اس قسم کی دو دوائیوں سے بھی افضل ہے۔ بے چارہ پادری! آپ کو کبھی یہ بیماری تحفہ میں نہیں مل سکتی ننھے میاں کو ہو جائے گی۔ البتہ ہمارے میز کا لیمپ دھواں چھوڑنے لگا تھا اور سیاہ دھواں چمنی کے ساتھ ساتھ لگ کر نکل رہا تھا۔

میجر نے اردلی کو دیکھ کر کہا: "یہ لیمپ لے جاؤ اور دو موم بتیاں لے آؤ"

تھوڑی دیر بعد اردلی دو پرچوں میں علیحدہ علیحدہ جلتی موم بتیاں لگا کر لے آیا۔ پھر اس نے پھونک مار کر لیمپ بجھایا اور اسے اٹھا کر لے گیا۔

رینالدی اب خاموش بیٹھا تھا اور بالکل ٹھیک ٹھاک لگتا تھا۔ ہم کافی پیتے رہے اور باتیں کرتے رہے اور کافی ختم کر چکنے کے بعد ہم ہال میں چلے گئے۔

وہاں پہنچ کر رینالدی بولا "تم تو شاید پادری کے ساتھ باتیں کرنا چاہو گے مجھے شہر جانا ہے اس لئے خدا حافظ۔ خدا حافظ پادری صاحب۔"

پادری بولا "خدا حافظ رینالدو۔"

رینالدی نے آنکھ مارتے ہوئے کہا "فرٹیلی میں تم سے آکر باتیں کروں گا"

"لیکن جلدی آجانا۔ اچھا!"

رینالدی منہ بنا کر چلا گیا۔ میجر ہمارے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ جب رینالدی دروازے سے پار ہو گیا تو اس نے کہا "ایک تو کام کی زیادتی ہے ایک یہ ضرورت سے زیادہ تھک چکا ہے۔ پھر اس کا خیال ہے کہ اسے آتشک کی بیماری ہے۔ مجھے یقین تو نہیں آتا لیکن کون جانے یہ سچ ہی ہو۔ اپنا علاج خود کیا کرتا ہے بے چارہ۔ اچھا تو شب بخیر! انیر کو صبح کاذب سے پہلے ہی چلے جاؤ گے ناں؟"

"جی ہاں"

"بہت اچھا تو پھر خدا حافظ۔ خوش بختی تمہارے ساتھ ہو۔ اور لی تمہیں جگا دے گا۔ اور وہی تمہارے ساتھ جائے گا"

"خدا حافظ سینورِ ماجورے"

"خدا حافظ۔ آج کل افواہ تو پھیلی ہے کہ آسٹری حملہ کریں گے لیکن مجھے اس بات پر یقین نہیں۔ خدا نہ کرے۔ خدا نہ کرے۔ بہر کیف اتنا شکر ہے کہ یہاں تو لڑائی نہ ہوگی۔ جینو تمہیں سب کچھ بتا دے گا، ٹیلیفون بھی اب ٹھیک کام کرتا ہے۔"

"میں آپ کو باقاعدہ فون کیا کروں گا"

"ہاں بھئی از راہ کرم فون ضرور کرنا۔ شب بخیر۔ اور ہاں وہ رینالدی کو اتنی برانڈی نہ پینے دیا کرو۔"

"میں کوشش کروں گا"

"شب بخیر، پادری صاحب"

"شب بخیر سینورِ ماجورے"

وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

٭

۲۶

میں دروازے تک چلا گیا اور باہر دیکھنے لگا۔ بارش ختم ہو چکی تھی اور سارے میں دھند چھائی تھی۔

"اوپر چلیں؟" میں نے پادری سے پوچھا۔

"میں بس تھوڑی دیر ٹھہر سکوں گا"

"چلو اوپر تو چلیں"

ہم سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ میں رینالدی کے بستر پر بیٹھ گیا۔ اردلی میرا بستر بنا چکا تھا، پادری اسی بستر پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں اندھیرا چھایا تھا۔

"اچھا تو اب بتائیے آپ کا کیا حال ہے؟"

"ویسے تو میں ٹھیک ٹھاک ہوں صرف اس وقت تھکن محسوس ہو رہی ہے"

"میں بھی تھکا ہوا ہوں لیکن اس تھکاوٹ کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے"

"اس جنگ کا کیا حال ہے؟"

"بس جلد ہی ختم ہو جائے گی۔ میں کوئی خاص وجہ تو نہیں جانتا لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے"

"اور محسوس کرنے کی وجہ؟"

"اپنے میجر کو جانتے ہو نا؟ نرم دل شخص ہے؟ بس زیادہ لوگ اس طرح ہوتے جا رہے ہیں"

"میں خود نہایت رقیق القلب ہوتا جا رہا ہوں"

پادری بولا: "نہایت وحشتناک گرمیاں گذری ہیں۔"
جب میں گیا تھا تو اس میں اس قدر خود اعتمادی نہ آئی تھی لیکن اب وہ زیادہ تیقن کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔
وہ کہنے لگا: "تم یہاں کے حالات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تم محاذ پر رہے ہو اور تم جانتے ہو کہ لڑائی کیا ہوتی ہے لیکن پھر بھی پوری طرح اندازہ لگانا تمہارے بس کا نہیں، ان گرمیوں میں بہت سے لوگوں نے جنگ کی ہولناکیاں دیکھی ہیں وہ جنگ کو سمجھ گئے ہیں۔ جن آفیسروں کے متعلق میرا خیال تھا کہ وہ قیامت تک بے حس رہیں گے، وہ اب اچھی طرح اسے سمجھ بیٹھے ہیں"
کمبل کو ہاتھ سے تھپتھپاتے ہوئے میں نے پوچھا: "پھر کیا ہوگا؟"
"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ یہ جنگ دیر تک نہ رہے گی"
"لیکن آخر کس طرح؟"
"وہ لڑنا چھوڑ دیں گے"
"کون؟"
"دونوں فریق!"
"کاش" میں نے کہا
"تمہیں اعتبار نہیں آتا"
"نہیں اعتبار تو آتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دونوں اطراف ایک ساتھ جنگ ترک نہ کریں گی۔"
"ٹھیک ہے دونوں فریق ایک ہی بار تو جنگ سے ہاتھ نہ روکیں گے۔ اس بات کی توقع ہی غلط ہے۔ لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ آدمی کس قدر تبدیل ہو چکے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ جنگ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکے گی"
"ان گرمیوں جیت کا سہرا کس کے سر رہا؟" میں نے پوچھا۔

"اس بار تو دونوں فوجیں بغیر سہرے کے ہی رہیں"

میں نے کہا۔ "جیت آسٹرین کی ہوئی ہے۔ اطالوی سان گبریلے نہیں لے سکے۔ آسٹرین فتح مند ہیں۔ بھلا وہ کیوں لڑائی ختم کر دیں گے؟"

"اگر ان کے احساسات بھی ہم جیسے ہوئے تو شاید وہ بھی رُک جائیں۔ ان پر بھی بہت کچھ بیت چکی ہے"

"فاتح نے کبھی قدم نہیں روکے فاتح کبھی ختم نہیں کیا کرتا؟"

"آپ تو مجھے مایوس کر رہے ہیں"

میں تو وہی کچھ کہہ رہا ہوں جو کچھ میں سمجھتا ہوں" میں نے کہا۔

"پھر آپ سمجھتے ہیں کہ اس جنگ کا سلسلہ لامتناہی ہے چلتا ہی رہے گا کبھی بھی کسی طرح بھی اس کے پہیے رُک نہ سکیں گے؟"

پتہ نہیں جی۔ لیکن فتح کے بعد آسٹرین فوجوں کے لئے رکنا ناممکن ہے۔ فتح غرور و تکبّر کی سیڑھی ہے۔ انسان تو شکست کے بعد ہی مسیح کا پیرو کار بنتا ہے"

"آسٹرین بھی عیسائی ہیں"

اصطلاحی معنوں میں عیسائیت کے معنی نہ لیجئے۔ میرا اشارہ حضرت مسیح کی سی زندگی گزارنے کی طرف تھا"

وہ خاموش رہا۔

"ہم سب اس لئے نرم دل ہو چکے ہیں کہ ہمیں شکست نصیب ہوتی ہے ہمارے پیغمبر کو اگر سینٹ پیٹر باغیچہ میں بچا لیتے تو وہ کیسے ہوتے بھلا؟"

"تو ہو ویسے ہی جیسے وہ تھے"

وہ کہنے لگا۔ "تم تو مجھے پست ہمت کئے دیتے ہو۔ میرا اعتقاد ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ اس جنگ کو روکنے والی کوئی وجہ پیدا ہو جائے۔ یہ اعتقاد میرے جی کے بہت ہی قریب ہے"

میں نے کہا۔" شاید کچھ ہو ہی جائے لیکن جو کچھ بھی بیتے گی ہمیں پر بیتے گی، اگر ان کے جذبات بھی ہماری ہی طرح ہوتے تو حالات بہتر ہوتے لیکن وہ فاتح ہیں انہوں نے ہمیں شکست دی ہے ان کے احساسات کچھ اور ہی ہوں گے"

"ایسے سپاہیوں کی کمی نہیں جو ہمیشہ سے ہی اس طرح محسوس کئے آرہے ہیں جو ہمیشہ اتنے ہی رحمدل تھے۔ اس کی وجہ یہ تو نہ تھی کہ وہ شکست خوردہ تھے۔"

"وہ ہمیشہ سے شکست خوردہ تھے۔ جب ان سپاہیوں کو کھیتوں کی لہلہاتی چھاتی سے نوچ کر فوج میں بھرتی کیا گیا تھا اسی وقت احساس شکست ان کے جی میں بیٹھ گیا تھا۔ شروع ہی سے دہقان کا دل ہارا ہوا ہوتا ہے۔ پسپائی اس کے دل میں عقلمندی کے بیج بوتی ہے۔ اسی دہقان کو بااختیار بنا دو اقتدار کی لاٹھی اس کے ہاتھ میں پکڑا دو پھر اس کی عقلمندی کے کرشمے دیکھنا"

پادری خاموش رہا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

میں نے بات جاری رکھی "میں خود دل شکستہ ہوں اس لئے تو ان چیزوں کے متعلق کبھی نہیں سوچتا۔ اور نہ سوچنے کے باوجود جب کبھی میں باتیں کرتا ہوں تو میرے لبوں پر وہی کچھ آرہتا ہے جو میرے ذہن میں ہوتا ہے"

"میں تو تھوڑی سی امید باندھ بیٹھا تھا"

"کس کی امید؟ شکست کی؟" میں نے کہا۔

"نہیں —— تھوڑی سی اس سے بہتر چیز۔"

"اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے سوائے فتح کے۔ ہمارے لئے شاید اس سے بھی بدتر حالات ہوں"

"ایک عرصہ تک میں نے فتح کی تمنا میں جی گھلایا ہے" وہ بولا۔

"اور میں نے بھی"

"اور اب میں بے یقینی کا شکار ہو گیا ہوں اب میں کچھ نہیں جانتا!"

"کچھ نہ کچھ تو ہو کر ہی رہے گا۔ فتح یا شکست یقین کے بغیر فیصلہ ناممکن ہے" میں نے وثوق سے کہا۔

"فتح پر اب میرا ایمان نہیں رہا"

"میں بھی فتح کو نہیں مانتا۔ لیکن شکست پر تو بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ ہو سکتا ہے شکست ہمارے حق میں بہتر ہی رہے"

"اور تم کس چیز پر اعتماد کرتے ہو بھلا؟"

"نیند پر اس وقت تو میرا ایمان نیند ہے!"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"معاف کیجئے میں اتنی دیر تک بیٹھا رہا۔ لیکن میں کیا کروں آپ سے باتیں کرنا مجھے اچھا ہی اس قدر لگتا ہے"

"تو آپ بیٹھے باتیں کریں۔ نیند کے متعلق تو ایسے ہی میں نے مہمل سی بات کہہ دی تھی"

ہم دونوں نے اٹھ کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔

"میں آج کل۔۔۔ مومیں سویا کرتا ہوں" وہ بولا۔

"لیکن میں کل صبح ہی مورچے پر جا رہا ہوں"

"جب آپ واپس آ جائیں گے تو پھر ملاقات ہو گی"

میں اسے دروازے تک پہنچانے گیا اور وہاں پہنچ کر میں نے کہا۔ "ضرور! اور پھر ہم اکٹھے سیر کو جایا کریں گے اور باتیں کریں گے"

"جی نہیں نیچے آنے کی تکلیف نہ کیجئے۔ مجھے آپ کو پھر یہاں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے گو آپ کے لئے یہ واپسی کچھ ایسی راحت کا باعث نہ ہوئی ہو گی"

اس نے میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

میں نے کہا "میرے لئے تو بالکل ٹھیک ہے — شب بخیر"
"شب بخیر! —— جاؤ!"
"شب بخیر — جاؤ!"
"جاؤ ——" میں نے کہا
مجھے بڑی نیند آرہی تھی۔

❖

۲۷

جب رینالدی کمرے میں آیا تو میری آنکھ کھل گئی لیکن اس نے کوئی بات نہ کی اس لئے میں دوبارہ سو گیا۔ صبح جب میں اٹھا تو رینالدی سویا ہوا تھا۔ دن کی روشنی نے ابھی منہ نہ دکھایا تھا کہ میں تیار ہو کر چل دیا۔ رینالدی سے میری ملاقات نہ ہو سکی۔

میں نے پہلے کبھی بائینتزا نہ دیکھا تھا۔ دریا کے اس پار جہاں میں زخمی ہوا تھا اور اس سے پرے جہاں کبھی آسٹرین قابض تھے ان جگہوں سے ہو کر ہماری کار چڑھائی چڑھتی گئی اور کچھ عجیب سا احساس دامنگیر رہا یہاں ایک نہایت ڈھلواں نئی سڑک تعمیر ہو چکی تھی جس پر بہت سے ٹرک رواں دواں تھے۔ جہاں سے سڑک سیدھی اور ہموار تھی وہاں سے مجھے جنگل اور نہایت اونچے پہاڑ دھند میں لپٹے نظر آئے۔ ایسے جنگلوں میں سے بھی ہمارا گذر ہوا جن پر ہماری فوجیں بڑی جلدی قابض ہو گئی تھیں اور جو زیادہ تباہ نہ ہوئے تھے۔ پھر ہماری کار وہاں پہنچی جہاں پہاڑوں کا سایۂ عاطفت سڑک پر نہ تھا اور اوپر چٹائیوں کی چھت تلے سڑک چھپائی گئی تھی۔ بالآخر یہ نئی سڑک ایک خستہ حال گاؤں

میں پہنچ کر ختم ہو گئی۔ پہاڑیوں سے پرے ہماری فوجوں کی صفیں آراستہ تھیں۔ ارد گرد بہت سی توپیں نظر آ رہی تھیں۔ گھر بمباری کی وجہ سے شکستہ حال تھے لیکن اس گاؤں کا انتظام خوب تھا اور جا بجا سائن بورڈ ٹنگے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ہم نے کہیں سے جینو کو ڈھونڈ نکالا اور پھر وہ ہمارے لئے کافی لے آیا۔ پھر میں جینو کے ساتھ مورچے دیکھنے گیا اور اُس نے کئی ایک لوگوں سے میرا تعارف کرا دیا۔ جینو نے ہی مجھے بتایا کہ برٹش گشتی کاریں بائینتزا کی لڑائی میں کام کر رہی ہیں۔ وہ مجھے انگریزوں کا بڑا مداح نظر آیا۔ کہنے لگا "بمباری تو اب بھی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن زخمیوں کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ چونکہ بارشوں کی آمد شروع ہو گئی ہے اس لئے خیال ہے کہ اب بیماری پھیلے گی اور زیادہ فوجی بیمار ہوں گے" وہ بھی میجر کا ہم خیال نکلا اور بولا "افواہ ہے کہ آسٹرین حملہ کریں گے۔ لیکن مجھے اعتبار نہیں آتا۔ ہم سے بھی توقع کی جاتی ہے کہ حملہ آور ہوں گے لیکن چونکہ نئی فوجیں نہیں پہنچیں اس لئے یہ سلسلہ بھی ختم ہی سمجھو۔ کھانے کی یہاں بہت قلت ہے۔ لیکن گوانزیا پہنچ کر پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور اللہ کا شکر کروں گا۔ بھلا تم نے رات کیا کھایا تھا؟"

جب میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ بولا۔ "غضب! مزہ آ گیا ہوگا"

اس پر میٹھے کھانے کے ذکر نے بہت ہی رعب ڈال دیا۔ میں نے اس میٹھے پکوان کی تفصیل تو نہ بتائی لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اسے شاہی ٹکڑے کی سی شاندار چیز سمجھ بیٹھا تھا۔

پھر اس نے پوچھا "بھلا یہ تو بتاؤ مجھے کہاں بھیج رہے ہیں!"

جب میں نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا "بھئی تمہارے متعلق تو کچھ پتہ نہیں ہاں باقی کاریں کاپوریتا میں ہیں"

تو وہ لشاش ہو کر بولا۔ "بڑی اچھی جگہ ہے۔ پرے اونچے فلک بوس پہاڑوں کا سلسلہ نظر آتا ہے" جینو بڑا اچھا لڑکا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے تمام لوگ اسے پسند کرتے تھے۔ وہ کہنے لگا "اصلی دوزخ تو سان گبریلے میں تھا اور لومے پر جو جارحانہ حملہ ہوا تھا وہ اور بھی زیادہ

تباہ کن تھا۔ آسٹرین فوجوں کے کئی توپ خانے ہم سے پرے موجود تھے۔ فی منا کے پہاڑ کی ماہی لپشت پر اُگے ہوئے جنگلوں میں ان کی توپیں چھپی ہوئی تھیں اور رات کے وقت بری طرح بمباری کیا کرتی تھیں۔ بحری توپوں کا ایک ایسا امر جو یہاں موجود ہے جو مجھ پر اعصابی کیفیت طاری کر دیتا ہے اور جسے میں کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ پہلے تو گولہ چھوٹنے کی آواز آتی ہے اور پھر اسی لمحے چیخ کی صدا بلند ہو جاتی ہے عام طور پر دو بندوقیں ایک ساتھ چھوٹتی ہیں۔ ایک کے بعد ہی دوسری ـــ ایک کے بعد ہی دوسری اور دھماکے کے ساتھ جو پرخچے اڑتے ان کا اندازہ لگانا مشکل تھا"

پھر اس نے مجھے ایک فٹ ہموار دھات کا ایک دندانے دار ٹکڑا دکھاتے ہوئے کہا۔"میرا خیال نہیں کہ یہ زیادہ کارگر ہوتے ہیں لیکن خوفزدہ کرنے میں یہ بہت کامیاب رہتے ہیں۔ ان کی صدا ایسی خوفناک ہوتی ہے جیسے صرف آپ ہی کی روح قبض کرنے کے لئے بلند ہوئی ہو۔ پہلے دن دنادن کی آواز آتی ہے پھر اس کے تعقب یا پر تیز چیخ ابھرتی ہے اور پھر ٹلیٹوچھوٹتا ہے۔ زخمی ہونے سے جان بچ جاتی ہے لیکن فائدہ ـــ اس کا تو شور سن کر ہی انسان کے حواس معطل ہو جاتے ہیں موت پاس بیٹھی نظر آتی ہے"

پھر جینو نے مجھے پوچھا۔"اچھا یہ بتائیے بائینسترا کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال تھا کہ یہ جگہ زیادہ ہموار اور مسطح ہو گی لیکن وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ نہایت کٹی پھٹی بے رونق جگہ ہے"

پھر جینو اور میں گھر کے اس حجرے میں واپس چلے گئے جہاں وہ رہتا تھا وہاں پہنچ کر میں نے اپنی رائے ظاہر کی کہ پہاڑ کی ایسی ماہی لپشت جو اوپر سے ہموار اور دونوں طرف سے گھری ہو، بہ نسبت چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے آسانی سے قبضے تلے رہتی ہے"

وہ کہنے لگا "یہ تو پہاڑ پر منحصر ہے۔ سان گبریلے کی جنگ تمہارے سامنے ہے"

میں نے کہا "ہاں، لیکن اصلی مشکل تو اوپر پہنچ کر پیش آئی تھی جہاں جگہ ہموار تھی۔ اوپر پہنچنا

تو خاصا آسان رہا تھا"

"اتنا آسان بھی نہ تھا" وہ بولا۔

میں نے جواب دیا۔ "ہاں تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن اس کی ایک وجہ تھی کیونکہ یہ پہاڑ کم تھا اور قلعہ زیادہ تھا۔ آسٹرین کئی سالوں سے اسے مستحکم بنانے میں کوشاں رہے تھے"

پہاڑوں کے سلسلے میں جنگ مشکل ہو جاتی ہے کیونکہ مورچے قائم نہیں رہ سکتے اور انہیں بدلتے دیر نہیں لگتی۔ جنگ میں نقل و حرکت کے بغیر گزارہ نہیں چل سکتا اور پہاڑوں پر نقل و حرکت ممکن نہیں ہوتی۔ پھر پہاڑوں پر لڑائی کرنے میں ایک اور بھی قباحت ہے۔ نشانہ صحیح نہیں بیٹھتا۔ ڈھلوان پر لوگوں کا نشانہ کچھ آگے ہی جا پڑا کرتا ہے۔ میمنہ یا میسرہ کی فوج ——— پھر جائے تو بہترین فوجی پہاڑ کی چوٹی پر ٹنگے رہ جاتے ہیں۔ پہاڑوں پر نبرد آزمائی سرے سے غلط ہے۔ میں نے کافی وقت انہی باتوں کو سوچنے میں گزارہ تھا۔ پہاڑوں کی لڑائی میں یوں ہوتا تھا کہ کبھی آپ ایک پہاڑی پر قابض ہو جاتے تھے کبھی غنیم کسی اور پہاڑی کو سمیٹ لیتا تھا۔ لیکن جب کسی فیصلے پر پہنچا ہوتا تو واقعی لڑائی بھیانک صورت اختیار کر لیتی۔ جانبین کو پہاڑوں کی آغوش چھوڑنا پڑتی تھی۔

میری تاویلیں سن کر جینو نے پوچھا "اور اگر آپ کی سرحد ساری کی ساری پہاڑی علاقہ ہوتی تو پھر آپ کیا کرتے!"

"ابھی میں نے اس کا حل نہیں سوچا" میں نے کہا اور ہم دونوں ہنس دیئے۔

پھر میں کہنے لگا "لیکن پرانے زمانے میں ان آسٹریوں نے ہمیشہ ویرونا کے قریبی میدان میں مار کھائی ہے۔ مخالف فوجیں ہمیشہ انہیں پہاڑوں پر سے اترنے کی ترغیب دیتی تھیں اور پھر ہمیں انہیں میدانوں میں لا کر فرش کیا کرتی تھیں"

جینو بولا "ہاں لیکن تم فرانسیسی لوگوں کی بات کر رہے ہو۔ کسی اور کے ملک میں لڑتے ہوئے جنگی مشکلات کا حل بڑی آسانی سے مل جایا کرتا ہے"

میں نے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔" ہاں تم ٹھیک کہتے ہو اپنے ملک کا استعمال اس قدر سائنٹیفک طریق پر نہیں کیا جا سکتا"

"لیکن روسیوں نے نپولین کو پھانسنے کے لئے ایسا کیا تھا"

"لیکن ان کے پاس اتنا بڑا ملک بھی تو تھا۔ اگر تم اطالیہ میں نپولین کو پھانسنے کی کوشش کرنے میں پسپا ہوتے جاؤ تو جلد ہی اپنے آپ کو برنڈزی میں پاؤ"

"نہایت خراب جگہ ہے۔ کبھی وہاں گئے ہو؟" جینو نے پھر پوچھا۔

"ہاں لیکن زیادہ دیر قیام نہیں کیا"

جینو بولا" میں بھی محب الوطن ہوں لیکن برنڈزی تارانتو سے تو میں بھی محبت نہیں کر سکتا"

"اور تمہیں بائنیتزا سے محبت ہے کیا؟" میں نے پوچھا۔

وہ بولا" یہاں کی زمین میرے لئے مقدس ضرور ہے لیکن کاش یہاں زیادہ آلو کاشت کئے جاتے۔ جب ہم یہاں پہنچے تھے تو آسٹریوں کے لگائے ہوئے آلوؤں سے کھیت بھرے پڑے تھے"

"کیا واقعی یہاں کھانے کی کمی پیدا ہو گئی ہے؟"

"یوں سمجھئے کہ مجھے یہاں پیٹ بھر کر کھانے کو کبھی کچھ نہیں ملا۔ یہ اور بات ہے کہ میں بڑا پیٹو ہوں اور کبھی بھوکا نہیں رہا لیکن کافی کھانا کبھی نہیں ملا۔ میس کا حال بھی بس درمیانہ سا ہے۔ مورچے والی پلٹنوں کو تو پھر بھی اچھا کھانا مل جاتا ہے لیکن امدادی فوجوں کا برا حال ہے میں تو کہتا ہوں کہیں کوئی غلطی ضرور ہے۔ ورنہ اشیائے خوردنی کو بافراط ہونا چاہیئے تھا"

میں نے آہستہ سے کہا" ہاں بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔ محاذ پر پہنچے ہوئے فوجی دستوں کو زیادہ راشن دیا جاتا ہے اور جو پیچھے موجود ہوتے ہیں ان کی ساری پی نہیں لی جاتی۔ ان کے لئے کچھ بہتر انتظام ہونا چاہیئے۔ مانا کہ ہم بڑے خوش خوراک ہیں لیکن میں یہ بھی کہوں گا کہ

اشیائے خوردنی کی کمی نہیں انتظام خراب ہے۔ اور سپاہیوں کے لئے بھوکے رہنا بڑا معجزہ ہے۔ کبھی تم نے خیال کیا کہ ایک بھوکے انسان اور سیر شکم کی ذہنیت میں کتنا فرق ہوتا ہے"

"ہاں حقیقت یہ ہے کہ کھانے کی کمی جنگ جیت نہیں سکتی البتہ شکست دلانے میں بڑی معاون ثابت ہوتی ہے"

"چلو شکست کے متعلق باتیں نہ کریں۔ پہلے ہی اس قصے سے جی اوب گیا ہے۔ آخر جو کچھ اس گرمیوں میں ہوا تھا بے سود نہ تھا۔"

واقعی کچھ الفاظ اور ترکیبیں ایسی بھی ہیں جنہیں سن کر میں بوکھلا جایا کرتا ہوں۔ مثلاً مقدّس جلیل القدر قربانی اور بے سود! ۔ ہم نے یہ لفظ بار بار سنے تھے کبھی کبھی بارش میں کھڑے ہوئے حدِ سماعت سے پرے بھی یہ صدائیں آتی ہیں۔ پوسٹر چپکانے والے عام طور پر ایسے اشتہار شائع کرتے تھے جن میں یہ الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ پھر ان کی تردید میں اشتہار چھپتے اور ان میں بھی یہی الفاظ برتے جاتے اور میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ تقدس کہاں تھا۔ اور جن چیزوں کے لئے وہ جلیل القدر استعمال کرتے تھے ان کا جلیل ہونا بے معنی نظر آتا تھا اور قربانی کا مفہوم شاید وہی ہوتا تھا جیسے شکاگو کے ذبح خانے میں گوشت دفن کر دیا جائے اور اسے قربانی کہا جائے ایسے لفظوں کی کمی نہیں جنہیں انسان سننا بھی گوارا نہیں کرتا اور بالآخر صرف جگہوں کے نام ہی باعزت رہ جاتے ہیں۔ ایسے ہی کچھ مہ سنوں کا حال تھا اور اسی طرح کچھ تاریخیں بامعنی رہ گئی تھیں۔ دیہاتیوں کے ٹھوس نام، سڑکوں کے واضح نمبر، دریاؤں کے مشہور نام، پلٹنوں کے مخصوص نمبر، اور اہم تاریخوں کے سامنے عظمت، عزت، دلیری جیسے غیر مرئی لفظ کتنے فحش اور بیہودہ لگتے ہیں۔ جینو کو اپنے وطن سے محبت تھی اس لئے وہ کئی بار ایسی باتیں کہہ جاتا تھا جو ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی جینو ایک شاندار انسان بھی تھا اور اس کی حب الوطنی مجھے اچھی طرح کچھ آتی تھی۔ وہ پیدائشی طور

پرِ وطن دوست تھا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہ تھی۔

ہماری گفتگو آگے نہ بڑھ سکی اور پاووزی کے ساتھ جیپ کار میں سوار ہو کر گوازیا چلا گیا۔ سارا دن آندھی چلتی رہی اور طوفان نہ تھما۔ تند ہوا کے جھونکے بارش کو گھسیٹتے ہوئے جگہ جگہ پھراتے رہے اور سارے میں کیچڑ پھیل گیا۔ خستہ حال ٹوٹتے ہوئے گھروں کا بھیگا ہوا پلاستر خاکستری نظر آ رہا تھا۔ شام گئے بارش ختم گئی اور میں نے اپنے نمبر دو مورچے سے نم آلود خزاں دیدہ ننگ دھڑنگ علاقہ دیکھا۔ پہاڑوں پر بادل چھائے تھے اور سڑکوں کو ڈھانپنے والی چٹائی کی چادریں بھیگی ہوئی تھیں اور ان میں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ ڈوبنے سے پہلے ایک بار سورج کی صورت دکھائی دی۔ اس کی روشنی میں پہاڑ کی ماہی پشت پر اگے ہوئے جنگل دیکھے۔ اور برہنہ درختوں کی جھلکی نظر آتی۔ ان جنگلوں میں آسٹرین فوجوں کے خاصے توپ خانے موجود تھے لیکن اس روز بہت کم توپیں دغیں جہاں پہلے مورچہ تھا وہیں ایک ٹوٹے ہوئے دیہاتی مکان پر گولیوں کا دھواں آسمان پر اٹھا۔ اس نرم نرم دھوئیں کے مرغولوں میں چھپا ہوا زردی مائل سفید شعلہ سا لپکا۔ عموماً پہلے شعلہ نظر آتا پھر پٹاخے کی آواز سنائی دیتی، پھر دھوئیں کا گولہ شکلیں بدلتا ہوا میں لہراتا اور پھر گھلتا گھلتا ہوا میں غائب ہو جاتا۔ شکستہ گھروں کے ملبے میں اور مورچہ کے قریب ٹوٹتے ہوئے گھروندے کے پاس سے گزرنے والی سڑک پر گولیوں کے آہنی خول گرے پڑے تھے۔ لیکن اس شام چوکی کے قریب بمباری نہ ہوئی۔ ہم نے دو کاریں لادیں اور گیلی چٹائیوں سے ڈھکی ہوئی سڑک پر چل دیئے۔ غروب ہوتے ہوئے سورج کی مدھم شعاعیں چٹائیوں کی درزوں میں سے جا بجا اندر پڑ رہی ہیں۔ پہاڑی کے پیچھے جہاں سڑک صاف تھی وہاں سے ہو کر ہم نے موڑ کاٹا۔ تھوڑی دیر تک سڑک پر چٹائیوں کا سایہ نہ رہا پھر ہم چٹائیوں کی چوگوشہ سرنگ میں داخل ہو گئے تو بارش پھر شروع ہو گئی۔

رات کو ہوا تیز ہو گئی اور صبح کے قریباً تین بجے چھاجوں مینہ برسنے لگا، ساتھ ہی بمباری شروع ہو گئی، پہاڑوں کی وادیاں چیرتے، جنگلوں میں سے آگے بڑھتے ہوئے یوگوسلاویا کے

سپاہی پہلی صفوں میں آ گھُسے۔ رات کا اندھیرا چاروں سو پھیلا تھا اور بارش رُکنے میں نہ آتی تھی۔ لیکن جنگ جاری رہتی۔ دوسری صف کے ڈرے ڈرے سپاہیوں نے بالآخر مدافعانہ حملہ کیا اور انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ صف کے کنارے کنارے تمام مورچے پر بمباری ہوتی رہی۔ بندوقیں چلتی رہیں اور مشین گنیں تڑتڑ بولتی رہیں۔ بارش میں راکٹ ٹمٹمائے ٹمٹمائے اترتے رہے۔ ایک بار جب یوگوسلاوی سپاہی واپس چلے گئے تو پھر خاموشی چھا گئی اور ہوا کے جھونکوں اور بارش کے دوش پر دور شمال سے بمباری کی صدائیں آنے لگیں۔

زخمی پوسٹ پر آنے لگے۔ کچھ سٹریچروں پر کراہتے ہوئے پہنچے کچھ چلتے چلاتے آ گئے اور کچھ ایسے زخمی آئے جنہیں ان کے ساتھی کھیتوں میں سے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لائے تھے۔ تمام سپاہی ڈرے ہوئے تھے اور ان کی وردیوں سے پانی نچڑ رہا تھا۔ جونہی چوکی کے تہ خانے سے سٹریچر والے زخمی نکلے ہم نے انہیں گاڑیوں میں لاد لیا۔ جب میں دوسری ویگن کا دروازہ بند کر کے مقفل کر رہا تھا تو مجھے اپنے چہرے پر پڑتی ہوئی بارش کی بوندوں کے ساتھ برف کے نرم نرم گالوں کا احساس ہوا۔ برف کے یہ پھاہے بڑے بوجھل تھے اور تیزی سے بارش کے ساتھ لپکتے چلے آ رہے تھے۔ صبح ہوئی لیکن طوفان کی تیزی میں کمی نہ آئی۔ برف پڑنا بند ہو گئی تھی اور اردگرد اس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ گیلی زمین پر پڑتے ہی ننھے ننھے برف کے گالے پگھل چکے تھے۔ طلوع کے ساتھ ہی دشمن نے ایک اور حملہ کیا لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی۔ سارا دن ہم غنیم کے حملے کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن دن بھر کسی قسم کی ہلچل نہ ہوئی اور جب سورج ڈوبنے لگا تو پہاڑ کی ماہی پشت پر جہاں جنگلوں کا لمبا چوڑا سلسلہ تھا اور جہاں آسٹرین گنوں کی بہتات تھی ایک دم بمباری شروع ہو گئی۔ ہم جیسی بموں کے گرنے کا انتظار کرنے لگے لیکن ہمارے مورچے پر ایک بھی گولہ نہ گرا۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ گاؤں کے پیچھے کھیتوں میں سے بندوقوں کی باڑھ شروع ہو گئی۔ چھرّوں کا مدھم ہوتا ہوا شور مجھے بے حد خوش آئند لگا۔

بعد میں ہمیں خبر ملی کہ جنوب والا حملہ کامیاب ہو گیا۔ اس رات ہمیں آرام رہا اور دشمن نے ہم پر حملہ نہ کیا، لیکن ہم نے سُنا کہ دشمن نے شمال کی طرف راستہ پیدا کر لیا تھا۔ رات کے وقت اطلاع ملی کہ ہمیں واپس ہٹنے کے لئے تیاری کرنا ہو گی۔ چوکی کے کپتان نے مجھے یہ اطلاع دی تھی اور اسے بریگیڈ کی طرف سے اطلاع موصول ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹیلیفون کر کے لوٹا تو کہنے لگا کہ یہ خبر سرے سے جھوٹی تھی اور واپس ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ بریگیڈ تو اس بات پر مصر تھا کہ بائینتزا کی چوکی ہر قیمت پر برقرار رکھی جائے پھر میں نے دشمن کے راستہ بنانے کے متعلق پوچھا۔ وہ کہنے لگا کہ بریگیڈ والے کہتے ہیں کا بورتیا کی طرف شمال کی جانب ستائیسویں فوج میں آسٹریوں نے راہ بنالی ہے۔ شمال کی جانب سارا دن بڑی جنگ رہی تھی۔

کپتان بولا ــ "اگر ان حرامزادوں نے راہ دے دی تو ہمارا اجرتہ ہو جائے گا"

ایک میڈیکل آفیسر کہنے لگا۔ "جناب جرمن حملہ کر رہے ہیں جرمن!"

جرمن ایک ایسا لفظ تھا جس سے سبھی ڈرتے تھے۔ ہم تو چاہتے تھے کہ جرمنوں سے ہمیں کسی قسم کا پالا نہ پڑے۔

میڈیکل آفیسر بولا۔ "جرمنوں کی بارہ ڈویژنیں ہیں بارہ! ــ انہوں نے راہ بنالی ہے اور اب ہمارا قصہ پاک ہے۔ ہم پچھلوں سے منقطع ہو جائیں گے"

"بریگیڈ میں کہا جا رہا ہے کہ یہ چوکی قائم رکھی جائے گی۔ ان کا کہنا ہے کہ غنیم کچھ زیادہ کامیابی سے راہ نہیں بنا سکا اور مونتے ماجورے سے پرے پہاڑوں پر ہم ایک مورچہ سنبھالے رہیں گے۔"

"اور یہ خبر کہاں سے آئی ہے؟"

"ڈویژن سے"

"اور مراجعت کا حکم بھی ڈویژن ہی سے آیا تھا"

میں نے کہا "ہم فوج کے احکامات پر کام کرتے ہیں۔ لیکن یہاں آپ حاکم ہیں جب آپ مجھے بوریا بستر باندھنے کو کہیں گے میں حکم کی تعمیل کروں گا۔ لیکن پہلے واضح مستحکم کے احکامات مہیا کر لیجیئے"

"فی الحال تو یہیں ٹھہرنے کا آرڈر ملا ہے لیکن تم یہاں سے زخمی لیجا کر کلیرنگ سٹیشن پر پہنچا دو"

میں نے کہا "کبھی کبھی کلیرنگ سٹیشن سے زخمی لے جاکر فیلڈ ہسپتالوں میں بھی پہنچایا کرتے ہیں۔ میں نے آج تک فوجوں کی مراجعت نہیں دیکھی۔ اچھا یہ بتائیے مراجعت کی صورت میں سارے زخمی کس طرح نکالے جاتے ہیں"

"سارے کہاں نکالے جاتے ہیں۔ جس قدر ممکن ہوتا ہے۔ اتنی مدد زخمیوں کی کرتے ہیں باقی بے چارے پڑے رہتے ہیں"

"اور مراجعت کی صورت میں مجھے کاروں میں کیا لے جانا ہوگا؟"

"ہسپتال کا سازوسامان"

"بہت خوب" میں نے جواب دیا۔

دوسری رات ہمیں واپسی کا حکم مل گیا اور فوجیں پیچھے کی طرف لوٹنے لگیں۔ افواہ یہ گشت میں آئی تھی کہ جرمن اور آسٹرین فوجوں نے شمال کی طرف سے راہ بنالی تھی اور وہ پہاڑوں کی وادیوں میں سے گزر کر اُدو ینے کی جانب بڑھی چلی آرہی تھیں۔ بھیگی ہوئی رات میں فوجوں کی مراجعت نہایت پرتنظیم تھی لیکن سب پر آزردگی اور خستگی سی چھائی ہوئی تھی۔ رات کو سڑکوں پر آہستہ آہستہ جاتے ہوئے ہمیں سڑکوں پر ایک ہجوم سے واسطہ پڑا۔ بارش میں فوجیں مارچ کرتی چلی جارہی تھیں۔ توپیں آگے بڑھنے میں مشغول تھیں۔ گھوڑے اور خچریں جو بہیہ گاڑیاں گھسیٹے لئے جارہے تھے۔ ٹرک رواں تھے۔ ایک جلوس تھا جو مورچے کی چوکی چھوڑ کر چلا جارہا تھا لیکن اس قدر

تنظیم سے کہ احساسِ پسپائی پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے چڑھائی کے لئے فوجیں پیش قدمی کر رہی ہیں۔ وہ ساری رات ہم نے فیلڈ ہسپتال خالی کرانے میں گزاری سطح مرتفع کے چند ایسے گاؤں جو زیادہ شکستہ حالی نہ تھے ان میں یہ ہسپتال بنائے گئے تھے۔ یہاں سے زخمیوں کو سے کر ہم دریا کی تلہٹی میں پلانا پہنچے اور دوسرا سارا دن پلانا کے ہسپتال اور کیجرنگ سٹیشن خالی کرانے میں مصروف رہے۔ بارش مسلسل ہوتی رہی اور بانیزا سے اترنے والی فوجیں اکتوبر کی اس بارش میں پہاڑ کے سطح سے دریا کے پار منتقل ہوتی رہیں۔ ان ہی جگہوں میں ابھی بہار کے دنوں میں ان فوجوں کے سر فتح کے سہرے لہراتے تھے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت ہم گوازیا پہنچ گئے۔ بارش ختم ہو چکی تھی اور شہر قریباً خالی ہو چکا تھا۔ سڑک پر جب ہم کچھ آگے نکل گئے تو میں نے دیکھا کہ وہ سپاہیوں کے چکلے کی رنڈیوں کو ایک ٹرک میں سوار کرا رہے تھے۔ ان سات لڑکیوں نے کوٹ پہن رکھے تھے سروں پر ٹوپیاں تھیں اور ہاتھوں میں سوٹ کیس تھام رکھے تھے۔ ان میں سے دو تو رو رہی تھیں لیکن ایک شوخ چشم ہمیں دیکھ کر مسکرا دی اور زبان باہر نکال کر پھڑپھڑانے لگی۔ اس کے بھرے بھرے ہونٹ اور موٹی سیاہ آنکھیں بڑی نمایاں تھیں۔

میں نے کار روک کر میٹرن کا رخ کیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس کی زبانی مجھے علم ہوا کہ افسروں کے چکلے کی رنڈیاں تو صبح ہی جا چکی تھیں۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کونیلانو"

پھر ٹرک چل دیا۔

موٹے لبوں والی نے پھر اپنی زبان نکال کر ہمارا منہ چڑایا۔ میٹرن نے ہاتھ ہلا کر ہمیں الوداع کی۔ وہی دو کسبیاں جو پہلے رو رہی تھیں اب بھی رو ئے چلی جا رہی تھیں۔ باقی لڑکیاں

نہایت دلچسپی سے شہر کا منظر دیکھنے میں مشغول تھیں میں واپس آ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔

بونیلو بولا "ہمیں ان کے ساتھ جانا چاہیئے تھا۔ بڑا پرلطف سفر رہتا"

میں نے کہا" ہمارا سفر بہر کیف پرلطف ہوگا۔"

"جہنمی ہوگا ہمارا سفر جناب جہنمی"

"میرا بھی یہی مطلب تھا" میں نے کہا۔

ہم اپنے بنگلے کے احاطے میں پہنچ گئے پھر اندرونی روش پر ہماری کار چلنے لگی۔

بونیلو نے کہا "میں وہاں جا کر ان کسبیوں کو اوپر چڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں"

"تمہارا خیال ہے کہ وہ چڑھنے کی جرأت کریں گی ؟"

"یقیناً ! فوج نمبر ۲ میں تو یہ میٹرن بہت مشہور ہے"

ہم بنگلے کے باہر پہنچ گئے

بونیلو کہتا گیا "سب اسے مدر سو پیریئر کہتے ہیں۔ لڑکیاں تو تمام نئی ہیں لیکن میٹرن سے کون واقف نہیں ؟ میرا خیال ہے بس مراجعت سے ذرا ہی پہلے یہ لڑکیاں آتی ہوں گی"

"انہیں بھی ایک بار مزہ آجائے گا۔"

"جی ہاں مزہ نہ آگیا تو میرا نام بدل دیجئے گا۔ میرا جی خواہ مخواہ ان سے جھڑپ لینے کو چاہتا ہے، چکلے میں بڑے دام مانگا کرتی تھیں کمینیاں ! یہ گورنمنٹ تو ہمیں کھاؤ سمجھتی ہے کھاؤ !"

میں نے کہا" کار باہر نکالو اور مستریوں سے کہو اسے ٹھونک بجا کر دیکھ لیں۔ تیل بدل ڈالیں اور ڈفرنشل کی طرف سے بھی تسلی کرلیں۔ تیل بھرنے کے بعد تھوڑی دیر آرام کرلینا"

"جی سنور تے نینتے"

بنگلہ بالکل خالی تھا۔ ریناالدی ہسپتال کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا۔ میجر سٹاف کار میں ہسپتال کے سٹاف کے ساتھ چلا گیا تھا۔ مجھے کھڑکی کے ساتھ اپنے لئے ایک رقعہ چپکا ہوا ملا۔ اس رقعہ کی رو سے مجھے ہال میں ڈھیر کیا ہوا سامان کاروں میں لاد کر اودینے ـــــ پہنچانا تھا۔ تمام مستری بھی جا چکے تھے، اس لئے میں دوبارہ گیراج کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر میں باقی کاریں بھی آگئیں اور اُن کے ڈرائیور نیچے اتر آئے۔

بارش پھر شروع ہو گئی تھی۔

پیانی بولا۔" تو بہ مجھے اس قدر نیند آرہی ہے کہ کیا بتاؤں۔ پلاوا سے یہاں تک پہنچتے ہوئے تین بار راہ میں سو چکا ہوں"

پھر وہ میری طرف مخاطب ہوا اور پوچھنے لگا" تے نینتے ہمارے لئے کیا حکم ہے؟"

"ابھی ہم گاڑیوں کا تیل بدل کر گریز کریں گے پھر کاروں میں تیل بھر کر انہیں بنگلے کے سامنے لے جائیں گے اور پھر جو کاٹھ کباڑ رہ گیا ہے اسے لاد کر چلنے کی تیاری ہوگی"

"تو پھر جناب کام شروع کریں"

"نہیں۔ پہلے سب تین گھنٹے سوئیں گے"

بونیلو کہنے لگا" شکر ہے حضرت مسیح کا کہیں نیند میسر آئے گی۔ اگر کار چلانا نہ ہوتی تو میں کار میں ہی سو جاتا"

میں نے کہا" تمہاری کار کا کیا حال ہے ایمو؟"

"بالکل ٹھیک ہے جناب"

"میرے لئے ایک ڈانگری لے آؤ میں تیل بدلوانے میں بھی تمہاری مدد کر دوں گا"

ایمو بولا۔" اس جھمیلے میں نہ پڑیئے گا تے نینتے۔ بھلا کوئی کام بھی تو ہو، آپ چل کر اپنا سامان باندھیئے"

میں نے کہا" میرا سارا سامان بندھا پڑا ہے۔ جو اشیا رہ چھوڑ گئے ہیں اسے اٹھا کر

باہر لاتا ہوں۔ جتنی جلدی کاریں تیار ہو جائیں انہیں باہر لے آنا"

ڈرائیور کاریں لے کر بنگلے کے سامنے آ گئے۔ ہال میں ڈھیر کیا ہوا ہسپتال سے متعلق سازوسامان اوپر چڑھایا۔ جب ساری چیزیں چڑھا لی گئیں تو درختوں تلے روش پر تینوں کاریں بارش میں کھڑی رہیں اور ہم اندر چلے گئے۔

"باورچی خانے میں آگ جلا کر اپنی چیزیں خشک کر لو" میں نے کہا۔

پیانی کہنے لگا "مجھے تو جناب گیلے کپڑوں کی پروا نہیں۔ مجھے تو نیند آئی ہے"

بونیلو بولا "میں تو میجر صاحب کے بستر پر سوؤں گا"

"مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ کہاں سوؤں گا بہرکیف سوؤں گا ضرور"

میں نے دروازہ کھول کر کہا "یہاں دو بستر ہیں ——— ادھر آ جاؤ"

بونیلو بولا "آج تک مجھے علم ہی نہ ہوا تھا کہ اس کمرے میں کیا ہے"

پیانی نے ازراہ مذاق کہا "یہ تو اُس بڈھے مچھلی والے چہرے کا کمرہ ہے"

میں نے لاتعلقی سے کہا "تم دونوں یہاں سو جاؤ میں تمہیں جگا دوں گا"

"اور تنے نینتے اگر آپ دیر تک سوتے رہے تو پھر ہمیں آسٹرین ہی آ کر بیدار کریں گے"

میں نے کہا "نہیں میں زیادہ دیر تک نہیں سوؤں گا۔ ایمو کہاں ہے؟"

"وہ تو اسی وقت باورچی خانے میں چلا گیا تھا"

پیانی کہنے لگا "میں تو سونے لگا ہوں۔ سارا دن میں بیٹھا سوتا ہی رہا ہوں۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے میرے سر کی کھوپڑی بار بار آنکھوں پر کھسک آتی ہو"

بونیلو بولا "اپنے جوتے اتار ڈالو۔ یہ بڈھے مچھلی والے چہرے کا بستر ہے"

پیانی بستر پر لیٹ گیا اس کے بوٹ کیچڑ میں لت پت تھے پھر اس نے اپنا بازو سر تلے دھر لیا۔ میں باورچی خانے میں پہنچا۔ ایمو نے سٹوو میں آگ جلا رکھی تھی اور اس پر کیتلی چڑھی ہوئی تھی۔

وہ کہنے لگا "میرا خیال تھا میں کچھ سپارگیٹی بنانا شروع کر دوں۔ جب ہم جاگیں گے تو ضرور بھوک لگی ہوگی"

"بارتولینو تمہیں نیند نہیں آتی کیا؟"

"جی نہیں کچھ ایسی زیادہ بھی نہیں۔ جب پانی جوش میں آ جائے گا میں سو جاؤں گا۔ تب آگ بھی آپ ہی دھیمی ہو جائے گی"

میں نے کہا "تھوڑی دیر کے لئے سو ہی رہو۔ ہم کچھ پنیر اور سوکھا گوشت کھا لیں گے"

وہ بولا "تے نینتے آپ سو جائیں"

"میجر کے کمرے میں ایک بستر ہے"

"آپ وہاں سو رہیں"

"نہیں میں تو اپنے پرانے کمرے میں چلا ہوں۔ کچھ پیو گے بارتولینو؟"

"چلتے وقت پیوں گا تے نینتے۔ اس وقت تو شراب مجھے کچھ فائدہ نہ دے گی"

"اگر تین گھنٹے بعد میں تمہیں جگانے نہ آیا اور تمہاری آنکھ کھل گئی تو مجھے جگا دوگے نا؟"

"تے نینتے میرے پاس تو گھڑی نہیں ہے"

"میجر کے کمرے میں دیوار پر ایک کلاک ٹنگا ہے"

"بہت اچھا!"

پھر میں کھانے کے کمرے میں سے ہو کر ہال میں پہنچا اور سنگِ مرمر کی سیڑھیاں چڑھ کر اس کمرے میں گیا جہاں رینالدی کے ساتھ رہا تھا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ میں کھڑکی میں جا کر کھڑا ہو گیا اور باہر دیکھنے لگا۔ اندھیرا چاروں طرف پھیل رہا تھا اور تینوں کاریں درختوں تلے کھڑی تھیں۔ درختوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ سردی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ بوندیں ڈالیوں سے جم جم کر رہ جاتیں۔ میں رینالدی کے بستر پر لیٹ گیا اور پھر میں نے

اپنے آپ کو نیند کے ہاتھوں میں دے دیا۔

چلنے سے پہلے ہم نے باورچی خانے میں کھانا کھایا۔ ایمو نے ایک برتن میں پیاز اور ڈبے کا گوشت کتر کر سپاگیتی میں ملا رکھا تھا۔ بنگلے کے تہ خانے میں سے دو بوتلیں شراب کی مل گئیں وہ ہم نے سپاگیتی کے ساتھ پی ڈالیں۔ باہر ابھی بھی اندھیرا چھایا تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ پیانی کی آنکھوں میں نیند بھری تھی اور وہ اونگھتا ہوا میز پر بیٹھا تھا۔

بونیلو بولا" مجھے مراجعت پڑھائی سے زیادہ پسند ہے۔ مراجعت کے وقت ہم بار بار پیا کرتے ہیں"

"اُس وقت تو بار بار پی رہے ہیں لیکن شاید کہیں بارش کا پانی ہی پینا پڑے" ایمو نے جواب دیا۔

"کل ہم اودنے میں ہوں گے اور شیمپین پیئیں گے۔ سب بھگوڑے اور کاہل وہیں رہتے ہیں۔ پیانی اٹھو مری جان جاگو۔ کل ہم اودنے میں جا کر شیمپین پیئیں گے شیمپین"

"جاگ تو رہا ہوں"

اس نے اپنی پلیٹ میں سپاگیتی اور گوشت ڈالتے ہوئے کہا۔

"بار تو تمہیں ٹماٹروں کی چٹنی کہیں سے نہ مل سکی؟"

"کہیں ہوتی تو ملتی؟" ایمو بولا۔

بونیلو کہنے لگا" ہم اودنے میں پہنچ کر شیمپین پیئیں گے"

پھر اس نے اپنے گلاس میں سرخ رنگ کی شفاف بار برا انڈیلی ایمو نے اسے میری طرف بڑھا کر کہا" تے نینتے آپ نے کافی کھانا نہیں کھایا شاید"

"بس بھئی میرے پاس کافی کچھ موجود ہے۔ بار تولینز ذرا بوتل پکڑانا"

ایمو کہنے لگا" کاروں میں لے جانے کے لئے میرے پاس ایک ایک بوتل ہر ایک کے لئے ہے"

"کچھ سوئے بھی تھے کہ نہیں ؟"

"مجھے زیادہ نیند کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بس تھوڑی سی نیند کرتی تھی؟"

بونیلو کا موڈ نہایت خوشگوار تھا وہ کہنے لگا "کل ہم بادشاہ کے بستر میں سوئیں گے بادشاہ کے بستر میں حجاب دیکھ لینا"

پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا "میں اور میں ملکہ کے ساتھ سوؤں گا"

وہ میری جانب دیکھ کر یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ میں اس کے مذاق پر برہم تو نہیں ہُوا میں نے جھڑکتے ہوئے کہا "بکواس بند کرو۔ ذراسی شراب تمہارے سر چڑھ جاتی ہے"

باہر بارش پچھاجوں برس رہی تھی۔ میں نے اپنی گھڑی پر نظر کی پورے ساڑھے نو بجے تھے۔

"اب بوریا بستر اگول کرو۔ چلنے کا وقت آگیا ہے"

بونیلو نے پوچھا۔ تم نیٹنٹے آپ کس کے ساتھ چلیں گے ؟"

"میں ایمو کے ساتھ چلوں گا۔ پھر تم آؤگے اس کے بعد پیانی ہوگا۔ اب ہم کورمنز کی سڑک پر چلیں گے تیار ہو جاؤ"

پیانی بولا "میرا خیال ہے میں تو راہ میں سو جاؤں گا"

"اچھا ! تو پھر میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ہمارے بعد بونیلو اور آخر میں ایمو آئے گا"

پیانی بولا "جی ہاں اسی طرح ٹھیک ہے کیونکہ مجھے تو بے حد نیند آتی ہے"

"تھوڑی دیر میں کار چلا دوں گا تم سو رہنا"

"جی نہیں یہ بات نہیں ہے۔ کار چلانے میں تو مجھے کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ بس مجھے یہ تسلی ہونی چاہئے کہ اگر میں سو گیا تو ساتھ والا مجھے جگا دے گا"

"اچھا میں تمہیں جگا دوں گا۔ بتیاں بجھادو بارتو"

بونیلو کہنے لگا "میرا خیال ہے یہ جلتی نہیں۔ کیا حرج ہے"

میں نے کہا "میرے کمرے میں چھوٹا سا ایک مقفّل ٹرنک ہے۔ پیانی ذرا اتروانے میں میری مدد کرنا۔"

پیانی بولا "ہم لے آئیں گے تے نینتے۔ آؤ آلدو۔"

پھر وہ بونیلو کے ساتھ ہال میں چلا گیا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ان کے قدموں کی آواز آنے لگی۔

ایمو کہنے لگا "یہ بڑی اچھی جگہ تھی جی۔ ایسی پھر کوئی جگہ ہمیں نصیب نہ ہوگی۔ بھلا یہاں سے مراجعت کر کے ہم کہاں جائیں گے تے نینتے؟"

اس نے دو بوتلیں شراب کی اور آدھا ڈبہ پنیر کا اپنے فوجی تھیلے میں ڈال لیا۔

"کہتے ہیں تا ایا مانتی سے پرے کی جگہ تجویز کی گئی ہے۔ ہسپتال اور سیکٹر پر دونے میں ہونگے"

"یہ جگہ پر دونے سے اچھی ہے"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں مجھے صرف ایک بار وہاں سے گذرنے کا اتفاق ہوا ہے"

"کوئی خاص دلچسپ جگہ نہیں ہے تے نینتے" ایمو بولا۔

❖

۲۸

بارش ہو رہی تھی اور چار سو اندھیرا پھیلا تھا۔ سارا شہر خالی ہو چکا تھا، لیکن شاہراہ پر بندوقچیوں کے دستے بڑھتے جا رہے تھے۔ کچھ ٹرک بھی ساتھ تھے اور شہر کی دوسری سڑکوں سے چھکڑے اور گاڑیاں بڑھتی ہوئی شاہراہ کے ٹریفک میں ملنے لگی تھیں۔ جب ہم شہر چھوڑ کر جڑا رنگنے والے کارخانوں سے آگے نکلے اور بڑی سڑک پر پہنچے تو فوجیں، موٹر ٹرک، گھوڑا گاڑیاں،

اور مشین گنیں قافلے کے روپ میں بڑھی چلی جا رہی تھیں۔ ہماری رفتار مدھم تھی لیکن بارش کے باوجود ہم متواتر آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ہم سے آگے ایک ٹرک جا رہا تھا اور ہماری کار (ٹیبری ایٹرا) کے پچھلے بورڈ سے ہر بار ٹکراتے ٹکراتے رہ جاتا تھا۔ ٹرک پر بہت سا سامان لدا ہوا تھا اور اوپر گیلی کینوس نے سب کچھ ڈھانپ رکھا تھا۔ پھر یک لخت ٹرک رک گیا اور ٹریفک کا دھارا رک گیا۔ پھر گاڑیاں چلنے لگیں اور ہم کچھ دور نکل بھی گئے لیکن ایک بار پھر ساری آمد و رفت ختم ہو گئی۔ میں کار میں سے اتر کر ٹرک، چھکڑے اور بھیگے ہوئے گھوڑوں کی گردنوں میں راہ بناتا آگے بڑھ گیا۔ دور تک ناکہ بندی ہو چکی تھی اور راہ ملنا ناممکن تھا۔ میں ٹرک چھوڑ کر اس گڑھے تک پہنچا جس پر تختے کی مدد سے راہ بنی ہوئی تھی، اس پر چڑھ کر میں کھیتوں میں پہنچ گیا۔ آگے بڑھتے ہوئے مجھے رکی ہوئی گاڑیوں کی قطاریں بارش میں بھیگتی نظر آ رہی تھیں۔ میں قریباً ایک میل آگے نکل گیا۔ ٹریفک کی قطار کو ذرا سی بھی جنبش نہ ہوئی۔ اس جادر بیلے سے پرے نیچے فوجیں مارچ کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ پھر میں اپنی کاروں کی طرف لوٹ گیا۔ یہ رکا ہوا ٹریفک تو شاید اودینے تک پھیلنے والا تھا۔ اسی اندیشے کو دل میں لئے میں اپنی کار تک پہنچا۔ پیانی سٹیرنگ پر سر رکھے سویا ہوا تھا۔ میں اوپر چڑھ کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد میری بھی آنکھ لگ گئی۔ کئی گھنٹے بعد سامنے والے ٹرک کا گیئر چنگھاڑا تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے پیانی کو جگایا اور ہم چند گز آگے بڑھے، رکے اور پھر چل دیئے۔

بارش برسے چلی جا رہی تھی۔

رات کو پھر ٹریفک رک گیا اور پھر نہ چل سکا۔ میں نیچے اترا اور ایمو اور بونیلو کی خیریت دریافت کرنے چل دیا۔ بونیلو کی سیٹ پر انجینئر اور دو سارجنٹ بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ کچھ کھنچے کھنچے سے پرے ہو بیٹھے۔

بونیلو کہنے لگا ”انہیں پل پر کچھ کام کرنے کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ اب انہیں اپنا یونٹ نہیں ملتا اس لئے میں نے انہیں اپنی کار میں بٹھا لیا تھا جی“

"جناب لفٹیننٹ صاحب کی اجازت ہو تو ــــ"

"ہاں اجازت ہے ــ" میں نے جواب دیا

بونیلو کہنے لگا۔ "لفٹیننٹ صاحب تو کسی کو بھی سوار کر لیں ۔ امریکی جو ٹھہرے"

ایک سارجنٹ تو مسکرانے لگا۔ لیکن دوسرے نے بونیلو سے پوچھا۔ "لفٹیننٹ صاحب جنوبی امریکہ کے اطالوی ہیں شمالی امریکہ کے ؟"

"اطالوی نہیں بھائی، شمالی امریکہ کا صاحب ہے۔" بونیلو نے جواب دیا۔

دونوں سارجنٹ نہایت مؤدب رہے لیکن میرا خیال ہے انہیں بونیلو کی بات پر اعتبار نہ آیا تھا۔ انہیں چھوڑ کر میں پھر ایمو کے پاس پہنچا۔ اس کے ساتھ سیٹ پر دو لڑکیاں بیٹھی تھیں اور وہ کونے سے لگا سگریٹ پینے میں مشغول تھا۔

"بار تو ــ بار تو ــ" میں نے کہا۔

وہ ہنسنے لگا۔

پھر کچھ عرصہ بعد بولا۔ "تم ہنستے ذرا ان سے باتیں کیجئے مجھے تو ان کی ایک بھی پلے نہیں پڑتی۔ واہ! واہ!"

اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر لڑکی کی ران پر رکھ کر بڑے بے تکلفانہ انداز میں دبایا۔ لڑکی نے اپنی شال سختی سے اپنے گرد سمیٹ لی اور اس کا ہاتھ پرے دھکیل دیا۔

"واہ واہ ــ ذرا لفٹیننٹ صاحب کو اپنا نام اور کام تو بتا دو"

اس لڑکی نے نہایت کرختگی سے میری طرف دیکھا لیکن دوسری نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ جو لڑکی میری طرف دیکھ رہی تھی اس نے مقامی بولی میں کچھ کہا جو میں سمجھ نہ سکا موٹی سانولی ہوتی اس لڑکی کی عمر تقریباً سولہ برس ہو گی!

"بہن ہے ؟" میں نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرا دی۔

"بہت اچھا" میں نے کہا اور اس کا گھٹنا تھپتھپایا لیکن جونہی میں نے اُسے چھوڑا وہ کچھ بیزار سی ہو کر کونے میں دبک گئی۔ چھوٹی بہن جس کی عمر ایک سال کم لگتی تھی سارا وقت سر جھکائے بیٹھی رہی۔ بڑی بہن کی ران پر ایمو نے پھر ہاتھ رکھا لیکن اس نے پھر اُسے پرے دھکیل دیا۔ ایمو اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا "شریف آدمی ہوں۔ شریف النفس فکر نہ کرنا سنا تم نے!"

بڑی بہن نے نہایت درشتی سے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں لڑکیاں بالکل جنگلی پرندوں کی طرح گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

ایمو نے پوچھا "بھلا ان محترماؤں کو میرے ساتھ سفر کرنے کا کیا شوق ہے اگر انہیں مجھ میں دلچسپی نہیں ہے تو یہ یہاں کیوں ہیں۔ ادھر میں نے انہیں اشارہ کیا ادھر یہ دھم سے کار میں آ بیٹھیں، فکر نہ کرو، خطرہ نہیں ہے . . . . . . اس بات کا" اس نے نہایت فحش لفظ استعمال کرتے ہوئے بڑی بہن سے کہا۔

لڑکی کو فقط یہی لفظ آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا اور اس نے شال کو اور بھی زور سے بھینچ لیا۔

ایمو بولا "کار تو بھری پڑی ہے۔ کوئی خطرہ نہیں۔ کسی قسم کا خطرہ نہیں دیبا"
ہر بار جب ایمو وہ فحش لفظ استعمال کرتا لڑکی کا رنگ فق ہو جاتا اور وہ تن سی جاتی۔ پھر اکڑوں بیٹھی بیٹھی ایمو کی طرف دیکھ کر وہ رونے لگی۔ پہلے اس کے لب لرزے پھر موٹے موٹے گالوں پر آنسو لڑھک آئے۔ چھوٹی بہن نے بغیر نظریں اٹھائے بہن کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ دونوں اور بھی قریب ہو کر بیٹھ گئیں۔ بڑی بہن جو اب تک اس قدر درشتی سے پیش آئی تھی یک لخت سسکیاں بھرنے لگی۔

ایمو کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے میں نے تو اسے ڈرا ہی دیا ہے۔ میرا کچھ ایسا ارادہ تو

نہ تھا۔" بارتولو نے اپنا فوجی تھیلا باہر نکالا اور پنیر کے دو ٹکڑے اسے پیش کرتے ہوئے کہا۔" لو پنیر کھاؤ اور رو دو نہیں"

بڑی لڑکی نے نفی میں سر ہلایا اور روتی رہی لیکن چھوٹی بہن نے پنیر کا ٹکڑا لے لیا اور کھانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد چھوٹی بہن نے دوسرا ٹکڑا اپنی بہن کو دیا اور دونوں پنیر کھانے لگیں۔ بڑی بہن کی سسکیاں بند نہ ہوئیں اور وہ کبھی کبھی سسکیاں بھرنے لگتی۔

ایمو بولا۔" کچھ عرصہ بعد ٹھیک ہو جائے گی صاحب"

پھر اسے ایک نیا خیال سوجھا اس نے اپنے پاس والی لڑکی سے پوچھا۔" کنواری ہو کیا؟"

اس نے نہایت زور شور سے اثبات میں سر ہلایا

پھر دوسری بہن کی طرف اشارہ کر کے ایمو نے سوال کیا۔" اور یہ بھی کنواری ہے؟"

دونوں لڑکیوں نے سر ہلا کر اقرار کیا اور بڑی بہن نے مقامی زبان میں کچھ کہا جسے میں سمجھ نہ پایا۔

"ٹھیک ہے بھئی بالکل ٹھیک ہے" ایمو بولا۔

دونوں لڑکیاں قدرے لشاش ہو گئیں

دونوں لڑکیاں ایمو کے ساتھ سیٹ پر بیٹھی تھیں اور ایمو ایک کونے سے لگا ہوا تھا۔ ان تینوں کو چھوڑ کر میں پہاڑی کی طرف چل دیا۔ گاڑیوں کا قافلہ بدستور رکا کھڑا تھا لیکن فوجیں گزرتی جا رہی تھیں۔ دونگڑا برس رہا تھا اور بوندیں چاروں طرف اترتی چلی آ رہی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ اس ناکہ بندی کی ذمہ داری ان گاڑیوں پر تھی جن کی اس بارش کے باعث تاریں گیلی ہو کر جواب دے چکی تھیں۔ شاید اس قیام کی وجہ گھوڑے بھی ہوں اور وہ مرد بھی قصور وار ہوں جو گاڑیاں چلانے کے بجائے سو چکے تھے لیکن چند شہروں میں جہاں بھی جاگتے ہوتے ہیں۔ وہاں بھی کئی بار اسی طرح ٹریفک جم جایا کرتی ہے۔ ہمارا قافلہ تو موٹر گاڑیوں اور گھوڑوں پر مشتمل تھا اور شاید دونوں ہی قصور وار

تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی مدد کرنے سے قاصر تھے۔ اور دیہاتیوں نے چھکڑوں نے بھی کسی قسم کی امداد نہ دی بلکہ قافلے کو اور بھی ساکت کر ڈالا۔

پھر میں سوچنے لگا۔ بارتو کے ساتھ وہ جو لڑکیاں تھیں دونوں پیاری تھیں مگر جنگ میں بھلا کنواریوں کا کیا کام؟ ایسے میں تو ان کی مٹی ہی پلید ہوگی اور کیا؟ اصلی کنواری دوشیزائیں۔ ہو سکتا ہے وہ بڑے مذہبی خیالات کی حامل ہوں۔ اگر یہ کم بخت جنگ نہ ہوتی تو ہم شاید سب اپنے اپنے بستر میں مزے سے لیٹے ہوتے۔

پھر میں نے گویا اپنے آپ کو بستر میں ڈال کر تکیے پہ سر رکھ دیا۔

کیتھرین اس وقت دھوبی دُھلی چادروں میں لپٹی سو رہی ہوگی، پتہ نہیں اس وقت وہ کس کروٹ سو رہی ہو؛ شاید اسے نیند نہ آئی ہو۔ شاید وہ لیٹ کر میرے ہی متعلق سوچ رہی ہو۔

پچھوا ——— چلتی چلی آ ——— چلتی چلی آ

لیکن پچھوا تو چل رہی تھی پر ننھی ننھی پھوار کا نام و نشان تک نہ تھا بلکہ موٹی موٹی بوندوں کا تار بندھا تھا کہ کسی طرح تھمنے میں ہی نہ آتا تھا۔ ساری رات بارش ہوتی رہی۔ سب جانتے تھے کہ بارش برستی ہی رہے گی برستی ہی رہے گی۔

کاش میری محبوب میرے آغوش میں ہوتی اور میں اپنے بستر میں ہوتا۔ میری محبوبہ کیتھرین ——— کاش اس بارش میں میری پیاری کیتھرین کہیں سے بوندوں کے ساتھ اتر آتی۔ اے پچھوا کی ہوا کہیں سے پھر میری محبوبہ کو اڑا کر لے آ ——— خیر ہم تو تھپڑا کے تھپیڑے کھا ہی رہے تھے۔ سبھی اس کے نرغے میں آ گئے تھے۔ اور ننھی ننھی بوندیں کچھ بھی مداوا نہیں کر سکتی تھیں۔

"شب بخیر کیتھرین ———" میں نے بآواز بلند کہا۔

"خدا کرے تم اچھی طرح سوؤ۔ اگر اس جانب آرام نہیں ہے تو کروٹ بدل لو میری جان

میں تمہارے لئے ٹھنڈا پانی لے آتا ہوں۔ بس تھوڑی دیر میں صبح ہو جائے گی اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ ننھا تمہیں اس قدر بے آرام کرتا ہے۔ لیکن میری محبوبہ کوشش کر کے سو جاؤ" وہ کہنے لگی "میں تو سارا وقت سوئی رہی ہوں۔ تم نیند میں بڑبڑا رہے تھے۔ اب بتاؤ تم ٹھیک ہو؟"

"تم یہاں ہو کیتھرین؟ واقعی؟"

"ہاں بھلا میں اور کہاں ہوتی؟ میں یہیں ہوں اور کسی قیمت پر بھی نہ جاؤں گی"

"تم کس قدر پیاری اور خوبصورت ہو؟ تم رات کو چلی تو نہ جاؤ گی؟ بولو؟"

"ہائے کبھی بھی نہیں۔ میں تو ہمیشہ یہیں رہتی ہوں۔ جب کبھی تم چاہتے ہو میں آجاتی ہوں"—— پیانی بولا۔ "قافلہ پھر چلنے لگا ہے"

میں نے کہا "میں اونگھ گیا تھا"

پھر میں نے گھڑی پر نظر کی صبح کے تین بج رہے تھے میں نے سیٹ کے پیچھے باربرا کی بوتل کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

پیانی کہنے لگا۔ "آپ اونچے اونچے بول رہے تھے"

اور میں نے شرمندہ ہو کر جواب دیا۔ "میں انگریزی میں ایک خواب دیکھ رہا تھا"۔

بارش کا دم خم ٹوٹ چکا تھا اور ہم آگے بڑھ رہے تھے۔ لیکن صبح ہونے سے پہلے ایک بار پھر سارا ٹریفک جم گیا اور جب دن چڑھا تو ہم ذرا بلندی پر تھے اور مراجعت کی سڑک ہم سے بہت آگے پھیل ہوئی تھی ہر ایک چیز جمی ہوئی تھی صرف پیادہ فوج راہ بناتی نکلتی چلی جا رہی تھی۔ ٹریفک کا سلسلہ ایک بار پھر کھلا اور گاڑیاں چلنے لگیں لیکن آگے بڑھنے کی رفتار اس قدر کم تھی کہ مجھے یقین ہو گیا یوڈین پہنچنے کا فقط ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ تھا کہ شاہراہ سے اتر کر کھیتوں سے ہو کر وہاں پہنچ جائیں۔ رات کو بہت سے دیہاتی اردگرد کے علاقے سے آ کر ہماری فوج کے پرے میں شامل ہو گئے تھے اور اب ہمارے قافلے میں ایسے چھکڑے بھی شامل تھے جن پر گھریلو سامان لدا ہوا تھا۔ گدوں کے بیچ میں سے شیشے اوپر کو نکلے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اور مرغیاں اور چوزے ٹانگوں سے بندھے چھکڑوں سے لٹک رہے تھے۔ بارش برس رہی تھی اور ہم نے اگلے چھکڑے میں

سامان کے اوپر ایک کپڑے سینے والی مشین دھری تھی لوگ اپنی قیمتی اشیا بچا کر لے چلے تھے۔ بارش سے بچتی بچاتی کچھ چھکڑوں پر عورتیں نہایت بے ترتیبی سے گٹھڑیاں بنی بیٹھی تھیں اور جنہیں یہ جگہ میسر نہ آئی تھی وہ چھکڑوں کے قریب تر ہو کر چلنے کی کوشش میں سرگرداں تھیں۔ اب ہمارے پرے میں کتے بھی آ کر شامل ہو گئے تھے اور جب گاڑیاں آگے بڑھیں تو وہ ان کے نیچے ہو کر چلنے لگتے۔ سڑک کیچڑ سے لت پت تھی۔ ارد گرد پھیلے ہوئے گڑھوں کا پانی چڑھ چکا تھا اور سڑک کے کنارے دو رویہ درختوں سے پرے کھیتوں میں اتنا پانی اور ایسا کیچڑ تھا کہ ان میں سے گزرنے کی کوشش ہی بے سود نظر آتی تھی۔ میں کار میں سے اتر کر سڑک پر کچھ دور تک دیکھنے کے لئے چلا گیا کہ کوئی ایسی راہ ملے جسے اپنا کر ہم دیہات میں سے ہوتے ہوئے اودینے پہنچ جائیں۔ میں جانتا تھا کہ کئی ایسے بغلی راستے شاہراہ کو چھوڑ کر نکلتے تھے لیکن میں کسی ایسی راہ پر نہ پڑنا چاہتا تھا جو آگے چل کر ہمیں کہیں بھی نہ پہنچائے اور ختم ہو جائے۔

بارش اب اس جوش و خروش سے نہ برس رہی تھی اور میرا خیال تھا کہ بادل چھٹنے ہی والے ہیں۔ میں سڑک کے کنارے کنارے بڑھتا گیا۔ پھر دو کھیتوں کے درمیان مجھے ایک چھوٹی سی سڑک نظر آئی جس کے دونوں جانب درختوں کی اونچی فصیل تھی۔ اسی سڑک کو غنیمت جان کر میں کاروں کی طرف واپس لوٹ گیا۔ میں نے پہلے پیانی کو کار موڑنے کے لئے کہا اور پھر بونیلو اور رایمو کو اطلاع دینے کے لئے چلا گیا۔

"اگر یہ سڑک کہیں بھی نہ نکلی تو ہم واپس آ کر قافلے میں مل سکتے ہیں" میں نے کہا
بونیلو نے پوچھا "اور ان کے متعلق کیا ارشاد ہے؟"

اس کے ساتھ سیٹ پر وہی دو سارجنٹ بیٹھے تھے۔ ان کی ڈاڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں لیکن اس کے باوجود صبح کی روشنی میں ان کے چہرے پر ایک قسم کا فوجی دبدبہ عیاں تھا۔
میں نے کہا۔ "دھکے لگانے میں ان کی مدد کار آمد رہے گی"

پھر میں ایمو کے پاس گیا اور میں نے اسے بتایا کہ اب ہم کھیتوں میں سے گذر کر آگے پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

"اور میرا کنوارا خاندان؟" ایمو نے پوچھا "کار میں ان کے لئے تو جگہ ہے"

میں نے کہا "اچھا اگر تم چاہتے ہو تو انہیں ساتھ لے چلو اور ہاں کسی چوڑے سینے والے کو دھکے دکے لگانے کے لئے ساتھ لے لو۔"

"ہراول دستے!۔۔ ان کی کندھے سب سے زیادہ کشادہ ہوتے ہیں وہ اکثر انہیں نہایا کرتے ہیں۔ ان پر ناز کیا کرتے ہیں ـــــ اور تے نینتے اب آپ کی طبیعت کیسی ہے"

"نہایت اعلیٰ۔ اور تم؟"

"ٹھیک ٹھاک ہوں صاحب صرف بھوک لگی ہے"

"میرا خیال ہے اس سڑک پر کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جائے گا ہم رک کر کچھ کھا پی لیں گے"

"آپ کی ٹانگ کا کیا حال ہے تے نینتے؟"

"ٹھیک ہے۔"

سیڑھی پر پیر رکھ کر میں کھڑا ہو گیا اور آگے دیکھنے لگا۔ پیانی کار کو بڑے تردد سے نکال کر بغلی سڑک پر لے آیا اور پھر اسی سڑک پر رواں ہو گیا۔ درختوں کی ننگی ڈالیوں میں سے اس کی کار گزرتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ پھر بونیلو نے موٹر کاٹا اور پیانی کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ پھر ہماری کار آگے بڑھی اور باڑوں کے درمیان ان دونوں گشتی گاڑیوں کے نقش قدم پر چلنے لگی۔ چلتے چلتے ہم ایک دیہاتی باڑے میں پہنچ گئے۔ پیانی اور بونیلو ہم سے پہلے اس احاطے میں اترے ہوئے تھے۔ مکان کی چھت نیچی اور لمبی تھی۔ دروازے کے سامنے جعفری پر انگور کی بیل چڑھی ہوئی تھی۔ احاطے کے اندر کنوئیں پر کھڑا پیانی اپنے ریڈی ایٹر کے لئے پانی نکال رہا تھا۔ پہلے گیئر میں چلتے چلتے پانی کھولنے لگا تھا۔ دیہاتی گھر ویران اور اداس تھا اس کے باسی اسے چھوڑ کر جا چکے تھے۔ میں نے مڑ کر سڑک کی جانب نظر کی۔ یہ باڑہ

زمین سے کچھ اونچائی پر واقع تھا اور سامنے سارا علاقہ نظر آتا تھا۔ بغلی راستے کی باڑ ہوں کھیت، اور شاہراہ کے ارد گرد اُگے ہوئے درختوں میں سے پسپا فوجیں پلٹ رہی تھیں دونوں سارجنٹ اندر گھر میں جھانکتے پھر رہے تھے۔ لڑکیاں جاگ چکی تھیں اور آنگن کنوئیں اور گشتی گاڑیاں جو احاطے میں کھڑی تھیں ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ تینوں ڈرائیور کنوئیں پر کھڑے تھے۔ اسی اثنا میں ایک سارجنٹ کہیں سے ایک کلاک اٹھائے ہوئے وارد ہوا۔

"اُسے واپس رکھ کر آؤ" میں نے کہا۔

سارجنٹ گھر کے اندر غائب ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ خالی تھے۔

"اور تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی وہ بیت الخلا میں گیا ہے"

پھر وہ کار کی سیٹ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ وہ شاید ڈرتا تھا کہ ہم اُسے یہیں نہ چھوڑ جائیں۔ بونیلو پوچھنے لگا "تے نینتے ناشتے کے متعلق کیا ارشاد ہے اگر ہم یہاں کچھ کھا پی لیں تو زیادہ دیر تو نہ لگے گی"

"نہیں نہیں۔ ضرور کھاؤ"

"بہت خوب آیئے کچھ نہ کچھ پیٹ میں ڈال لیں"

پیانی اور بونیلو گھر کے اندر چلے گئے۔

"آؤ چلیں ——" ایمو نے لڑکیوں سے کہا اور ان کی مدد کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ بڑی بہن نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ کسی آسیب زدہ گھر میں گھسنے کو تیار نہ تھیں اور ہمارے پیچھے دیکھتی رہیں۔

ایمو بولا "بڑی پیچیدہ لڑکیاں ہیں"

ہم سب اکٹھے باڑے میں داخل ہو گئے۔ بونیلو اور پیانی باورچی خانے میں پہنچ چکے تھے۔

بیانی بولا۔"کچھ زیادہ تو کھانے کو ہے نہیں۔ وہ خود ہی صفایا کر گئے ہیں سب چیزوں کا"
بونیلو نے باورچی خانے کی وزنی میز پر سفید پنیر کا بڑا ٹکڑا رکھا اور اسے کاٹنے لگا۔
"اور یہ پنیر کہاں سے ملا؟"
"تہ خانے میں سے۔ پیانی کچھ شراب اور سیب بھی ڈھونڈھ لایا ہے"
"بڑا اچھا ناشتہ ہے یہ تو۔"
پیانی کے ہاتھ میں شراب کا ایک ایسا جگ تھا جو بٹی ہوئی بید کی ٹہنیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔
اور پیانی اس میں سے کاگ نکال رہا تھا۔ پھر اس نے ایک پیتل کے برتن میں شراب انڈیل لی اور اسے سونگھتے ہوئے بولا۔"خوشبو تو ٹھیک ہے۔ اب کچھ بادیئے لاؤ بارٹو"
دونوں سارجنٹ اندر آ گئے۔
بونیلو انہیں دیکھ کر بولا۔"آیئے آیئے کچھ کھایئے"
پنیر کا ٹکڑا منہ میں ڈال کر شراب پیتے ہوئے ایک سارجنٹ نے جواب دیا۔"اب ہمیں چلنا چاہیئے"
بونیلو بولا۔"فکر نہ کرو بس چلتے ہیں"
"فوج ہمیشہ اپنے پیٹ کے سہارے چلتی ہے" میں نے کہا۔
"کیا؟" سارجنٹ نے پوچھا۔
"کچھ کھا لینا بہتر رہے گا"
"ہاں لیکن وقت بڑا قیمتی ہوتا ہے"
پیانی کہنے لگا۔"میرا خیال ہے ان حرامزادوں نے پہلے ہی کچھ پیٹ پوجا کر لی ہے"
دونوں سارجنٹ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ انہیں شاید ہم سب سے نفرت تھی۔
ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا۔"آپ اس سڑک سے واقف ہیں کیا؟"
"نہیں تو۔" میں نے جواب دیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"پھر بھی چلنا ہی بہتر ہوگا" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اب چلنے تو لگے ہیں اور کیا؟" میں نے کہا۔

میں نے شراب کا ایک اور پیالہ چڑھا لیا۔ پنیر اور سیب کھانے کے بعد اس کا ذائقہ مجھے اور بھی خوشگوار لگا۔

"یہ پنیر ساتھ لے چلو" میں نے حکم دیا۔

بونیلو شراب سے بھرا ہوا بڑا مٹکا اٹھائے باہر نکل آیا۔

"یہ تو بہت زیادہ بڑا ہے" میں نے کہا

وہ مٹکے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا "شاید ہے ہی۔ اچھا مجھے تام لوٹ بھرنے کے لئے دے دیجئے"

اس نے تام لوٹ بھر دیئے اور کچھ شراب پتھروں کی پٹڑی پر بہہ نکلی۔ پھر اس نے شراب کا مٹکا اٹھا کر دروازہ کھولا اور اسے اندر رکھ دیا۔

"بیچئے دروازہ توڑے بغیر ہی آسٹرین لوگوں کو یہ شراب مل جائے گی" اس نے کہا۔

"اب چلتے ہیں۔ پیانی اور میں آگے چلیں گے"

دونوں سارجنٹ پہلے سے بونیلو کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکیاں پنیر اور سیب کھا رہی تھیں۔ ایمو پاس بیٹھا سگریٹ پینے میں مشغول تھا۔ ہم تنگ سڑک پر ہو لئے اور میں نے مڑ کر دیہاتی احاطے اور کاروں پر ایک نظر ڈالی۔ پتھروں کا بنا ہوا یہ مضبوط نیچا گھر بڑا پیارا تھا اور کنوئیں کے گرد بنا ہوا لوہے کا جنگلا نہایت خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔ آگے تنگ سڑک کیچڑ سے لتھڑی ہوئی تھی، دونوں طرف اونچی اونچی باڑ تھی پیچھے کاریں ہمارے نقش قدم پر بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔

❖

۲۹

شام کے وقت ہم کیچڑ بھری سڑک میں پھنس گئے، ہمارا اندازہ تھا کہ ہم اُڈے سے قریباً دس کلومیٹر دور تھے۔ سہ پہر کو ہی بارش ختم گئی تھی۔ تین بار ہم نے ہوائی جہازوں کو آتے سُنا تھا۔ پھر وہ ہمارے سروں سے ہو کر نکلے تھے ہم نے انہیں بائیں جانب جاتے ہوئے دیکھا اور پھر شاہراہ پر بموں کے گرنے کی آوازیں ہم تک پہنچیں ہم بغلی سڑکوں کے جال میں پھنستے پھنساتے یہاں پہنچے تھے۔ راہ میں ہمیں کئی ایسی بند گلیوں سے واسطہ پڑا تھا جن پر سے ہر بار ہمیں پلٹنا پڑا تھا۔ لیکن ہماری کوششیں رائیگاں نہ گئی تھیں اور ہم اُڈے کے بہت قریب آپہنچے تھے۔ ہر بار ہم کاریں پیچھے موڑتے ہوئے اندھی گلی میں سے نکل جاتے تھے۔ لیکن اس بار جب ایمو نے گاڑی پیچھے کرنا چاہی تو اس کے پہیئے کچی نرم زمین میں دھنس گئے اور چکر لگاتے رہے گھومتے رہے حتیٰ کہ گڑھا بہت گہرا ہو گیا اور گاڑی اپنے پیٹ پر کھڑی رہ گئی۔ بس باہر نکلنے کی ایک ہی صورت رہ گئی تھی اور وہ یہ تھی کہ پہیوں کے سامنے زمین کھودی جاتی۔ گھنی جھاڑیاں ڈال کر اس جگہ کو سخت کیا جاتا اور پھر پیچھے سے دھکے لگا کر گاڑی باہر سڑک پر نکال جاتی۔ ہم سب کار کے ارد گرد کھڑے تھے۔ دونوں سارجنٹ کار کو دیکھنے لگے اور پھر پہیوں کا معائنہ کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اپنی تسلی کر چکنے کے بعد وہ بغیر کچھ کہے سنے سڑک پر پچھلی طرف چل دیئے۔ میں ان کے تعاقب میں بڑھا اور انہیں روکتے ہوئے بولا۔

"آؤ کچھ جھاڑیاں کاٹ کے دو۔"

"ہمیں تو جانا ہے" ان میں سے ایک بولا۔

"چلو کام کرو اور جھاڑیاں کاٹو۔"

دوسرے نے کہا ؛ ہمیں ضروری جانا ہے ۔"
اس کا ساتھی اس بار خاموش رہا ۔ انہیں جانے کی جلدی تھی اور وہ مجھ سے نظریں چرا رہے تھے ۔

میں نے کڑے پن سے بات کی ۔" میں تمہیں گاڑی کے پاس واپس آنے کا حکم دیتا ہوں ۔ تمہیں جھاڑیاں کاٹنا پڑیں گی "

ان میں سے ایک نے پلٹ کر کہا ؛ ہمیں آگے پہنچنا ہے اور تم ہمارے افسر نہیں ہو جو یوں حکم دیتے ہو "

" میں تمہیں حکم دیتا ہوں ادھر آکر جھاڑیاں کاٹو ۔۔۔ سن رہے ہو ؟ "

وہ مڑ گئے اور سڑک پر چلنے لگے ۔

" ہالٹ ! " میں پکارا ۔

دو دو یہ باڑ میں گھری ہوئی سڑک پر وہ چلتے رہے

" میں حکم دیتا ہوں ۔۔۔ ٹھہر جاؤ ۔ رک جاؤ " میں نے پکارا

وہ کچھ اور بھی تیز تیز چلنے لگے ۔

میں نے اپنا پستول نکالا اور اس سارجنٹ کا نشانہ بنایا جس نے زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں کی تھیں ، لیکن نشانہ چوک گیا اور وہ دونوں بھاگنے لگے ۔ میں نے تین فائر کیے اور ایک آدمی گرا لیا ۔ دوسرا باڑ میں سے گھس کر نظروں سے اوجھل ہو گیا ۔ جونہی وہ کھیتوں میں سے ہو کر بھاگا میں نے باڑ میں سے اس کا نشانہ بنایا ۔ پستول میں سے گولی ختم ہونے کی آواز آئی تو میں نے ایک نیا میگزین چڑھا لیا ۔ لیکن دوسرا سارجنٹ بہت دور جا چکا تھا اس لئے میں نے اس پر گولی ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا ۔ سر جھکائے وہ کھیتوں میں بھاگا چلا جا رہا تھا ۔ میں نے پھر سے میگزین میں گولی بھرنا شروع کر دی ۔ اسی اثنا میں بونیلو آ گیا ۔

وہ کہنے لگا ۔" لائیے میں اس کا خاتمہ کر آؤں "

میں نے اسے پستول پکڑا دیا۔ اور وہ وہاں چلدیا جہاں انجینئروں کا سارجنٹ سڑک پر منہ کے بل اوندھا پڑا تھا۔ بونیلو اس پر جھک گیا اور پستول سارجنٹ کی کنپٹی پر رکھ کر لبلبی دبا دی۔

پستول نے جواب دے دیا اور گولی نہ چلی۔

میں نے کہا "گھوڑا چڑھانا پڑتا ہے بھئی اس کا۔"

اس نے گھوڑا لگایا دوبارہ گولی چلائی۔ پھر اس نے سارجنٹ کو ٹانگوں سے گھسیٹ کر سڑک کے کنارے باڑھ کے پاس ڈال دیا۔ واپس آکر پستول مجھے پکڑاتے ہوئے وہ بولا "کتے کا بچہ۔ تتے نینتے آپ نے دیکھا تھا میں نے اسے کیوں کر شوٹ کیا تھا۔"

میں نے کہا "ہمیں جلدی سے جھاڑیاں کاٹنا ہوں گی۔ پتہ نہیں دوسرے کو میری کوئی گولی لگی بھی تھی کہ نہیں؟"

"جی نہیں میں تو سمجھتا ہوں کم بخت بچ ہی گیا۔ وہ پستول کی زد سے بہت دور نکل چکا تھا"

"سؤر کا بچہ" پیانی کہنے لگا۔

ہم سب شاخیں اور سوکھی ڈالیاں توڑنے میں مصروف تھے۔ کار میں سے سارا سامان نکالا جا چکا تھا۔ بونیلو سامنے والے پہیوں کے آگے سے مٹی کھود رہا تھا۔ جب ہم تیار ہو گئے تو ایمو نے کار گیئر میں ڈالی۔ پہیے گھومنے لگے۔ کیچڑ اور جھاڑیاں باہر کو اچھلنے لگیں۔ بونیلو اور میں نے اس قدر زور سے دھکا لگایا کہ ہمیں اپنے جوڑ چٹختے ہوئے محسوس ہوئے۔ لیکن کار ٹس سے مس نہ ہوئی۔

میں نے بارتو سے کہا۔ "بھئی اسے ذرا آگے پیچھے جھلاؤ۔"

اس نے پہلے انجن الٹا چلایا پھر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن پہیے اور بھی دھنستے چلے گئے، کار پھر ڈفرینشل پر ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی اور پہیوں نے جہاں گڑھے بنا رکھے تھے ان گڑھوں میں چکر لگانے لگے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرا خیال ہے اسے رستے سے کھینچنا چاہیئے" میں نے کہا۔

"تنے نینتے میرا خیال ہے رسّہ کشی میں مشغول رہے گی۔ سیدھی طرح کھینچنا ممکن نہیں"

میں نے کہا "پھر بھی کوشش تو کرنا ہی پڑے گی۔ کسی اور طرح تو یہ کار نکل بھی نہیں سکتی"

تنگ سڑک پر بونیلو اور پیانی کی کار آگے کی طرف بڑھ سکتی تھیں۔ ہم نے دونوں کاروں میں رسے ڈالے اور کھینچا۔ پہیئے دائیں بائیں کھینچ کر رہ گئے لیکن گاڑی ایک قدم بھی آگے نہ بڑھی۔

"کوئی فائدہ نہیں۔ کوئی فائدہ نہیں بند کر دو" میں چلّایا۔

پیانی اور بونیلو کاروں میں سے اتر کر پیچھے آ گئے۔ ایمو بھی اتر گیا۔ لڑکیاں ہم سے کوئی چالیس گز کے فاصلے پر پتھروں کی ایک دیوار پر بیٹھی تھیں۔

بونیلو نے پوچھا "اب کیا حکم ہے۔ تنے نینتے؟"

میں نے کہا "ایک بار پھر کھود کر جھاڑیاں ڈالیں گے شائد؟ ــــ"

میں نے سڑک کے نشیب کی طرف نظر ڈالی۔ سارا قصور میرا تھا میں ہی انہیں اس راہ پر لایا تھا۔ بادلوں کے پیچھے سے سورج نمودار ہو گیا تھا اور سارجنٹ کی لاش باڑ کے پاس پڑی تھی۔

میں نے کہا "اس کا کوٹ اور لبادہ گڑھوں میں ڈالنا ہوگا"

بونیلو نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ اور سارجنٹ کے کپڑے لیتے چل دیا۔ میں جھاڑیاں کاٹتا رہا اور ایمو اور پیانی نے پہیوں کے سامنے سے زمین کھودنا شروع کر دی۔ میں نے مردہ سپاہی کے جبہ کو کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کیا اور کیچڑ میں پہیئے کے نیچے رکھ دیا پھر ان پر جھاڑیوں کا ڈھیر لگایا تاکہ پہیے ان پر گرفت حاصل کر کے آگے بڑھ سکیں۔ جب ہم تیار ہو گئے تو ایمو سیٹ پر چڑھ بیٹھا اور کار سٹارٹ کر دی۔ پہیئے گھومنے لگے اور ہم دھکے لگاتے لگاتے تھک گئے۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔

"بس بھئی معاملہ ختم ہے اس کار کا۔ اگر اس میں تمہاری ضرورت کی کوئی چیز ہو تو باہر نکال لو"

بونیلو کے ساتھ ایمو کار میں چڑھ گیا اور بیئر شراب کی بوتلیں اور اپنا جبہ نکال کر لے آیا۔ بونیلو کار کے پیچھے بیٹھا تھا اور سارجنٹ کی جیبوں کی تلاشی لے رہا تھا۔

"یہ کوٹ پھینک ہی دو تو بہتر ہوگا اور یار تو تمہاری کنواریوں کا کیا کریں؟"

پیانی بولا "یہ پیچھے بیٹھ جائیں گی جی۔ میرا خیال ہے ہمیں کچھ زیادہ دور نہ جانا ہوگا۔"

میں نے گشتی کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور بولا "چلو اندر چڑھو۔"

دونوں لڑکیاں اندر چڑھ گئیں اور ایک کونے سے لگ کر بیٹھ رہیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے انہوں نے پستول داغنے کے واقعے کو بالکل نظر انداز کر دیا ہو۔ میں نے مڑ کر سڑک پر نظر دوڑائی۔ لمبی باہنوں والی گندی بنیان میں سارجنٹ کی لاش پڑی تھی۔ میں پیانی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور ہم چل دیئے۔ جہاں سے سڑک ملتی تھی وہاں میں کار میں سے اتر گیا اور آگے آگے چلنے لگا۔ اگر ہم کھیتوں کے دوسرے کنارے پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے تو دوسری جانب ایک سڑک موجود تھی جو ہمیں منزل تک پہنچا سکتی تھی۔ لیکن کھیتوں میں کاریں نہ چل سکتی تھیں۔ زمین بید نرم اور کیچڑ سے لت پت تھی۔ چلتے چلتے ہماری گاڑیاں پہیوں تک کیچڑ میں دھنس گئیں اور انہیں نکالنا ہمارے بس کا نہ رہا تو ہم نے کاروں کو وہیں کھیتوں میں رہنے دیا اور پیدل منزل مقصود کی طرف چلنے لگے۔

کھیتوں کے پار ہم اس سڑک پر پہنچ گئے جو پیچھے جا کر شاہراہ سے ملتی تھی۔ اس سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے دونوں لڑکیوں سے کہا "اس سڑک پر چلتی جاؤ تمہیں اپنے لوگ مل جائیں گے۔"

وہ دونوں میرا چہرہ تکنے لگیں۔ میں نے اپنی پاکٹ بک نکالی اور دس لیر سے کا ایک ایک نوٹ دونوں کو دے کر سڑک کی طرف اشارہ کیا اور کہا "اس راہ پر چلی جاؤ ——— دوست ..... خاندان ..... کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔"

وہ میری بات تو سمجھ نہ پائیں لیکن انہوں نے نوٹوں کو ہاتھ میں اور بھی مضبوطی سے پکڑ

لیا اور سڑک پر چلنے لگیں۔ وہ بار بار مڑ کر اس طرح پیچھے دیکھتیں جیسے انہیں خدشہ ہو کہ میں کہیں پیسے واپس نہ لے لوں۔ میں انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا انہوں نے شالیں بڑی مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹ رکھی تھیں اور بار بار مڑ کر بڑی ہراساں نظروں سے ہمیں دیکھ لیتی تھیں۔

"اور مجھے اس سمت میں جانے کے کتنے پیسے دیں گے تے نینتے؟" بونیلو نے پوچھا۔

میں نے کہا۔ "سڑکوں پر تنہا مارے مارے پھرنے سے تو بہتر ہے کہ یہ لوگوں کے ساتھ ہوں۔ یعنی اگر انہیں لوگ مل گئے تو!"

بونیلو بولا۔ "مجھے دو سو لیرے دیجئے اور پھر دیکھئے میں سیدھا آسٹریا کی طرف چلدونگا"

پیانی کہنے لگا۔ "وہ تم سے دو سو لیرے بھی چھین لیں پیارے!"

ایمو نے پُرامید لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ جنگ ہی ختم ہو جائے پھر؟"

جتنی جلدی ہماری ٹانگیں ہمیں کھینچ سکتی تھیں اتنی جلدی ہم سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ سورج بادلوں میں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سڑک کے کنارے کنارے شہتوت کے درختوں کی قطار تھی اور مجھے ان درختوں میں سے اپنی بڑی بڑی دونوں گشتی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ اسی طرح کیچڑ میں دھنسی ہوئی تھیں پیانی بھی مڑ کر دیکھنے لگا۔

پھر وہ بولا۔ "انہیں نکالنے کے لئے تو کوئی سڑک بنانا ہی پڑے گی۔"

بونیلو بولا۔ "کاش یسوع مسیح! ہمارے پاس سائیکلیں ہوتیں"

ایمو نے جھٹ پوچھا۔ "تے نینتے امریکہ میں لوگ بائیسکلیں چلاتے ہیں کیا؟"

"ہاں چلایا تو کرتے تھے"

ایمو بولا۔ "بہت خوب! بہت خوب! سائیکل بڑی بے پناہ چیز ہوتی ہے جی"

بونیلو نے کہا۔ "کاش ہمارے پاس سائیکلیں ہوتی۔ میں پیدل چلنے کا قائل نہیں ہوں"

میں نے ہمہ تن گوش ہو کر پوچھا "کہیں فائر ہوا ہے شاید۔ یہ فائرنگ کی آواز تھی نا؟"
میرا خیال تھا مجھے کہیں دور سے گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔

امیو نے آواز پہ کان دھرا اور بولا "پتہ نہیں جی"

"میرا تو یہی خیال ہے" میں نے کہا۔

پیالی کہنے لگا۔ "ہماری ملاقات سب سے پہلے رسالے سے ہوگی"

"میرا تو خیال ہے ان کے پاس سرے سے سواروں کا رسالہ ہے ہی نہیں"

بونیلو بولا۔ "خدا نہ کرے۔ میرا تو جی نہیں چاہتا کہ کوئی سوار مجھے اپنے نیزے پہ ٹانگ لے۔"

پیالی نے کہا "تم نے یقیناً آپ نے اس سارجنٹ کو اپنا نشانہ بنایا۔"

ہم تیزی سے چلے جا رہے تھے۔

بونیلو شیخی بگھارنے لگا "میں نے اس کا خاتمہ کیا تھا۔ اس ساری جنگ میں میں نے ایک آدمی بھی نہ مارا تھا۔ اور میری ساری زندگی کی خواہش تھی کہ کسی سارجنٹ کو اپنے ہاتھ سے مروں سو آج موقع مل ہی گیا"

پیالی نے تمسخر بھرے لہجے میں کہا "جی ہاں تم نے اسے بیٹھے کو مارا تھا ——— وہ کوئی اڑ نہیں جا رہا تھا کہ تم اسے نشانہ بنانے پر نازاں ہو"

"خیر خیر۔ لیکن یہ کارنامہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ میں نے اس ——— سارجنٹ کو مارا تھا"

امیو نے پوچھا "اور اعتراف گناہ کرتے وقت تم کیا کہو گے بھلا!"

"بس یہی کہوں گا اے میرے باپ مجھ پر سلامتی کی دعائیں بھیج کیونکہ میں نے ایک سارجنٹ کو قتل کیا ہے"

وہ سب ہنس دیئے۔

پیانی کہنے لگا۔" یہ بھی حکومت دشمن انسان ہے کبھی گرجے کی شکل تک نہیں دیکھی اس نے"

بونیو بولا: "اور یہ پیانی بھی تو حکومت دشمن ہے یہ کسی کو کیا کہنے جوگا ہے؟"

"اچھا؛ کیا تم واقعی انارکسٹ ہو؟"

"تو بہ کیجئے تے نینتے۔ ہم تو سوشلسٹ ہیں۔ ہم امولا کے رہنے والے ہیں امولا کے!"

"کبھی آپ کو وہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے جی؟"

"نہیں تو"

"غضب کی جگہ ہے تے نینتے۔ اس جنگ کے ختم ہوتے ہی آپ وہاں آیئے گا ہم آپ کو ایک چیز دکھائیں گے"

"کیا تم سب سوشلسٹ ہو؟"

"سب کے سب"

"کیا وہ واقعی اچھا شہر ہے؟"

"غضب کا! بے انتہا کا حیرت انگیز۔ آپ نے کبھی ویسا شہر دیکھا ہی نہ ہوگا!"

"اور تم سب اشتراکی کیونکر بنے؟"

"ہم سب سوشلسٹ ہیں تے نینتے ہر ایک سوشلسٹ ہے۔ ہم سب ہمیشہ سے سوشلسٹ ہیں"

"آپ ضرور آیئے گا تے نینتے آپ کو بھی ہم سوشلسٹ بنا دیں گے"

کچھ ہی آگے سڑک دائیں ہاتھ کو مڑتی تھی سامنے ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی اور پتھروں کی دیوار سے پرے سیبوں کا باغ نظر آتا تھا۔ جونہی چڑھائی شروع ہوئی ہماری گفتگو خود ہی بند ہوگئی۔ ہم سب جلدی جلدی چلے جا رہے تھے جیسے وقت کو ہرانے

کی شرط بدکر جا رہے ہوں۔

*

۳۰

بعد میں ہم ایک ایسی ٹرک پر ہو لیے جو دریا کی طرف جاتی تھی۔ ٹرک، اور چھکڑے ایک لمبی قطار میں پل تک کھڑے تھے۔ لیکن کوئی آدمی نظر نہ آ رہا تھا۔ دریا کا پاٹ چڑھا ہوا تھا اور عین درمیان میں پل بمباری کے باعث ٹوٹ چکا تھا۔ پتھروں کی محراب دریا میں گر چکی تھی اور گدلا پانی اس پر سے بہہ بہہ کر گذر رہا تھا۔ ہم دریا کے کنارے کنارے بہت دور تک نکل گئے لیکن پار ہونے کی کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ مجھے یاد آ گیا کہ دریا کے اوپر والی طرف ایک ریلوے پل تھا۔ وہاں سے دوسری جانب اترنے کے امکانات تھے۔ راستہ کیچڑ سے بھرا ہوا تھا۔ کہیں فوج کا نام و نشان تک نہ تھا۔ صرف متروکہ ٹرک اور دوکانیں ویران کھڑی تھیں۔ دریا کے کنارے بھیگی ہوئی جھاڑیوں اور کیچ کے سوائے اور کچھ بھی نہ تھا۔ ہم کنارے کنارے چلتے رہے اور بالآخر ہمیں وہ پل نظر آ گیا۔

ایمو کہنے لگا "کس قدر خوبصورت پل ہے"

میں نے کہا "ہمیں جلدی سے پل عبور کرنا چاہیئے کہیں وہ لوگ اسے اڑا ہی نہ دیں"

پیانی بولا "ابھی اڑانے والا کون ہے؟ سب وفان ہو چکے ہیں"

بونیلو نے کہا "میرا خیال ہے اس کے نیچے بارود کی سرنگیں ہوں گی۔ پہلے آپ چلیئے تے نینتے"

ایمو نے جھٹ کہا "اس حکومت دشمن کی باتیں سنیئے۔ پہلے جانے دیجیئے جی اسے"

میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "پہلے میں ہی جاؤں گا۔ کیونکہ میرا خیال ہے یہاں ایسی بارود کی سرنگ نہ ہوگی جو ایک آدمی کے بوجھ سے اڑ جائے"

بیانی بولا۔ "سُنا؟ یہ ہوتی ہے ذہانت! اے حکومت دشمن تجھے عقل کیوں نہ آئی بھلا۔"

بونیلو حقارت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ "ارے اگر مجھ میں عقل ہوتی تو میں یہاں ہوتا کیا؟"

"تے نینئے اب کے تو اس تے بڑے پتے کی بات کہہ ڈالی" ایمو بولا۔

"ہاں بھئی اچھی بات کی ہے اس نے"

اب ہم پُل کے قریب پہنچ چکے تھے۔ آسمان پر بادل چھا گئے تھے اور ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی تھی۔ پُل نہایت مستحکم اور لمبا لگ رہا تھا۔ ہم بند پر چڑھنے لگے۔

"ایک ایک کر کے چلے آؤ" میں نے حکم دیا اور پل پر چلنے لگا۔ بڑی توجہ سے میں پل کی گرہیں سلیپر اور پٹڑیوں کا معائنہ کرتا چلا جا رہا تھا تاکہ اگر کہیں اڑ نگا لگانے والے تار بچھے ہوں تو میں ان سے بچ کر نکل جاؤں لیکن مجھے ایسا کوئی تار نظر نہ آیا۔ سلیپروں کے درمیانی فاصلوں میں سے جھک کر میں نے دیکھا گدلا دریا نہایت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ سامنے بھیگے ہوئے علاقے سے پرے بارش کی بوندوں میں مجھے اودینے کا شہر دکھائی دے رہا تھا۔ پل کے دوسرے طرف پہنچ کر میں نے مڑ کر دیکھا۔ دریا کے اوپر ایک اور بھی پل نظر آ رہا تھا۔ ابھی میں ادھر ادھر کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ اس پل پر سے ایک خاکستری مائل زرد موٹر کار گزری۔ پل کی اطراف اونچی تھیں جونہی کار پل پر پہنچی اس کا دھڑ نظروں سے غائب ہو گیا لیکن ڈرائیور اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی اور پچھلی سیٹ والے دونوں آدمیوں کے سر مجھے نظر آتے رہے ان کے سروں پر جرمن خود تھے۔ پھر پل پر سے کار گزر کر درختوں اور متروکہ گاڑیوں میں اوجھل ہو گئی۔ ایمو پل پر چلا آ رہا تھا۔

میں نے اسے اور باقیوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔
پھر میں نیچے اترا اور ریلوے بند کے قریب دبک کر بیٹھ گیا۔ ایو بھی میرے پاس آکر بیٹھ رہا۔
"تم نے کار دیکھی تھی؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں۔ ہم تو آپ کو دیکھ رہے تھے۔"
"اوپر والے پل پر سے ایک جرمن کار ابھی گذری تھی۔"
"سٹاف کار؟"
"ہاں —"
"یاپاک مریم"
باقی دونوں ڈرائیور بھی آپہنچے ہم بند کے پیچھے دبک کر بیٹھے ہیں۔ ہماری نظریں پل کے جنگلے سے پرے درختوں گڑھوں اور سڑک پر منڈلا رہی تھیں۔
"تتے نینتے ہمارا راستہ بند ہے کیا؟"
"میں تو کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ ایک جرمن کار اس سڑک پر سے گذری تھی۔"
"تتے نینتے کچھ عجیب سا محسوس نہیں ہو رہا آپ کو؟ دماغ میں حیرت انگیز خیالات نہیں ابھر رہے کیا؟"
"مضحکہ خیز بننے کی کوشش نہ کرو بونیلو"
پیانی نے پوچھا "شراب کے متعلق کیا خیال ہے؟ اگر راہیں مسدود ہو چکی ہیں تو پھر شراب ہی پی لیں کیا مضائقہ ہے؟"
اس نے لمبی تھوتھنی والا لوٹا ٹکڑے میں سے نکالا اور اس کا کاگ کھینچ باہر کیا۔
سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایو چلایا۔ "دیکھو — دیکھو۔"

پتھر کے پُل کے اُوپر ہمیں جرمن سپاہیوں کے خود آگے بڑھتے ہوئے نظر آئے وہ آگے کو جُھکے ہوئے تھے اور بڑے آرام سے بڑھے جا رہے تھے جیسے ان میں کوئی مافوق الفطرت قوت ہو۔ جونہی وہ پُل سے اترے ہم نے انہیں دیکھا۔ یہ سائیکلوں کا رسالہ تھا۔ مجھے پہلے دو سپاہیوں کا چہرہ نظر آیا۔ ان صحت مند فوجیوں کے چہرے گلابی ہو رہے تھے۔ ان کے خود ماتھے اور کنپٹیوں تک پہنچے تھے۔ اور قرابینچیاں سائیکلوں کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں۔ دستی بم سائیکلوں کے ہینڈل سے پیٹیوں میں لٹک رہے تھے۔ آہنی خود اور ان کی وردیاں بھیگی ہوئی تھیں اور وہ بڑے آرام سے سائیکلیں چلاتے دائیں بائیں اور سامنے دیکھتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ پہلے دو سپاہی آئے پھر چار کی قطار آگے بڑھی۔ پھر دو سپاہی باہر نکلے۔ اور اس کے بعد کم از کم درجن بھر سپاہیوں کا ایک گروہ بائیسکلیں چلاتا نکل گیا۔ پھر ایسی ہی ایک اور ٹکڑی آئی اور اس کے بعد ایک تنہا سپاہی نظر آیا۔ یہ سارا رسالہ بالکل خاموش تھا۔ لیکن اگر وہ باتیں بھی کرتے تو ان کی آواز ہم تک نہ پہنچتی کیونکہ دریا کا شور ان کی آوازوں کو لے ڈوبتا۔ پھر فوج کا یہ پرا سڑک پر جاتا ہُوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"یا پاک مریم!" امیو بولا۔

پیانی کہنے لگا۔ "یہ جرمن تھے جرمن۔ ایک بھی آسٹرین نہ تھا ان میں سے"

میں نے کہا "ان موذیوں کو روکنے کے لئے یہاں بھلا کوئی موجود کیوں نہیں؟ اس پُل کو اڑایا کیوں نہیں گیا۔ پھر بند کے ساتھ ساتھ مشین گنوں کا پہرہ کیوں موجود نہیں بھلا"

"آپ ہی ہمیں بتائیں نا تے نینتے؟" بونیلو نے کہا۔

میں طیش میں آیا ہُوا تھا ایک گندی سی گالی دے کر میں نے کہا "یہ سارا سلسلہ ہی دیوانہ پن ہے۔ وہاں اترائی میں تو یہ گدھے ایک چھوٹا سا پُل اڑا دیتے ہیں اور یہاں شاہراہ کا پُل ثابت و سالم کھڑا ہے سب گئے کہاں؟ ان کو روکنے کی کیا کوئی کوشش

نہ کی جائے گی ؟"

بونیلو بولا۔ "آپ ہی بتا ئیے نا تے نینتے"

میں نے بکواس بند کر دی۔ بھلا یہ میرا کام تھوڑا تھا۔ بس مجھے تو تین گاڑیوں کے ساتھ پوردونے پہنچنا تھا۔ اور صورتِ حال یہ تھی کہ ادو دینے تک پہنچنا بھی ممکن نظر نہ آرہا تھا اب ایک ہی راہ باقی تھی اور وہ یہ تھی کہ خاموشی اختیار کر لی جاتی اپنے آپ کو گولی سے بچایا جاتا اور دشمن کے نرغے میں نہ پھنسنے کی حتی الامکان کوشش کی جاتی۔

"شاید تم نے کوئی لوٹا کھولا تھا" میں نے پیانی سے پوچھا۔

اس نے مجھے لوٹا پکڑا دیا اور میں نے بہت ساری شراب چڑھالی۔

"اب تو چلنا ہی چاہیئے لیکن کوئی جلدی نہیں ہے۔ تمہیں کچھ کھانے کو بھی تو ملنا چاہیئے"

بونیلو بولا: "یہ ٹھہرنے والی جگہ نہیں ہے صاحب"

"بہت خوب تو پھر چلتے ہیں"

"تو جناب اس طرف سے ہمیں نظروں سے اوجھل چھپتے چھپاتے ؟"

"نہیں اوپر یہ بہتر رہے گا۔ شاید وہ اس پل پر بھی آنکلیں۔ وہ تو بُرا ہوگا اگر ہم انہیں دیکھ بھی نہ پائے اور انہوں نے ہمیں آکر دبوچ لیا۔"

ہم ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ چل دیئے۔ ہمارے دونوں جانب سیلی نم آلود زمین پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے وادی سے پوڈین کی پہاڑی نظر آرہی تھی پہاڑی پر ایستادہ قلعہ کی چھتیں ڈھے چکی تھیں۔ گھنٹہ گھر اور کلارک ٹاور بھی دکھائی دے رہے تھے کھیتوں میں جابجا شہتوت کے درخت لگے تھے کچھ ہی دور سامنے مجھے ایک جگہ سے پٹڑی کے سلیپر اکھڑے ہوئے نظر آئے۔ زمین کھود کر کڑیاں بھی نکالی جا چکی تھیں اور ان کڑیوں کو بند کے نیچے پھینک دیا گیا تھا۔

"نیچے ہو جاؤ ــــ جھک جاؤ ــــ نیچے نیچے" ایمو بولا۔

ہم بند کے ساتھ ہی گر کر بیٹھ گئے۔ بائیسکلوں کا ایک رسالہ اور سڑک پر گزر رہا چلا جا رہا تھا۔ میں نے کنارے سے ذرا سا سر اٹھا کر انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔

"انہوں نے ہمیں دیکھ تو لیا تھا لیکن وہ ٹھہرے نہیں چلتے ہی گئے" ایمو بولا۔

"اس بند پر تو ہمارا خاتمہ ہو کر رہے گا تے نینتے"، بونیلو نے کہا۔

میں کہنے لگا "انہیں ہماری ضرورت نہیں ہے وہ تو کسی اور شے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ہاں اگر وہ اچانک ہم پر آ دھمکے تو خطرہ کہیں زیادہ ہے"

"میں تو ادھر ہی چلوں گا نہ نینتے نظروں سے اوجھل" بونیلو نے کہا۔

"بہت اچھا۔ لیکن ہم پٹڑی پٹڑی جائیں گے۔"

"کیا ہم پہنچ بھی جائیں گے تے نینتے؟" ایمو نے پوچھا۔

"ضرور! ابھی ان کی زیادہ فوجیں ادھر نہیں آئیں۔ اندھیرے میں چلیں گے"

"وہ مسٹاف کار کیا کر رہی تھی جی؟"

"خدا بہتر جانتا ہے" میں نے جواب دیا۔

ہم پٹڑی کے اوپر چلنے لگے۔ بونیلو کچھ دیر تو بند کے کیچڑ میں دھنستا دھنسانا چلتا رہا لیکن پھر تھک کر وہ بھی ہمارے ہی گروہ میں شامل ہو گیا۔ اب پٹڑی شاہراہ سے دور نکل آئی تھی اور ہمیں نظر نہ آتا تھا کہ سڑک پر سے کیا کچھ گزرتا چلا جا رہا ہے تھوڑے سے فاصلے پر ایک نہر آ گئی۔ اس کا چھوٹا سا پل ٹوٹا ہوا تھا۔ لیکن ہم نے سیمنٹ پل پر احتیاط سے قدم دھرتے نہر عبور کر گئے۔ آگے چل کر ہمیں گولیاں چلنے کی صدائیں آنے لگیں لیکن ہم چلتے ہی رہے۔

نہر کے پار ہم پھر پٹڑی پر تھے یہ ریل کا راستہ نیچے کھیتوں میں سے ہو کر سیدھا شہر کو جاتا تھا۔ ہم سے شمال کی جانب وہی شاہراہ تھی جس پر ہم نے سائیکلوں کے رسالے کو دیکھا تھا۔ مجھے علم تھا کہ وادی میں ایسے کئی ذیلی راستے موجود تھے جن پر سے ہو کر

ہم منزل تک پہنچ سکتے تھے۔

"چلئے آؤ ۔۔" میں نے کہا۔

ہم سب بند پر رواں تھے کہ دفعتاً بغلی راستے کی طرف سے کسی نے ہم پر گولی چلائی۔ گولی بند کے کیچڑ میں دھنس کر رہ گئی۔

"پیچھے ہٹ جاؤ پیچھے"، میں چلایا۔

پھر میں بند پر چڑھنے لگا۔ کیچڑ میں بار بار میرا پاؤں پھسلتا تھا۔ باقی سب ڈرائیور مجھ سے آگے تھے۔ گھنی جھاڑی کے پیچھے سے دوبارہ گولی چلی۔ اس وقت امیو پیٹری عبور کر رہا تھا۔ اس کے پاؤں میں لغزش آئی، پھر وہ ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گر گیا۔ ہم نے اسے بند کے دوسری طرف گھسیٹ لیا اور اس کا چہرہ پلٹا دیا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ "اس کا چہرہ اونچائی کی طرف کر دو"

پیانی نے اُسے گھما دیا۔

امیو بند کے ایک کنارے کیچڑ میں لیٹا ہوا تھا اسے پاؤں کے نیچے کی طرف تھے اور وہ ہر سانس کے ساتھ بڑی بے قاعدگی سے لہو اگل رہا تھا۔ ہم تینوں بارش میں اس پر جھکے ہوئے دوزانو بیٹھے تھے۔ گولی اس کی گردن میں پیچھے کی طرف لگی تھی اور جسم میں راہ بناتی ہوئی دائیں آنکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس وقت میں ان دونوں سوراخوں کو بند کرنے میں کوشاں تھا جب ایمو نے جان دے دی۔ پیانی نے اس کا سر نیچے دھر دیا۔ پھر پٹی سے اس کا چہرہ پونچھا اور منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

"حرامزادے ۔۔" اس کے منہ سے نکلا۔

میں بولا ۔ "یہ جرمن نہ تھے۔ اس علاقے میں جرمن ہو ہی نہیں سکتے۔"

"اطالوی تھے۔ اطالیانی" پیانی نے جیسے کسی کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا۔

بونیلو ایمو کی طرف نظریں کئے بغیر خاموش بیٹھا تھا۔

ایمو کی ٹوپی بند کی طرف سے لڑھک کر نیچے جا پڑی تھی۔ پیانی یہ ٹوپی اٹھا لایا اور اسے ایمو کے چہرے پر ڈال دیا۔ پھر پیانی نے اس کا لٹا اٹھا کر بونیلو کو دیتے ہوئے پوچھا "شراب پیو گے کیا؟"

"نہیں"— بونیلو نے کہا اور میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا "ریل کی پٹڑی پر ہم میں سے کوئی بھی ان حالوں کو پہنچ سکتا تھا"

"نہیں وہاں یہ ممکن نہ تھا۔ یہ حادثہ تو اس لئے پیش آیا کہ ہم نے کھیتوں کے راستے پار ہونا مناسب سمجھا"

بونیلو نفی میں سر ہلانے لگا۔

"ایمو غریب مرگیا۔ اب کس کی باری ہے تے نینتے؟ اب یہاں سے کہیں چلیں؟"

میں نے جواب دیا— "گولی چلانے والے بدبخت اطالوی تھے۔ یہ جرمن نہیں ہو سکتے"

بونیلو بولا "ٹھیک ہے اگر وہ جرمن ہوتے تو ہم سب کا قصہ پاک ہو چکا ہوتا"

"جرمنوں سے زیادہ ہمیں اطالیوں کا خطرہ ہے۔ جرمن کم از کم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ انہیں کیا چاہیئے اور وہ کس شے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ لیکن عقبی فوج تو ہر ذرا سی چیز سے ڈرا کرتی ہے"

بونیلو بولا "آپ تو منطق لڑا رہے ہیں تے نینتے"

پیانی نے پوچھا "اور یہاں سے کہاں چلیں تے نینتے؟"

"اگر کسی طرح ہم جنوب کی طرف پہنچ سکتے تو سارا معاملہ ٹھیک ہو جاتا۔ بہرکیف جب تک اندھیرا نہیں ہو جاتا کسی جگہ چھپ رہنا ہی بہتر ہو گا"

پیانی بولا "پوڈین کے قریب ہی چھپنے کی جگہ ڈھونڈ لیں گے اور جب اندھیرا پھیل جائے گا تو ہم اپنی راہ پر چل دیں گے"

"چلو تو پھر چلیں" بونیلو بولا۔

ہم بند کی شمالی جانب چلنے لگے۔ تھوڑی دور جاکر میں نے مڑکر دیکھا۔ ایمو بند کی ڈھلوان پر کیچڑ میں پڑا تھا۔ اس کے بازو پہلوؤں کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور وہ بڑا چھوٹا سا لگ رہا تھا۔ پٹیوں سے لپٹی ہوئی اس کی ٹانگیں اور بوٹوں والے پیر آپس میں جڑے ہوئے تھے اور منہ پر ٹوپی دھری تھی۔ اس کا چہرہ بے حد مردہ لگ رہا تھا اور اسی طرح لیٹے ہوئے ایمو پر بارش برسے چلی جا رہی تھی۔ ایمو مجھے دوستوں کی طرح عزیز تھا۔ اس کے مزدوری کا غذات میری جیب میں تھے اور میرا ارادہ تھا کہ پہنچتے ہی اس کے گھر والوں کو خط لکھوں گا۔ کھیتوں سے پرے ایک دیہاتی گھر نظر آ رہا تھا۔ احاطے کے گرد درخت لگے تھے اور گھر کے ساتھ غلہ کے گودام وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ بالا خانہ پر ستونوں کے سہارے ایک برآمدہ بھی کھڑا کیا گیا تھا۔

"ہمیں ایک دوسرے سے فاصلے پر چلنا چاہیئے۔ پہلے میں جاتا ہوں تم لوگ میرے پیچھے آنا" میں نے کہا۔

میں بارڈے کی طرف چل دیا۔ کھیتوں میں سے اس طرف کو ایک چھوٹی سی پگڈنڈی جاتی تھی۔

کھیتوں میں سے چلتے ہوئے بس میرے دل میں ایک ہی وسوسہ تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ مکان کے اندر سے یا درختوں کی اوٹ سے کوئی ہمیں گولی کا نشانہ نہ بنا دے۔ لیکن گھر صاف میری نظروں کے سامنے تھا اور میں چلتا ہی جا رہا تھا۔ بالا خانہ کا برآمدہ پیچھے کھتے سے ملا ہوا تھا اور ستونوں میں سے پیال باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ آنگن کا فرش پتھر کا تھا اور اردگرد اُگے ہوئے درختوں میں سے بارش کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ سامنے ایک خالی ریڑھا کھڑا تھا۔ اور اس کے بم بارش کی طرف رُخ کئے اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ میں صحن کو پار کر کے بالا خانہ کے برآمدے تلے جا کھڑا ہوا گھر کا دروازہ کھلا

تھا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ پیانی اور بونیلو میرے پیچھے پیچھے بڑھتے چلے آئے۔
اندر خاصا اندھیرا تھا۔ میں پچھلی طرف باورچی خانے میں چلا گیا۔ بڑے کھلے آتشدان میں کبھی ہوئی آگ راکھ بنی پڑی تھی۔ کچھ برتن اور پرلٹک رہے تھے لیکن یہ سب کے سب خالی تھے۔ میں نے ادھر ادھر بہت ڈھونڈا لیکن کھانے کو کچھ بھی نہ ملا۔

میں نے کہا ـــ "بھُس والی کوٹھڑی میں چل کر پڑ رہتے ہیں۔ پیانی کیا خیال ہے کھانے کے لئے کچھ ڈھونڈ کر اُوپر لے آؤ گے؟"

"دیکھتا ہوں جی" پیانی بولا۔

"میں بھی دیکھوں گا" بونیلو کہنے لگا۔

"اچھا تو میں چل کر دیکھتا ہوں۔ تم آجانا"

اصطبل میں سے چھتروں کی سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔ بارش میں خشک اصطبل کی بُو بڑی خوشگوار تھی۔ ڈھور ڈنگر تمام جا چکے تھے۔ شاید جب گھر کے مکین گئے ہوں گے تو انہوں نے انہیں دیا ہو گا۔ بھُس والا کمرہ آدھا پیال سے بھرا ہوا تھا۔ چھت میں دو روشندان تھے ایک پر تو دفتی لگی تھی اور دوسرا کھلا تھا۔ کمرے میں ایک ڈھلوان نالی بھی موجود تھی جس میں سے ڈھور ڈنگروں کو چارہ ڈالا جاتا ہو گا۔

چھت پر بارش کی بوندوں کا شور صاف سُنائی دے رہا تھا۔ ہوا میں پیال کی خوشبو سی ہوتی تھی اور جب میں نیچے گیا تو مجھے اصطبل میں سے سوکھے ہوئے گوبر کی صاف سی بو آئی۔ جنوبی کھڑکی کی ایک دفتی ڈھیلی کر کے ہم آنگن میں جھانک سکتے تھے۔ دوسری کھڑکی کی طرف سے شمال کے کھیت نظر آتے تھے۔ ان کھڑکیوں میں چڑھ کر چھت پر پہنچ کر وہاں سے نیچے اتر سکتے تھے اور اگر سیڑھیوں پر سے اترنا ممکن نہ ہوتا تو چارہ پھینکنے والی نالی کو بھی نیچے اترنے کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔ اگر بھاگنے کی مہلت

نہ بھی ملتی تو پیال میں چھپ کر بیٹھ رہنے کا بھی امکان تھا۔ کھتا بہت بڑا تھا اور جگہ ہمارے لئے بہت اچھی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اگر ہم پر گولی نہ چلائی جاتی تو ہم جنوب کی طرف پہنچ ہی جاتے۔ غیر ممکن تھا کہ اس علاقے میں جرمن موجود تھے۔ وہ تو شمال کی جانب سے آ رہے تھے۔ بھلا وہ جنوب کی طرف سے کیوں کر راہ بنا کر آتے؟ اطالوی اور بھی زیادہ خطرناک تھے۔ کیونکہ اس وقت وہ بے حد ڈرے ہوئے تھے اور جو بھی نظر آتا اس پر گولی چلا دیتے تھے۔ ابھی پچھلی رات ہم نے مراجعت کے قافلے میں لوگوں کو کہتے سنا تھا کہ بہت سارے جرمن فوجی اطالوی وردیاں پہنے شمال کی جانب پسپا فوجوں کے ساتھ مل کر چلے آ رہے تھے۔ مجھے تو اس بات پر یقین نہ آیا تھا ایسی افواہیں جنگ کا لازمہ ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جو ہر دشمن آپ کے ساتھ کر کے چھوڑتا تھا۔ کم از کم ہماری فوج میں سے تو کوئی بھی جرمن وردیاں پہن کر ان کی فوج میں ابتری پھیلانے کے لئے نہ گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے پاس فوج بھی کم تھی اور مترکین بھی کچھ زیادہ نہ تھیں۔ احکامات جاری ہونے ختم ہو گئے تھے ورتو اور جرمن حکم صادر نہ کرتے تھے۔ پھر بھی خطرہ تو اس بات کا تھا کہ ہمیں جرمن کچھ کر ہی اطالوی گولی نہ چلا دیں۔ ایمو کا انجام ہمارے سامنے تھا۔

بھس کی بوری تازگی بخشنے والی تھی اور کھتے میں لیٹے لیٹے مجھے محسوس ہوا کہ ماضی کی کوئی حیثیت نہ تھی جیسے کئی سال پلک جھپکنے میں غائب ہو گئے۔ اس وقت ہم پیال میں گھس کر باتیں کیا کرتے تھے۔ کھتے کی دیوار میں اونچی سی جگہ ایک تکون کٹا ہوا تھا جس میں ہوائی بندوق رکھ کر ہم چڑیاں مارا کرتے تھے۔ اب وہاں وہ کھتا باقی نہ رہا تھا۔ ایک سال انہوں نے شیکران کی لکڑی کاٹ ڈالی تھی اور جہاں پہلے کبھی سرسبز گھنے جنگل تھے وہاں ٹنڈ منڈ درختوں کی چوٹیاں، ننگی ٹہالیاں، موٹے موٹے ٹھنڈ اور ایندھن کی گڑیاں بکھری پڑی تھیں۔

لیکن اب اس زمانے میں پلٹ کر کون جا سکتا تھا؟

پوڈین کے شمال سے مجھے گولیاں چلنے کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ مشین گن چلنے کی آواز بھی آرہی تھی۔ لیکن اتنی تسلی ضرور تھی کہ کم از کم بمباری نہیں ہورہی تھی۔ دشمن نے اپنی کچھ فوجیں کسی طرح سڑک پر بھیج دی تھیں۔ میں نے دھند لکے میں نیچے دیکھا پیانی فرش پر کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک شیشے کا مرتبان اور بغل میں دو بوتلیں شراب کی تھیں۔

اسے دیکھ کر میں نے کہا" سیڑھی وہ رہی —— چلے آؤ"

پھر مجھے خیال آیا کہ پیانی کو یہ چیزیں ادھر لانے میں کچھ مدد مجھے بھی کرنی چاہیئے۔ پیال میں لیٹے لیٹے میں خاصہ خالی الذہن ہوگیا تھا اور مجھ پر غنودگی چھا چکی تھی۔

میں نے پوچھا۔"اور بونیلو کہاں ہے؟"

پیانی نے کہا:" ابھی بتاتا ہوں آپ کو"

ہم سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ پیال کے پاس پہنچ کر ہم نے چیزیں نیچے بھُس پر رکھ دیں۔ پیانی نے اپنا چاقو نکالا جس کے ایک سرے پر کاگ پیچ بھی تھا پھر ایک بوتل میں سے کاگ نکالتے ہوئے بولا۔" بڑی اچھی شراب ہوگی۔ دیکھئے اُوپر موم بھی لگی ہوئی ہے"

"اور وہ بونیلو کہاں ہے؟" میں نے دوبارہ پوچھا۔

پیانی میری طرف دیکھنے لگا۔

پھر لمحہ بھر بعد میں وہ بولا" بونیلو تو چلا گیا تے نینتے۔ وہ قیدی بننا چاہتا ہے"

میں خاموش رہا۔

"اسے ڈر تھا کہ ہم سب مارے جائیں گے"

میں نے شراب کی بوتل پکڑلی اور خاموش رہا۔

"دیکھئے نا تے نینتے ویسے بھی اس جنگ پر ہمارا رتی بھر اعتقاد نہیں ہے"

"اور تم کیوں نہ گئے؟" میں نے پوچھا۔

"میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر جانا نہ چاہتا تھا۔"

"اور وہ کہاں گیا ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا ——— وہ تو بس چلا ہی گیا"

میں نے کہا۔ "بہت اچھا۔ چلا گیا تو چلا گیا۔ تم ہنڑ کاٹو گے پیانی؟"

دھندلکے میں پیانی میری طرف دیکھنے لگا۔

پھر ہم پیال میں بیٹھ کر ہنڑ کھاتے رہے اور شراب چڑھاتے رہے۔ یہ شراب شاید گھر والوں نے کسی شادی کے لئے حفاظت سے رکھ چھوڑی تھی اور یہ اس قدر پرانی تھی کہ اس کا رنگ بالکل اڑ گیا تھا۔

میں نے کہا۔ "تم اس کھڑکی میں سے باہر دیکھو میں ادھر چل کر دوسری کھڑکی سے جائزہ لوں گا"

ہم نے ایک ایک بوتل سنبھال رکھی تھی۔ اپنی بوتل اٹھا کر میں چل دیا۔ پھر پیال میں میٹ پر میں نے تنگ کھڑکی میں سے باہر نظر ڈالی۔ سارا علاقہ بھیگا ہوا تھا۔ پتہ نہیں میں وہاں کیا دیکھنے کی توقع رکھتا تھا لیکن سامنے کھیتوں کے سوائے اور کچھ نہ تھا۔ شہتوت کے درخت ننگے کھڑے اور بارش ہو رہی تھی۔ میں نے تھوڑی سی شراب پی لیکن شراب نے بھی میری طبیعت کا تکدر دور نہ کیا۔ گھر والوں نے اسے کچھ زیادہ ہی دیر تک پڑے رہنے دیا تھا اس لئے اب اس کی خاصیت اور رنگ دونوں تباہ ہو گئے تھے۔ پھر باہر اندھیرا پھیلنے لگا۔ اندھیرا اتنی سرعت سے بڑھا کہ باہر کا منظر دیکھنا ناممکن ہو گیا۔ اس لیے میں اٹھ کر پیانی کے پاس چلا گیا۔ وہ سویا پڑا تھا۔ میں نے اسے نہ جگایا اور تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھا رہا۔ پیانی بڑا لمبا چوڑا آدمی تھا۔ اور اس کی نیند بہت گہری ہوا کرتی تھی۔ کچھ عرصہ اس طرح گذر گیا پھر میں نے اسے جگایا اور ہم چل دیئے۔

وہ نہایت عجیب و غریب رات تھی۔ پتہ نہیں مجھے کس چیز کی توقع تھی شاید مجھے ہر لمحہ

موت کا دھڑکا لگا تھا۔ اندھیرے میں ہر لمحہ گولی لگنے کا خدشہ تھا ساری راہ کھا گئے یہنے کا خیال تھا۔ لیکن خلافِ توقع ان میں سے ایک بھی حادثہ پیش نہ آیا۔ شاہراہ سے پرے گڑھے کے قریب ہم چت لیٹے انتظار کرتے رہے۔ ہمارے سامنے سے ایک جرمن پلٹن گزری اور جب یہ فوجی اچھی طرح سے نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ہم نے سڑک پار کی اور شمال کی جانب چل دیئے۔ بارش میں دو بار ہم جرمنوں کے قریب سے گزرے لیکن شکر ہے ان کی نظر ہم پر نہ پڑی۔ شہر کے پار ہم شمال کی طرف پہنچ گئے اور کوئی اطالوی ہمیں راہ پر نہ ملا۔ پھر ہم مراجعت کرنے والی فوجوں کے راستوں پر ہو لیئے اور تالیامنتو کی طرف چلتے چلتے ساری رات گزر گئی۔ اس سے پہلے میں نے اندازہ ہی نہ لگایا تھا کہ مراجعت کس قدر لمبے چوڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ فوج کے علاوہ سارا ملک ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ہم ساری رات چلتے رہے اور گاڑیوں سے زیادہ لمبے فاصلے طے کر لیئے۔ میری ٹانگ میں درد تھا۔ لیکن ہم نے وقت کا خوب فائدہ اٹھایا اور چلتے گئے۔ یوں چلتے ہوئے بونیلو کی حماقت پر اور بھی تعجب ہوتا تھا بھلا اس نے قیدی بننے کا کیوں ارادہ کیا؟ یہاں تو کسی قسم کا خطرہ تھا ہی نہیں۔ ہم اپنی اور دشمن کی فوجوں میں سے بغیر کسی حادثے کے گزر آئے تھے۔ اگر ایمو یوں مارا نہ جاتا تو ہمیں کسی خطرے کا احساس تک نہ ہوتا۔ جب ہم ریل کی پٹڑی پر چلے جا رہے تھے۔ اور لوگ ہمیں صاف دیکھ سکتے تھے تب تو ہمیں کسی نے تنگ نہ کیا تھا لیکن موت بڑی غیر منطقانہ طریق پر اچانک ہی آوارد ہوئی تھی۔ میں بونیلو کے متعلق سوچنے لگا۔ خدا جانے وہ کہاں ہوگا۔

پیانی نے پوچھا: "تے نینٹے اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

سڑک پر گاڑیوں اور سپاہیوں کا ہجوم تھا۔ ہم دونوں کنارے کنارے بڑھتے جا رہے تھے۔

"اچھی ہے بھئی" میں نے جواب دیا۔

”میں تو اس پیدل چلنے سے اکتا گیا ہوں“

”اب چلنے کے سوائے اور چارہ بھی کیا ہے؟ کم از کم فکر سے تو نجات ملی“

”بونیلو کس غضب کا احمق تھا جی“

”احمق تو تھا ہی ——“

”اور تے نینتے آپ اب اس کے لئے کیا کریں گے؟“

”کچھ نہیں کہہ سکتا“

”تے نینتے کیا آپ اسے قیدی ظاہر نہ کریں گے؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ پکڑا گیا ہے“

”پتہ نہیں ——“

”دیکھئے نا تے نینتے اگر یہ جنگ جاری رہی تو یہ فوج والے اس کے خاندان کو بہت تنگ کریں گے۔“

قریب ہی سے ایک سپاہی بولا۔ ”یہ جنگ جاری نہیں رہ سکتی۔ ہم گھر جا رہے ہیں گھر —— جنگ ختم ہو چکی ہے —— ختم ہو چکی ہے“

”سبھی گھر جا رہے ہیں —— گھر“

”ہم سب گھر جا رہے ہیں گھر ——“

پیانی بولا۔ ”چلیئے تے نینتے ——“

وہ ان لوگوں سے آگے نکل جانا چاہتا تھا۔

”تے نینتے؟ ہیں، تے نینتے کون ہے؟ افسران فوج مردہ باد! مردہ باد“

پیانی نے مجھے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔ ”یہ بہتر ہے کہ میں آپ کا نام لے کر پکاروں۔ یہ لوگ کہیں کوئی جھمیلا نہ کھڑا کر دیں۔ انہوں نے کچھ افسر پہلے بھی مار ڈالے ہیں“

ہم راہ بناتے ہوئے اس گروہ میں سے آگے نکل گئے۔

میں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ ایک بار پھر جوڑ کر کہا ۔" نہیں میں ایسی کوئی رپورٹ نہ لکھوں گا جو اس کے خاندان پر کسی قسم کی مصیبت لائے "

پیانی بولا ۔" اگر تو لڑائی ختم ہوگئی پھر تو رپورٹ کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ جنگ ختم ہوگئی ہے۔ ایسی تمنائیں پوری نہیں ہوا کرتیں ۔"

" امن زندہ باد۔ ہم گھر جا رہے ہیں گھر" ایک سپاہی چلایا۔

پیانی کہنے لگا ۔" کس قدر اچھی بات ہو اگر ہم سب گھروں کو لوٹ جائیں۔ آپ گھر جانا پسند نہ کریں گے کیا ؟"

" کیوں نہیں "

" لیکن ہم کبھی نہ جا سکیں گے کیونکہ میرا خیال ہے یہ جنگ ابھی اور چلے گی "

" آؤ گھر چلیں ۔ گھر چلیں گھر" ایک سپاہی نے نعرہ مارا۔

پیانی نے کہا ۔" دیکھا آپ نے، یہ اپنی رائفلیں گرا رہے ہیں۔ مارچ کرتے جا رہے ہیں اور بندوقیں اتار اتار کر پھینک رہے ہیں۔ اُف کس قدر چلا رہے ہیں یہ سپاہی "۔

" کم از کم انہیں اپنی بندوقیں ساتھ رکھنی چاہئیں "

" ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی بندوقیں کھو گئیں تو پھر کوئی انہیں لڑنے پر مجبور نہ کر سکے گا "

رات اندھیری تھی اور بارش برس رہی تھی۔ سڑک کے کنارے سے چلتے ہوئے میں نے دیکھا کہ بیشتر سپاہیوں کی بندوقیں ان کے ساتھ تھیں۔ یہ بندوقیں بڑے تیکھے پن سے لبادوں سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔

ایک افسر نے چلا کر پوچھا ۔" تم کس بریگیڈ سے ہو ؟"

کسی اور نے چلا کر جواب دیا " امن بریگیڈ سے "

افسر خاموش ہوگیا۔

" بھلا یہ کیا کہتا ہے ؟ اس افسر کا مطلب کیا ہے آخر ؟"

"پکڑلو اس افسر کو۔ امن زندہ باد، زندہ باد امن"

پیانی بولا "چلئے چلئے"

کچھ فاصلے پر ہمیں انگریزوں کی دو موٹر کشتی کاریں گاڑیوں کی قطار میں نظر آئیں۔

پیانی نے انہیں دیکھ کر کہا "یہ گورزیا سے آئی ہیں۔ میں ان کاروں کو جانتا ہوں"

"یہ لوگ ہم سے تو آگے ہی نکل آئے"

"ہم سے پہلے بھی تو ملے تھے"

"پتہ نہیں ان کے ڈرائیور اب کہاں ہیں"

"شاید اوپر پہنچ چکے ہوں۔"

میں نے کہا "جرمن تو پوڈین کے باہر ڈیرا ڈالے بیٹھے ہیں۔ یہ سب لوگ دریا عبور کر کے جائیں گے شاید"

پیانی بولا "جی ہاں میرا بھی یہی خیال ہے اور اس لئے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ جنگ ابھی چلتی رہے گی"

میں نے کہا "جرمن یہاں بھی آسکتے ہیں پتہ نہیں وہ آ کیوں نہیں جاتے؟"

"پتہ نہیں۔ میں اس قسم کی جنگ کے متعلق قطعی کچھ نہیں جانتا"

"شاید انہیں اپنی ٹرانسپورٹ کا انتظار ہوگا"

پیانی بولا "پتہ نہیں جی"

جب بھی پیانی اکیلا ہوتا ان کا انداز بڑا دھیما اور نرم ہوتا لیکن لوگوں کے سامنے اس کی گفتگو بڑی اکھڑی ہوئی اور گستاخانہ ہوتی تھی۔

"پیانی کیا تمہاری شادی ہوئی ہے؟"

"آپ جانتے تو ہیں کہ میں شادی شدہ ہوں"

"کیا یہی وجہ تھی کہ تم نے قیدی بننا پسند نہ کیا؟"

"ایک وجہ یہ بھی تھی — اور تے نینتے کیا آپ شادی ہیں؟"

"نہیں —"

"بونیلو بھی ابھی کنوارا ہے —"

"کسی آدمی کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ شادی شدہ ہے کہ تجرّد کی زندگی بسر کر رہا ہے لیکن میرا خیال ہے شادی شدہ مرد اپنی بیوی کے پاس پہنچنا ہی چاہتا ہوگا" میں نے کہا۔

میرا جی چاہتا تھا کہ بیویوں کی باتیں ہوتی رہیں۔

"جی ہاں"

"تمہارے پیروں کا کیا حال ہے؟"

"کافی تھک چکے ہیں"

دن چڑھنے سے پہلے ہم تالیا منتو کے پہلو میں تھے اور سیلاب زدہ دریا کے کنارے چلتے چلتے اس پل پر آ پہنچے تھے جہاں سے ساری آمدورفت جاری تھی۔

پیانی کہنے لگا "اس دریا پر تو ہمیں قابض رہنا چاہیئے۔"

اندھیرے میں چڑھا ہوا پانی بہت اونچا نظر آ رہا تھا دریا کا پاٹ بہت چوڑا تھا اور پانیوں میں گرداب پڑ رہے تھے۔ لکڑی کا پُل قریباً پون میل لمبا تھا اور وہی دریا جو کبھی چوڑی پتھریلی تلیٹی میں پتلی پتلی نہروں کی صورت میں بہا کرتا تھا اور جس سے پُل کہیں اُوپر تھا۔ آج پُل کے تختوں کے بہت قریب ہو کر بہہ رہا تھا۔ ہم کنارے کنارے سے چلتے رہے اور راستہ فراخ کر کے اس ہجوم میں جا ملے جو پُل عبور کر رہا تھا۔ بارش برسے جا رہی تھی اور ہماری رفتار سست تھی۔ سیلاب کا پانی ہم سے چند فٹ نیچے تھا۔ ہم لوگوں کے ہجوم میں پھنسے ہوئے تھے میرے عین سامنے گولہ بارود کا ایک صندوقچہ تھا لیکن ان سب باتوں نے

بے پروا ہو کر میں نے ایک طرف جھک کر دریا کو دیکھا چونکہ اب ہماری رفتار سست پڑ گئی تھی اور لوگوں کے باعث اپنی مرضی کے مطابق چلنا ممکن نہ رہا تھا اس لیئے یکلخت مجھے احساس ہوا کہ میں بہت تھک گیا ہوں۔ پل عبور کرنے میں رتی بھر بھی شگفتگی باقی نہ رہی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اس جگہ کا کیا حشر ہو اگر دن کے وقت اس پل پر کوئی ہوائی جہاز آ کر بم گرا جائے؟

"پیانی —" میں نے کہا۔

"میں یہاں ہوں"

وہ مجھ سے کچھ دور مجمع میں پھنسا ہوا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ ہر ایک کو پار ہونے کی جلدی تھی۔ اور سبھی اسی ایک چیز کے متعلق سوچ رہے تھے۔ کہ کسی طرح دوسری طرف پہنچ جائیں ہم تو قریبًا پہنچ چکے تھے۔ پل کے آخر میں کچھ افسر اور چند ایک سپاہی کھڑے ادھر ادھر ٹارچوں سے روشنی ڈال رہے تھے۔ خط فلکی کے سامنے مجھے ان کے خاکے نمایاں نظر آ رہے تھے۔ جونہی ہم ان کے قریب پہنچے میں نے ایک آفیسر کو فوج کے پرے میں ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے دیکھا۔ ایک سپاہی اس آدمی کے پیچھے گیا۔ اور اسے بازو سے پکڑ کر باہر لے آیا۔ پھر وہ اس آدمی کو سڑک سے پرے لے گیا ہم ان کے قریبًا بالمقابل پہنچ گئے۔ افسر مجمع کے ہر فرد کا جائزہ لے رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ آپس میں بھی بات کر لیتے تھے۔ پھر اچانک کبھی وہ کسی کے چہرے پر روشنی ڈال کر اپنی تسلی کر لیتے۔ جب ہم ان کے سامنے پہنچے وہ کسی کو ہجوم میں سے نکال رہے تھے۔ میں نے آدمی کو پہچانا۔ یہ کوئی لیفٹننٹ کرنل تھا۔ جب اس کے کندھے پر روشنی پڑی تو میں نے دیکھا کہ اس کے بازو پر ایک مربع میں ستارے نظر آئے یہ سفید بالوں والا ناٹے قد کا موٹا آدمی تھا۔ سپاہی نے اسے افسروں کی قطار کے پیچھے گھسیٹ لیا۔ جب ہم ان کے سامنے آ گئے تو ایک دو سپاہیوں نے میری طرف دیکھا۔ پھر ایک نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک سپاہی سے بات کی۔ میں نے سپاہی کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ پرے

کے کونے سے میری جانب آیا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ لمحہ بھر بعد وہ میرا کالر پکڑ کر کھڑا تھا۔

"تمہیں ہوا کیا ہے ؟" میں نے کہا اور پھر اس کے منہ پر گھونسہ مارا۔

خود تلے مجھے اس کا چہرہ نظر آیا۔ مونچھیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں اور خون گالوں پر بہہ رہا تھا۔

ایک اور سپاہی ہجوم میں غوطہ مار کر میری جانب بڑھا۔

"آخر بات کیا ہے۔ تمہیں ہوا کیا ہے" میں نے پوچھا۔

اس نے میری بات کا جواب نہ دیا۔

وہ مجھے پکڑنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔ میں نے اپنا پستول نکالنے کے لئے بازو پیچھے کیا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ تم کسی افسر کو ہاتھ نہیں لگا سکتے"

دوسرے سپاہی نے مجھے پیچھے کی طرف جھپٹ کر پکڑ لیا اور میرا بازو اس شدت سے کھینچا۔ کہ میری بانہہ مڑ گئی۔ میں اس کے ساتھ ہی مڑا تو دوسرے نے مجھے گردن سے پکڑ لیا۔

میں نے اس کی پنڈلی کی نلی میں پاؤں مارا اور اپنا بایاں گھٹنا اس کے چڈے پر رسید کیا۔

پھر میں نے کسی کو کہتے سنا: "اگر مزاحمت کرے تو گولی سے اڑا دو"

"اس کا مطلب ؟"

میں نے چلانا چاہا لیکن میری آواز نکل نہ سکی۔ وہ مجھے سڑک کے کنارے لے گئے۔

ایک افسر نے حکم دیا۔ "اگر ذرا سا بھی مقابلہ کرے تو فائر کر دو۔ اسے پیچھے لے چلو"

"تم کون ہو"

"ابھی پتہ چل جائے گا"

"اور تم کون ہو ؟"

"فوجی پولیس" ایک دوسرے افسر نے کہا۔

"بھلا آپ مجھی سے اس طرف ہو جانے کو کیوں نہیں کہہ دیتے۔ ان مردودوں کو کیوں حکم دیتے ہیں کہ مجھے گھسیٹ کر لے چلیں"

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر انہیں جواب دینے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ وہ محاذِ جنگ کی پولیس تھی۔

پہلے افسر نے کہا۔ "یہ پیچھے سے چلو دوسروں کے ساتھ۔ تم نے دیکھا۔ اس کی اطالوی کا لب و لہجہ غیر ملکی ہے۔"

میں بولا۔ "اور حرامزادو تمہارا لب و لہجہ بھی ایسا ہی ہے۔"

پہلا افسر نے حکم صادر فرمایا۔ "اسے بھی باقیوں کے ساتھ لے چلو۔"

وہ مجھے دریا کے کنارے ایک کھیت میں لے گئے۔ یہاں افسروں کی قطار کے پیچھے کچھ لوگ جمع تھے۔ جب ہم ادھر بڑھ رہے تھے دو چار بار گولی دغی۔ اور میں نے رائفل سے نکلنے والے شعلے دیکھے۔ پھر ہم اس گروپ میں پہنچ گئے۔ چار افسر اکٹھے کھڑے تھے۔ ان کے سامنے جو آدمی ایستادہ تھا۔ اس کے دائیں بائیں ایک ایک سپاہی چوکس کھڑا تھا۔ مشکوک آدمیوں کے گروہ پر بھی سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ ان کے علاوہ چار سپاہی اپنی قرابینوں کے سہارے افسروں کے قریب کھڑے تھے اور ان کے سروں پر چوڑی چوڑی ٹوپیاں تھیں پھر ان سپاہیوں میں وہ بھی شامل ہو گئے۔ جنہوں نے مجھے مشتبہ لوگوں کے گروہ سے کھینچا تھا۔ میں نے اس آدمی پر نظر ڈالی جسے افسر اشتباہ کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اور جس سے سوال و جواب کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ بھری سفید بالوں والا چھوٹے قد کا موٹا سا لیفٹیننٹ کرنل تھا۔ جسے سپاہی فوج کے پٹے میں سے پکڑ کر لائے تھے۔ معترض ہونے والے افسروں میں وہ تمام سرد مہری کٹھور پن اور خود اعتمادی تھی۔ جو ان اطالیوں میں نظر آتی تھی۔ جنہیں بندوق چلانے کا استحقاق تھا۔ اور جو جانتے تھے کہ پلٹ کر کوئی بھی انہیں نشانہ بنانے کی جرات نہیں کر سکتا۔

"اور تمہاری بریگیڈ؟"

اس نے اپنی بریگیڈ کا نام بتا دیا۔

"رجمنٹ" ؟

اس نے وضاحت کردی۔

"اور تم اپنی رجمنٹ کے ساتھ کیوں نہیں ہو۔"

اس نے اس عیز ذمہ داری کا جواز پیش کر دیا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ ایک افسر کو اپنی فوج کے ساتھ ہونا چاہیئے۔"

لیفٹیننٹ کرنل نے اثبات میں اعتراف کیا۔

یہ اعتراف کافی تھا۔

دوسرا افسر بولا: "یہ تم اور تمہارے جیسے بدبختوں کے باعث آج ہماری مقدس دھرتی پر وحشیوں نے قدم رکھا ہے۔"

"جی معاف کیجئے میں نے سنا نہیں"۔ لیفٹیننٹ کرنل بولا۔

"تم جیسے غداروں کی وجہ سے ہم نے فتح کا میٹھا پھل گنوا دیا ہے۔"

لیفٹیننٹ کرنل نے پوچھا: "کیا تم نے کبھی کسی مراجعت میں شرکت کی ہے ؟"

"اطالیہ کو کبھی بھی مراجعت نہ کرنا چاہیئے۔ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔"

بارش میں کھڑے ہم یہ گفتگو سنتے رہے۔ ہمارے چہرے افسروں کی طرف تھے اور قیدی ہم سے کچھ آگے ذرا ایک طرف کھڑا تھا۔

لیفٹیننٹ کرنل بولا: "اگر آپ کا ارادہ مجھے شوٹ کرنے کا ہی ہے تو ازراہ کرم زیادہ سوالات پوچھے بغیر ہی اپنا کام کر لیجیے! کیونکہ آپ کے سوالات انتہا کے احمقانہ ہیں۔"

اس نے اپنی چھاتی پر صلیب کا نشان بنایا۔ تمام افسر ایک ساتھ باتیں کرنے لگے۔ ایک افسر پیڈ نکال کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔ پھر لمحہ بھر بعد وہ بولا: "اپنی فوج سے دغا۔ گولی کا نشانہ بنایا جائے۔"

دو سپاہی آگے بڑھے اور لیفٹیننٹ کرنل کو دریا کے کنارے لے گئے۔ بارش برس ہی

تھی۔ اور وہ بوڑھا کرنل اپنی ٹوپی اتارے دو سپاہیوں میں گھرا چلا جا رہا تھا۔ میں نے انہیں لفٹیننٹ کرنل پھر گولی چلاتے تو نہیں دیکھا لیکن فائر کی آواز مجھ تک ضرور آتی۔ قریب ہی کسی اور افسر کی جواب دہی شروع ہو گئی۔ یہ افسر بھی اپنی پلٹن سے بچھڑ گیا تھا۔ لیکن اسے اپنی صفائی پیش کرنے کی مہلت ہی نہ دی گئی۔ جس وقت اسے موت کا حکم سنایا گیا تو وہ رو دیا۔ اور جب اسے سپاہی لے چلے تب بھی وہ رو رہا تھا۔ ادھر اسے گولی کا نشانہ بنایا گیا اور ادھر نئے سرے سے استفسارات شروع ہو گئے جس وقت پچھلے آدمی کو گولی لگتی اس وقت آفیسر اور بھی تندہی اور ریک جہتی سے نئے آدمی کی جانچ پڑتال شروع کر دیتے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں ان کے پاس سوائے اس کے اور چارہ بھی کیا رہ گیا تھا۔ میں متذبذب تھا اور مجھے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کروں۔ کیا مجھے جواب دہی کے لئے رکنا چاہیئے یا اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ چلنا چاہیئے۔ میں تو صریحاً ایک ایسا جرمن تھا جو اطالوی بھیس بدل کر ان لوگوں میں گھس آیا تھا۔ میں خوب جانتا تھا کہ ان کے ذہن کس طرح سوچتے ہیں۔ یعنی اگر ان کے پاس ذہن تھے۔ اور ان میں سوچنے کا مادہ موجود تھا تو! یہ تمام افسر نوجوان تھے اور یہ اپنے ملک کو بچانے کے درپے تھے۔ اس طرح تانیا منتو سے پرے دوسری فوج بھی زیر اصلاح تھی۔ میجر درا اس سے اونچے عہدے والے تمام افسر جو اپنی فوجوں سے بچھڑ گئے تھے۔ ان کو قانونی گرفت میں لے لیا گیا تھا۔ لگے ہاتھوں وہ ایسے جرمنوں سے بھی نپٹ رہے تھے۔ جو اطالوی وردیاں پہنے فوجوں میں ہلچل پھیلا رہے تھے۔ ان انصاف پسندوں کے سروں پر فولادی خود تھے۔

چند ایک سپاہیوں نے بھی فولادی کلاہ پہن رکھے تھے۔ لیکن باقی سپاہیوں کے سروں پر چوڑی ٹوپیاں تھیں۔ ہم انہیں ہوائی جہاز کہا کرتے تھے۔ بارش ہو رہی تھی۔ باری باری ایک مجرم بلا لیا جاتا۔ اور پھر اس سے سوالات پوچھے جاتے۔ اعتراف جرم کرایا جاتا اور پھر گولی کا نشانہ بننے کے لئے بھیج دیا جاتا۔ اس وقت تک وہ تمام مجرم جنہیں جوابدہی کے لئے بلایا گیا

تھا۔ موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے۔ استفسار کرنے والے افسروں کی لاتعلقی اور انصاف سے اتنی محبت اور لگن دیکھ کر مجھے وہ لوگ یاد آ گئے جو موت کا بیوپار تو کرتے ہوں لیکن، جنہیں خود موت کا کوئی خدشہ نہ ہو۔ پھر وہ ایک رجمنٹ کے کرنل سے سوال و جواب کرنے لگے۔ تین اور افسر ہمارے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔

• آپ کی رجمنٹ کہاں ہے ؟

میں نے سپاہی کی طرف دیکھا۔ وہ تازہ واردوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ باقی تمام کی نگاہیں کرنل پر جمی تھیں۔ موقع غنیمت جان کر میں نے غوطہ مار کر جھائی دی۔ پھر دو آدمیوں میں راہ بنا کر سر جھکائے میں دریا کی طرف بھاگا۔ عین کنارے پر پہنچ کر میرا پاؤں پھسلا اور میں چھینٹے اڑاتا غڑاپ پانی میں گرا۔ پانی نہایت ٹھنڈا تھا اور جتنی دیر تک ممکن ہوا میں پانی کے نیچے ہی رہا۔ مجھے ندی کے دھارے نے اتنے چکر دیے اور میں اتنی دیر تک نیچے رہا کہ مجھے احساس ہونے لگا کہ اب اوپر اٹھنا سرے سے ناممکن ہے۔ جونہی میں نے سر باہر نکالا میں نے ایک لمبا سانس لیا اور پھر پانی میں غائب ہو گیا۔ میرے کپڑے اور بوٹ مجھے پانی میں نیچے رکھنے کو کافی تھے۔ جب دوسری مرتبہ میں نے سر نکالا تو مجھ سے دور ایک چھوٹا سا شہتیر تیرتا چلا آ رہا تھا۔ میں بمشکل تمام اس تک پہنچا اور ایک ہاتھ سے اسے پکڑ لیا۔ میں نے اپنا سر اس شہتیر کے پیچھے چھپائے رکھا اور دوسری طرف دیکھنے کی بھی جرات نہ کی۔ میں کنارے کی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ جب میں لوگوں کے ہجوم میں سے بھاگا تھا تو اس وقت بھی اردگرد فائر ہوئے تھے اور جب پہلی بار میں نے پانی میں سے سر نکالا تھا اس وقت بھی گولیاں چلنے کی آواز آئی تھی۔ ادھر میں نے سر پانی سے باہر کیا ادھر بندوقیں چلیں لیکن اب کسی طرف سے بھی گولیاں چلنے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ شہتیر پانی کے دھارے میں جھولتا جا رہا تھا اور میں نے اسے ایک ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا۔ میں نے دریا کے کنارے پر نظر ڈالی مجھے یوں لگا جیسے کنارا بھاگا چلا آ رہا ہے۔ دریا میں اس شہتیر کے علاوہ اور بھی بہت سی لکڑی بہتی چلی جا رہی تھی۔ پانی بے حد ٹھنڈا تھا

راہ میں مجھے کسی جزیرہ کی گھنی جھاڑیاں پانی پر تیرتی ملیں۔ پھر میں نے دونوں ہاتھوں سے شہتیر پکڑ لیا اور اپنا جسم اس کے حوالے کر دیا۔

کنارہ اب نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

❖

۳۱

جب پانی کا دھارا تیزی سے چلتا ہو تو انسان کو یہ احساس ہی نہیں رہتا کہ وہ کتنی دیر سے پانی میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ وقت گذر جائے اور ہو سکتا ہے کہ یہ وقفہ بہت کم ہو لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسان ازل سے پانی میں بہہ رہا ہے۔ پانی یخ تھا اور سیلاب کا ریلا کناروں سے بہت سی چیزیں بہا کر لے آیا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے ایک بھاری شہتیر کا سہارا مل گیا ورنہ اس تیز دھارے میں میں ڈوب ہی جاتا۔ اس یخ پانی میں شہتیر پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے دونوں ہاتھوں سے شہتیر پکڑے میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ میری تمنا تھی کہ کسی طرح میں کنارے کی طرف جا نکلوں کیونکہ مجھے اپنے پٹھوں کے اکڑ جانے کا خدشہ لگا ہوا تھا۔ میرا شہتیر بڑی گولائی کاٹ کر نیچے کی طرف بہہ رہا تھا۔ دن کی روشنی پھیل رہی تھی اور دریا کے کنارے اُگی ہوئی جھاڑیاں نظر آنے لگی تھیں۔ سامنے جھاڑیوں سے اٹا ہوا ایک جزیرہ تھا اور پانی کا دھارا اسی کے کناروں کی جانب بہہ رہا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ جوتے اور کپڑے اتار کر کنارے کی طرف تیر چلوں پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ کپڑے اور جوتے جسم پر ہی ٹھیک ہیں۔ کیونکہ اگر میں ننگے پیر کنارے پر پہنچ گیا تو مجھے بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

میری نظروں کے سامنے ساحل بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ جھول کر پرے ہو گیا اور تھوڑی

دیر بعد پھر قریب آنے لگا۔ اب ہم آہستہ آہستہ تیر رہے تھے۔ اور ساحل بالکل قریب آ لگا تھا۔ بید کے درخت کی ٹہنیاں صاف نظر آرہی تھیں۔ پھر شہتیر آہستہ آہستہ گھومنے لگا۔ اور کنارہ میری پیٹھ کی جانب ہوگیا۔ میں خوب جانتا تھا کہ میں گرداب میں پھنس گیا ہوں۔ ہم آہستہ آہستہ چکر لگا رہے تھے پھر تھوڑی دیر بعد کنارہ بالکل قریب آگیا اور صاف دکھائی دینے لگا۔ میں نے ایک ہاتھ کی گرفت شہتیر پر رہنے دی اور دوسرے ہاتھ سے تیرتا، ٹانگیں چلاتا شہتیر کو کنارے کی طرف گھسیٹنے لگا۔ لیکن میری تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور شہتیر ذرا بھی کنارے کی طرف نہ بڑھا۔ مجھے یہی فکر تھی کہ اگر ہم گرداب میں بہہ کر کہیں کے کہیں نکل گئے تو ساحل پر پہنچنا قطعی ناممکن ہو جائے گا۔ میں نے اپنے پیر اٹھا کر شہتیر کے ساتھ لگائے اور زور سے دھکا لگا کر کنارے کی طرف بڑھا۔ جھاڑیاں میری نظروں کے سامنے تھیں۔ تیرنے کی تمام کوششیں کرنے کے بعد بھی میں نے محسوس کیا کہ پانی کا دھارا مجھے بہائے لئے جاتا ہے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ کہیں بوٹوں کے باعث میں ڈوب ہی نہ جاؤں لیکن جوتوں کے بوجھ سمیت بڑی دیوانگی کے ساتھ میں تیرتا رہا اور ٹانگوں سے پانی کوٹتا ہوا آگے نکل گیا۔ بالآخر میرے ہاتھ میں بید کی ایک ٹہنی آگئی لیکن مجھ میں اتنی سکت نہ تھی کہ اپنے آپ کو پانی میں سے گھسیٹ لیتا۔ ہاں یہ خیال خاصا سکون پرور تھا کہ اب میں ڈوب نہیں سکتا۔ شہتیر کے ساتھ چمٹے ہوئے مجھے ایک بار بھی یہ محسوس نہ ہوا تھا کہ میں ڈوب بھی سکتا ہوں۔ کنارے پر پہنچنے کی اس کوشش نے اس قدر تھکا دیا تھا کہ میرا پیٹ اور چھاتی کھوکھلی ہوگئی تھی اور میری طبیعت مالش کرنے لگی تھی۔ لیکن میں ڈالیوں کو ہاتھ میں پکڑ کر منتظر تھا۔ جب جی ذرا سا بحال ہوا تو میں نے ان ٹہنیوں کو اپنی طرف کھینچا۔ میری بازوؤں میں کوئی جھاڑی بھری ہوئی تھی لیکن میں ڈالیوں سے چمٹا ہوا آرام کر رہا تھا۔ پھر جب مجھ میں تھوڑی سی طاقت آگئی تو میں پیٹ کے بل رینگ رینگ کر گھستا ہوا بید کی جھاڑیوں میں سے ہو کر کنارے پر پہنچا۔ دن کی روشنی مدھم تھی مجھے ساحل پہ کوئی بھی نظر نہ آیا۔ میں ساحل پر چت لیٹ گیا۔ مجھے دریا کے چڑھتے ہوئے پانی کا شور اور بارش

کی ٹپاٹپ سنائی دے رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں اٹھ کر کنارے کنارے چلنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ اس دریا پر دور تک کوئی پل نہ تھا۔ اس وقت میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ کچھ ہی آگے ایک گندی سی نالی بہہ کر دریا میں مل رہی تھی۔ میں بھی اس طرف بڑھ گیا۔ اب تک مجھے ارد گرد کوئی بھی نظر نہ آیا تھا۔ گندے نالے کے کنارے جھاڑیوں کے قریب بیٹھ کر میں نے اپنے جوتے اتارے اور ان میں بھرا ہوا پانی نکالا۔ پھر میں نے کوٹ اتارا اور جیب میں سے اپنا چمڑے کا بٹوہ نکالا۔ میرے نوٹ اور مزدوری کا غذات سب بھیگ چکے تھے۔ پھر میں نے اپنا کوٹ اچھی طرح نچوڑا۔ باری باری اپنی پتلون، قمیص اور اندر کے کپڑے بھی نکال کر نچوڑ ڈالے اپنے سارے جسم کو میں نے اچھی طرح سے رگڑا اور جا بجا سے ہاتھوں سے پیٹ ڈالا تاکہ لہو کی گردش ٹھیک ہو۔ اس سفر میں میری ٹوپی کہیں کھو گئی تھی۔

دوبارہ کوٹ پہننے سے پہلے میں نے اپنے بازو پر سے نفٹیٹی کے پھول اتار لیئے۔ ان پھولوں کو میں نے پیسوں کے ساتھ بٹوے کی اندرونی جیب میں ڈال دیا۔ نوٹ بھیگ تو گئے تھے۔ لیکن ان کی شکل وصورت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ میں نے پیسے گنے تو کل تین ہزار کچھ لیرے نکلے۔ میرے کپڑے نہایت لجلجے ہو رہے تھے۔ ایک بار پھر میں نے لہو کی گردش برقرار رکھنے کے لئے اپنے بازوؤں کو پیٹا۔ میں نے اندرونی گرم کپڑے پہن رکھے تھے اور ویسے بھی میرا خیال تھا کہ اگر میں چلتا رہا تو مجھے سردی لگنے کا کوئی خدشہ نہ ہوگا۔ سڑک پر ہی انہوں نے میری پستول چھین لی تھی۔ اب میں نے پستول دان کوٹ کے اندر ڈال دیا۔ بارش برس رہی تھی اور مجھ پر کوئی لمبا کوٹ نہ تھا۔ اسی لئے مجھے بڑی سردی لگ رہی تھی۔ میں نہر کے کنارے اوپر کی طرف چل دیا۔ دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ سارا نشیبی علاقہ بھیگا اور نہایت سنسان تھا۔ کھیت سیلے تھے۔ اس میدانی علاقے میں بہت دور ایک گھنڈ گھر نظر آ رہا تھا۔ چلتا ہوا میں ایک سڑک پر پہنچ گیا۔ سامنے سے کچھ فوجیں بڑھتی

چلی آ رہی تھیں۔ میں لنگڑاتا ہوا سڑک کے کنارے چلتا رہا۔ پلٹن میرے پاس سے گذر گئی اور انہوں نے میری کوئی پرواہ نہ کی۔ مشین گنوں کا یہ رسالہ دریا کی طرف جا رہا تھا۔ میں سڑک کی اترائی پر چلتا رہا۔

وہ سارا دن میں نے مسافت طے کرنے میں گذارا۔ یہ علاقہ نشیب میں واقع ہے اور اس دن بارش کے باعث یہ کچھ اور بھی زیادہ چپٹا نظر آ رہا تھا۔ سمندر کی طرف جا بجا نمکین دلدلیں موجود ہیں اور سڑکوں کا فقدان ہے۔ تمام سڑکیں دریا کے ساتھ ساتھ سمندر کی طرف جاتی ہیں اور اگر آپ اس علاقے کو پار کرنا چاہیں تو پھر آپ کو وہ راستے اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ جو نہروں کے قریب ہوتے ہیں۔ راہ میں میں نے کئی سڑکیں اور ریلوے کی پٹڑیاں عبور کی تھیں اور بالآخر جب میں ایک راہ سے ہو کر ریل کی پٹڑی پر چڑھا۔ تو دوسری جانب دلدل تھی۔ یہ پٹڑی وینس سے ترلیستے کو جاتی تھی۔ اس کا مضبوط بند بہت اونچا تھا اور ساتھ ہی پختہ سڑک موجود تھی۔ ایک راستہ کے آخر میں ایک چھوٹا سا سٹیشن تھا اور مجھے سپاہی پہرہ دیتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں بند پر لیٹ گیا اور سپاہیوں کو دیکھنے لگا یہاں سے میں پٹڑی کے دونوں طرف کا جائزہ لے سکتا تھا۔ پل پر مقررہ سپاہی مجھ سے تھوڑی دور تک آ کر واپس پل کی طرف پلٹ جاتے تھے۔ میں لیٹا ہوا ٹرین کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ جو ریل میں نے دیکھی تھی۔ اتنی لمبی تھی کہ انجن بمشکل تمام اسے آہستہ آہستہ گھسیٹ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ میں گاڑی پر چڑھ سکوں گا۔ وہاں لیٹے لیٹے میں نے اتنی دیر ریل کی تمنا کی تھی کہ بالآخر مجھے امید ہی نہ رہی تھی کہ ایسی کوئی چیز اس پٹڑی پر آ بھی سکتی ہے۔ سیدھا بڑھتا ہوا انجن لحظہ بہ لحظہ بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے پل پر پھرنے والے سپاہی کی طرف دیکھا۔ وہ پل کے اس جانب پٹڑی کے دوسری طرف چکر لگا رہا تھا۔ یعنی ٹرین کے گذرنے کے وقت اس کے سامنے ہونے کا امکان نہ تھا۔ میں انجن کو قریب بڑھتے ہوئے دیکھنے لگا۔ بڑی مشقت اور ہمت سے

وہ بڑھا چلا آرہا تھا۔ پیچھے بہت پیارے ڈبے تھے۔ میں جانتا تھا کہ ٹرین پر کچھ محافظ بھی سوار ہوں گے اور میں نے یہ بھی دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ کن ڈبوں میں سوار ہیں لیکن چونکہ میں خود نظروں سے اوجھل رہنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں اچھی طرح سے دیکھ نہ سکا۔ جہاں میں لیٹا ہوا تھا۔ وہاں سے چند گزوں کے فاصلے پر انجن تھا۔ جب وہ میرے مقابل آپہنچا۔ تو میں نے دیکھا کہ ہموار زمین پر دھواں پھیلا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنا بوجھ گھسیٹ رہا ہے پھر میں نے انجینئر کو آگے بڑھتے دیکھا۔ جب انجن بڑھ گیا تو میں اٹھ کر ڈبوں کے بالکل قریب ہو گیا۔ اگر محافظ سپاہی دیکھ رہے تھے۔ تو پٹڑی کے بالکل قریب کھڑا ہونا زیادہ مفید تھا۔ کیونکہ اس طرح مجھ پر نسبتاً کم شبہ ہوتا۔ بہت سی مال گاڑیاں گزرتی گئیں۔ پھر ایک نیچا کھلا ڈبہ سامنے آیا۔ اسے اس دیس میں گنڈولہ کہتے ہیں۔ اس ڈبے پر کینوس چڑھی ہوئی تھی۔ یہ ڈبہ قریب قریب گزر چلا تھا۔ میں کھڑا رہا اور پھر میں نے چھلانگ لگا دی۔ اور گاڑی کے ہینڈل کھٹکے پکڑ کر اوپر چڑھ گیا۔ میرا خیال ہے کہ کسی نے بھی مجھے گاڑی پر چڑھتے نہ دیکھا تھا۔ ہتھی میرے ہاتھوں میں تھی۔ اور دو ڈبوں کو جوڑنے والے کنڈے پر پیر دھرے دبکا کھڑا تھا کہ ہم پل تک پہنچ چکے تھے۔ مجھے پل والے پہرہ دار کا بڑا خدشہ تھا۔ جب ہم اس کے سامنے سے گزرے تو اس نے میری طرف دیکھا۔ سپاہی نوعمر لڑکا تھا۔ اور اس کا آہنی خود اس کے سر کے لئے بہت بڑا تھا۔ میں نے پُر حقارت نظروں سے اسے گھورا تو اس نے نظریں پھیر لیں۔ شاید اس کا خیال تھا کہ اس ٹرین کے ساتھ میرا کسی قسم کا تعلق تھا۔

پھر ہم پل پر سے گزر گئے۔ ابھی تک وہ پریشان خاطر باقی ڈبوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے رک کر کینوس کا جائزہ لیا۔ کینوس میں رسّی کے حلقے بنے تھے اور کنارہ موٹی ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ میں نے اپنی چھُری نکالی، ڈوری کاٹی اور اپنا بازو اندر ڈال دیا بارش کے باعث سامان جا بجا سے ابھر آیا تھا اور یہ ابھار بڑا سخت تھا۔ میں نے سر اٹھا کر آگے کی طرف دیکھا۔ اگلی مال گاڑی پر ایک سپاہی مقرر تھا۔ لیکن شکر ہے کہ وہ آگے

کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے تھی چھوڑی اور تیزی سے سر جھکا کر کینوس کے اندر ہو گیا۔ میرا سر بڑی شدت سے کسی چیز سے ٹکرایا اور مجھے محسوس ہوا جیسے لہو میرے چہرے پر بہہ نکلا ہو لیکن میں گھٹنوں کے بل آگے بڑھتا گیا اور پھر لیٹ کر میں نے کینوس میں گرہ لگادی۔

میں کینوس کے اندر توپوں کے ساتھ پڑا تھا۔ ان میں سے تیل اور گریس کی بڑی خنکی خوشبو آرہی تھی۔ اوپر کینوس پر بوندیں پڑ رہی تھی اور نیچے ڈبہ پٹڑیوں پر گھسٹتا چلا جارہا تھا۔ میں خاموشی سے یہ شور سنتا رہا۔ تھوڑی سی روشنی کہیں سے اندر جھانک رہی تھی۔ میں نے اس روشنی میں توپوں کو دیکھا۔ سب پر کینوس کے بھیلے چڑھے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے وہ تھرڈ آرمی نے بھیجی تھیں۔

میرے ماتھے کا گومڑا اب سوج کر بڑا ہو گیا تھا۔ اور میں بڑی خاموشی سے بے حس و حرکت پڑا تھا تاکہ لہو تھم کر جم جائے۔ جب لہو رک کر سخت ہو گیا تو میں نے زخم کے علاوہ سارا لہو اتار لیا۔ چوٹ معمولی تھی اور چونکہ میرے پاس کوئی رومال نہ تھا۔ اس لئے میں نے ماتھے کو انگلیوں سے محسوس کیا پھر کینوس سے قطرہ قطرہ ٹپکنے والے پانی سے لہو دھو ڈالا اور پھر بانہہ سے چہرہ پونچھ کر صفائی کر لی۔ میں کسی طرح بھی مرکز توجہ بننا نہ چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ سٹیشن سے پہلے ہی مجھے اترنا ہوگا۔ کیونکہ ان توپوں کی حفاظت پر کچھ سپاہی ضرور مقرر ہوں گے۔ اطالوی لوگوں کے پاس وافر توپیں نہ تھیں اور وہ انہیں کسی قیمت پر بھی بھول نہ سکتے تھے۔

اور وہاں سیٹے لیٹے مجھے بھوک نے اس قدر ستایا کہ میں بے حال ہو گیا۔

۳۲

تولیوں کے ساتھ ڈبّے کے فرش پر لیٹے ہوئے مجھے بھوک ستانے لگی۔ میرا سارا جسم بھیگا ہوا تھا اور مجھے بڑی سردی لگ رہی تھی۔ بالآخر میں نے کروٹ لگائی اور پیٹ کے بل لیٹ کر اپنا سر بازوؤں پر رکھ لیا۔ میرا گھٹنا اکڑا ہوا تھا۔ لیکن مجھے اس نے ذرہ بھر کوئی تکلیف نہ دی تھی۔ والنیتی نے بڑا اچھا کام کیا تھا۔ پسپائی کا آدھا سفر میں نے پیدل طے کیا تھا۔ اور اسی گھٹنے کی مدد سے میں نے دریا کا بیشتر حصہ تیر کر پار کیا تھا۔ یہ گھٹنا دراصل والنیتی کا تھا اور دوسرا گھٹنا میری ملکیت تھی۔ ڈاکٹر آپ کے جسم میں کچھ ایسی ترمیم و تنسیخ کر دیتے ہیں کہ آپ کا جسم آپ کا جسم نہیں رہتا۔ میرا سر میرا تھا۔ پیٹ مجھے اپنا محسوس ہوتا تھا۔ اور پیٹ کے اندر مارے بھوک کے چوہے دوڑ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ابھی میرا معدہ الٹ جائے گا۔ میرا اپنا سر اس وقت بے مصرف تھا۔ اس کے ساتھ میں کچھ بھی سوچ نہ سکتا تھا۔ یہ تو بس یادیں دہرانے کے لئے رہ گیا تھا۔ اور یادیں بھی ایسی تھیں جنہیں دہراتے ہوئے میں ڈرتا تھا۔

مجھے کیتھرائن یاد تھی لیکن میں جانتا تھا کہ ایسی صورت میں جب اس سے ملنا یقینی نہ تھا۔ اگر میں نے اس کے متعلق سوچا تو میں یقیناً پاگل ہو جاؤں گا۔ صرف میں اس کے متعلق تھوڑا سا سوچنا چاہتا تھا۔ ہلکا ہلکا...... اور وہ اس طرح کہ ڈبہ آہستہ آہستہ کلِک کلِک کرتا چلا جا رہا ہے اور کینوس کی جھری میں سے تھوڑی سی روشنی آ رہی ہے۔ اور کیتھرائن ڈبّے کے فرش پر میرے ساتھ لیٹی ہے۔

ڈبّے کے سخت فرش پر لیٹے لیٹے سوچ کی دنیا نے دور عرصہ کی علیحدگی کا خیال

گیلے۔ کپڑوں کا ٹھنڈا لمس، فرش کا ہر بار تھوڑا تھوڑا ہلنا، اور دل میں ویرانیوں کا ڈیرا۔ تنہائی گیلے کپڑے اور سخت فرش پہ بیوی کا ساتھ!

کوئی بھی چپٹے ڈبے کے سخت فرش سے محبت نہیں کرتا۔ کوئی بھی کینوس میں مڑی ہوئی توپوں سے پیار نہیں کرتا۔ کسی کو بھی گریس میں لتھڑی ہوئی دھات کی خوشبو سے الفت نہیں ہوتی۔ ایسی کینوس جس میں سے بوندیں ٹپکتی ہوں۔ ایسی کینوس سے کیسے عشق ہو سکتا تھا۔ گو کینوس تلے، توپوں کی معیت میں وقت بڑا خوشگوار گذرتا ہے لیکن محبت تو اس سے ہوتی ہے۔ جس کے قرب کے متعلق اپنے آپ کو دھوکا بھی نہیں دیا جا سکتا۔ ساری چیزیں بڑی سردمہری اور صفائی سے نظر آتی ہیں۔ اتنی صفائی سے بھی نہیں لیکن بے حد سردمہری اور کھوکھلے پن سے آپ اردگرد کی چیزوں کو گھورتے چلے جاتے ہیں۔ کسی چیز کا کوئی مفہوم نہیں ہر ایک چیز میں کھوکھلا پن ہے۔ پیٹ کے بل لیٹے ہوئے ——— چلے جاتے ہیں۔ ایک فوج مراجعت کر رہی ہے۔ اور دوسری چڑھی چلی جاتی ہے۔ اور آپ وہاں موجود ہیں۔ اس لئے کہ آپ کہیں اور جا ہی نہیں سکتے۔ آپ کی کاریں کھو چکی ہیں۔ آپ کے جوان بچھڑ چکے ہیں۔ بالکل جس طرح کوئی اپنے کمرے کے فرش پہ بیٹھا ہو اور سارا فلیٹ آگ کے شعلوں میں گھرا ہوا ہو۔

لیکن اب تو تم ان حالات سے نکل چکے ہو۔ میں نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ اب تو تم پہ کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی!

میری ذمہ داریوں کے ساتھ ہی میرا تمام غصہ بھی دریا میں بہہ گیا تھا۔ ذمہ داری کا جنازہ تو اسی وقت نکل گیا تھا۔ جب سپاہی نے مجھے کالر سے پکڑ کر گھسیٹا تھا۔ مجھے ظاہری ملبوسات کا کچھ ایسا خیال نہ رہتا تھا لیکن میرا جی چاہتا تھا۔ کہ کاش میں وردی اتار سکتا۔ میں نے بازو پر سے ستارے تو اتار ڈالے تھے لیکن ستارے تو محض سہولت کی خاطر تھے اس میں کسی قسم کے احترام و عزت کو دخل نہ تھا۔ میں تو ان کے خلاف ہو چکا تھا۔ میں

اپنا فیصلہ چکا آیا تھا۔ میری دعائیں ان کے ساتھ تھیں لیکن میں ان کے ساتھ نہ تھا۔ اچھے لوگ، بہادر لوگ، سنجیدہ اور سمجھدار لوگ ہی اس رویے کے قابل تھے۔ لیکن میں اس کاروبار سے ہاتھ دھو چکا تھا۔ میں تو بس یہی تمنا کرتا تھا۔ کہ یہ بدبخت ٹرین کہیں ماترے پہنچے اور میں اتر کر کھانا کھاؤں اور اس سوچ کے چکر میں سے نکلوں۔ مجھے اس سوچ سے پیچھا چھڑانا ہی ہوگا۔

پیانی سب کو بتا دے گا۔ کہ جنگی پولیس نے مجھے گولی کا نشانہ بنا دیا جن لوگوں کو وہ موت کے گھاٹ اتارتے تھے۔ ان کی جیبوں کی کسٹوڈی لے کر وہ سب کاغذات نکال لیتے تھے۔ لیکن ان کے پاس میرے کاغذات نہ نکلیں گے۔ شاید وہ یہ ظاہر کریں کہ میں دریا میں ڈوب گیا۔ میں سوچنے لگا۔ کہ خدا جانے امریکہ میں میرے متعلق کیا خبر پہنچے گی۔ زخموں کے باعث مر گیا یا کچھ اور وجوہات موت کا باعث بنیں۔ اُف مجھے کس قدر بھوک لگی تھی۔ پھر یہ سوچنے لگا کہ خدا جانے میس میں پادری پر کیا بیتی ہوگی... اور رینالڈی؟ شاید رینالڈی پاردونے میں ہو۔ یا شاید وہ اور بھی پیچھے کہیں جا چکے ہوں۔ لیکن اب تو میں رینالڈی کو کبھی نہ دیکھ سکوں گا۔ ان میں سے کسی سے بھی ملنا ممکن نہ تھا۔ وہ زندگی ختم ہو چکی تھی۔ میرا خیال تھا — رینالڈی آتشک کے مرض میں مبتلا نہ تھا۔ اور لوگوں کا تو کہنا تھا کہ اگر بروقت اس مرض کی روک تھام کر لی جائے تو یہ بیماری ایسی خطرناک بھی نہیں ہوتی لیکن رینالڈی تو فکر کرتا ہی ہوگا۔ اگر میں اس مرض کا شکار ہو جاتا تو میں بھی فکر کرتا۔ سبھی فکر کرتے۔ ہر ایک فکر مند ہوتا ہے۔

لیکن میں سوچنے کے لئے نہ بنا تھا۔ مجھے تو اس لئے بنایا گیا تھا۔ کہ میں کچھ کھاتا۔ یا خدا.... سچ کہتا ہوں تو نے مجھے اس لئے بنایا تھا۔ کہ میں کھاتا، پیتا اور کیتھرائن کے ساتھ سوتا شاید آج ہی رات میری یہ تمنا پوری ہو جائے۔ نہیں نہیں یہ ناممکن ہے۔ شاید کل رات — پھر اچھا کھانا ملے گا۔ میرے اوپر نیچے چادریں ہوں گی۔ اور ہم دونوں کبھی نہ بچھڑیں گے۔ کبھی علیحدہ علیحدہ سفر نہ کریں گے۔ ہمیشہ ہر جگہ اکٹھے جائیں گے۔ شاید ہمیں بدبختی،

ایک دوسرے سے جدا کرا دے۔ لیکن وہ تو ٹھہرنے والی نہیں۔ میں جانتا ہوں وہ ضرور ساتھ دے گی۔ بھلا ہم کب جائیں گے۔؟

ہاں یہ سوچنے والی بات تھی۔

اندھیرا پھیل رہا تھا۔

میں لیٹ کر سوچنے لگا کہ بھلا ہم کہاں جائیں گے۔ بہت ساری جگہیں میرے ذہن میں گھومنے لگیں۔

؎

چوتھی کتاب

۳۳

صبح سویرے روشنی ہونے سے پہلے جب گاڑی آہستہ آہستہ میلان کے سٹیشن میں داخل ہوئی تو میں گاڑی سے اتر پڑا۔ پٹڑی سے گذر کر میں کچھ عمارتوں میں سے ہو کر ایک سڑک پر پہنچ گیا۔ ایک شراب خانہ کھلا تھا۔ میں کافی پینے کے لئے اندر چلا گیا۔

اندر صبح کی خوشبو، جھاڑ پھری دھول، گلاسوں میں باسی کافی کی باس اور باسی شراب کے گیلے کٹوروں کے نشانوں کی مہک بسی ہوئی تھی۔ شراب خانے کا مالک بار کے پیچھے کھڑا تھا دو سپاہی ایک میز پر بیٹھے تھے۔ میں نے بار کے سامنے کھڑے ہو کر ایک گلاس کافی کا پڑھایا اور ڈبل روٹی کا ٹکڑا کھانے لگا۔ کافی دودھ کے باعث خاکستری ہو رہی تھی۔ میں نے روٹی کے ٹکڑے سے دودھ کی پپڑی اتاری۔ مالک نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ کو برانڈی کا گلاس چاہیئے؟"

"جی نہیں شکریہ۔"

"میں قیمت ادا کروں گا جی" وہ بولا پھر اس نے ایک گلاس میں برانڈی انڈیلی اور میری طرف گلاس دھکیلتے ہوئے پوچھا۔ "فرنٹ کا کیا حال ہے؟"

"مجھے کیا معلوم!"

وہ دونوں سپاہیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا "بالکل آؤٹ ہو چکے ہیں۔ پی پی کر۔"

وہ دونوں واقعی مدہوش ہو گئے تھے۔

اس نے پھر پوچھا۔ "بتاؤ نا۔ محاذ جنگ کا کیا حال ہے۔؟

"میں محاذ جنگ کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں بھلا؟"

"میں نے تمہیں دیوار سے اترتے دیکھا تھا۔ تم ٹرین سے اتر کر آ رہے ہو نا۔"

"بڑے پیمانے پر پسپا فوجیں مراجعت کر رہی ہیں۔"

"یہ تو میں اخباروں میں پڑھ چکا ہوں۔ اب ہو گا کیا مراجعت ختم ہو گئی؟"

"میں تو سمجھتا ہوں کہ ابھی نہیں۔"

اس نے چھوٹی سی بوتل سے برانڈی گلاس میں بھر دی اور کہنے لگا: اگر تم کسی مشکل میں پھنسے ہوئے ہو تو میں تمہیں یہاں اپنے پاس رکھ سکتا ہوں۔"

"کیسی مشکل؟ — میں کسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوں۔"

"واقعی اگر تمہیں مشکل آن پڑی ہے تو یہاں میرے پاس ٹھہر جاؤ۔"

"اور انسان یہاں کہاں ٹھہر سکتا ہے بھلا؟"

"عمارت میں اور کہاں؟ پہلے ہی یہاں بہت سے فوجی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جو بھی مشکل ہوتا ہے۔ یہاں آ ٹھہرتا ہے۔"

"تو کیا بہت سارے فوجی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں؟"

"یہ تو مصیبت کی نوعیت پر منحصر ہے۔ تم جنوبی امریکہ کے باشندے ہو نا؟"

"نہیں تو۔"

"ہسپانوی بول لیتے ہو کیا؟"

"زیادہ نہیں۔ صرف تھوڑی سی جانتا ہوں۔"

وہ بار کا تختہ پونچھنے لگا۔

"یہ ملک چھوڑ کر جانا اب بہت مشکل ہو گیا ہے لیکن ناممکن بھی نہیں ہے۔"

"لیکن یہ ملک چھوڑنے کی مجھے کوئی خواہش بھی نہیں ہے۔"

"جتنی دیر چاہو رہو۔ تم خود ہی دیکھ لوگے۔ کہ میں کیسا آدمی ہوں:"

"آج صبح تو مجھے جانا ہے لیکن میں ایڈریس یاد رکھوں گا۔ اگر واپس آنے کی ضرورت پڑی تو ضرور آؤں گا۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ تم نہیں آرہے میں یہ سمجھتا تھا کہ تم واقعی کسی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہو۔"

"مصیبت کیسی؟ میں تو کسی مشکل میں پھنسا ہوا نہیں ہوں لیکن ایک دوست کے پتہ کی قدر و قیمت خوب جانتا ہوں۔"

میں نے کافی کی قیمت ادا کرنے کے لئے دس لیرے کا ایک نوٹ بار پر رکھ دیا۔

"اب ایک گلاس میرے ساتھ پیئو۔" میں نے اسے مدعو کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دعوت بالکل غیر ضروری ہے۔"

"پیئو نا ایک گلاس۔"

اس نے دونوں گلاسوں میں برانڈی ڈال دی اور کہنے لگا۔ "یاد رکھنا اور یہیں آنا۔ کسی اور کے پاس نہ ٹھہر جانا۔ یہاں تم بالکل ٹھیک ٹھاک رہوگے۔ ہاں۔"

"اچھا۔"

"واقعی۔"

"بہت خوب۔"

وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"ایک بات سنو۔ اس کوٹ کو پہن کر مت پھرو۔"

"کیوں؟"

"بانہہ کی طرف دیکھو۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ کہاں سے ستارے کاٹ کر علیحدہ کئے گئے ہیں۔ نیچے کے کپڑے کا رنگ مختلف ہے۔"

میں خاموش رہا۔

"اگر تمہارے پاس متعلقہ کاغذات نہیں ہیں تو میں تمہیں کاغذات دے سکتا ہوں"۔

"کیسے کاغذات؟"

"چھٹی سے متعلق مزدوری پروانہ"۔

"مجھے کاغذات کی کیا ضرورت ہے۔ میرے شناختی کاغذات ساتھ ہیں"۔

"وہ بولا" بہت خوب لیکن اگر تمہیں ایسے کسی تمسک کی ضرورت پڑی تو جو چاہو گے حاضر کروں گا"۔

"اور ان کاغذات کی قیمت کیا ہوگی بھلا؟"

"یہ تو ان کی نوعیت پر منحصر ہے لیکن قیمت نہایت معقول ہوگی"۔

فی الحال تو مجھے ایسی کوئی ضرورت درپیش نہیں۔

اس نے لاتعلقی سے اپنے کندھے جھٹکے۔

میں نے کہا" ابھی تو میں ٹھیک ٹھاک ہوں"۔

جب میں باہر آگیا تو وہ بولا" یہ نہ بھولنا کہ میں تمہارا دوست ہوں"۔

"نہیں"۔

وہ کہنے لگا" اچھا پھر ملیں گے"۔

"بہت خوب" میں نے جواب دیا۔

باہر نکل کر میں نے یہی کوشش کی کہ سٹیشن سے دور رہوں کیونکہ وہاں ملٹری پولیس کا زیادہ خدشہ تھا۔ پھر میں نے قریبی چھوٹے پارک کے کونے سے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور کو ہسپتال کا پتہ دے کر اندر بیٹھ گیا۔ ہسپتال پہنچ کر میں سیدھا چپراسی کے گھر پہنچا۔ اس کی بیوی مجھے دیکھتے ہی بغلگیر ہو گئی اور چپراسی نے مجھ سے ہاتھ ملا کر پوچھا۔

"آپ واپس آ گئے ہیں .... صحیح سلامت پہنچ گئے ہیں نا؟"

" ہاں "۔
" آپ نے ناشتہ کر لیا ہے "۔
" جی ہاں "۔
" آپ کا کیا حال ہے؟ بتائیے نا کیا حال ہے "۔ چپراسی کی بیوی نے پوچھا۔
" بالکل ٹھیک ہے "۔
" آپ ہمارے ساتھ ناشتہ نہ کریں گے؟ "
" نہیں بھئی میں ناشتہ کر آیا ہوں۔ شکریہ۔ اچھا یہ بتاؤ مس بارکلے اس وقت ہسپتال میں ہیں؟ "
" مس بارکلے؟ ۔۔۔ کونسی مس بارکلے "۔
" بھئی وہ انگریز نرس "۔
اس کی بیوی نے کہا: " ان کی دوست اور کون "۔
پھر وہ میرا کندھا تھپتھپاتے ہوئے مسکرانے لگی۔
چپراسی نے جواب دیا۔ " جی نہیں وہ تو جا چکی ہیں "۔
میرا دل ڈوب گیا۔
" تمہیں پورا یقین ہے ۔ میرا مطلب ہے وہ لمبی سی سنہری بالوں والی انگریز خاتون "۔
" جی ہاں ۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں وہ سٹریسا جا چکی ہیں "۔
" اور وہ کب گئی تھیں؟ "
" جی یہی کوئی دو دن ہوئے وہ دوسری انگریز خاتون تھیں نا وہ ان کے ساتھ گئی تھیں "۔
میں نے کہا: " بہت اچھا۔ میرے لئے ایک کام کر دو لیکن کسی کو یہ نہ بتانا کہ تم نے مجھے دیکھا ہے ۔ سمجھے ۔ یہ نہایت ضروری کام ہے "۔

چپراسی بولا — جی نہیں میں کسی کو کیوں بتانے لگا بھلا"

میں نے اسے دس لیرے کا نوٹ دینا چاہا۔ تو اس نے اسے پرے کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں مجھے پیسے نہیں چاہئیں ——————————————————

—— وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو نہ بتاؤں گا"

بیوی نے پوچھا۔ سینور تا بینتے، ہم آپ کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟"

"یہی جو کچھ میں نے کہا ہے"

چپراسی بولا "اس معاملے میں ہمیں گونگے سمجھئے۔ اگر پھر آپ کو میری ضرورت پڑے تو بلا تکلف بتا دیجئے گا"

میں نے کہا" میں ضرور بتادوں گا۔ اچھا خدا حافظ میں پھر تم سے ملوں گا"

وہ دروازے میں کھڑے میری طرف دیکھتے رہے۔

میں نے ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو سائمنز کا پتہ دے دیا۔ سائمنز یہاں موسیقی سیکھنے کے لئے مقیم تھا۔ اور میں اسے بہت پہلے سے جانتا تھا۔

وہ مجھے دیکھتے ہی بولا" بڑی صبح جاگ اٹھتے ہو"

"میں صبح کی ٹرین سے آیا ہوں۔ اس لئے"

"یہ مراجعت کا کیا مسئلہ ہے۔ تم محاذِ جنگ پر تھے نا۔ اچھا سگریٹ پیوگے؟

میز پر اس بکس میں پڑے ہیں"

یہ بڑا سا کمرہ تھا اور دیوار کے ساتھ ایک پلنگ لگا تھا۔ دوسری طرف پرے کر کے ایک پیانو اور ڈریسنگ ٹیبل دھرا تھا۔ میں بستر کے پاس والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سائمنز تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔

"بھئی میں تو ایک جھمیلے میں پھنس گیا تھا" — میں نے کہا۔

وہ کہنے لگا۔ اور میں بھی — میں تو ہمیشہ جھمیلوں میں گھرا رہتا ہوں۔ سگریٹ پیوگے؟"

میں بولا: "تمہیں ہاں یہ بتاؤ۔ سوئٹزرلینڈ پہنچنے کے لئے کیا کارروائی کرنا پڑتی ہے؟"

"اپنے لئے پوچھتے ہو؟ لیکن اطالوی تمہیں اپنے ملک سے نکلنے ہی کب دیں گے:"

"ہاں یہ میں جانتا ہوں۔ میں سوئس لوگوں کے متعلق پوچھتا ہوں وہ کیا کریں گے؟"

"وہ تمہیں نظر بند کرلیں گے اور کیا؟"

"میں جانتا ہوں لیکن اس ہی کاری گری کیا ہے آخر"

"کوئی نہیں۔ بالکل سادہ سی چیز ہے۔ میرا خیال ہے انسان کہیں بھی جا سکتا ہے صرف رپورٹ وغیرہ کرنی ضروری ہوتی ہے۔ شاید لیکن تم کیوں پوچھتے ہو۔ پولیس وغیرہ سے بھاگ رہے ہو۔؟"

"ابھی یقینی طور پر تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا لیکن —"

"اگر مجھے بتانا نہیں چاہتے ہو تو رہنے دو۔ لیکن میرا خیال ہے بات دلچسپ ہوگی یہاں تو کچھ بھی ہوتا ہی نہیں۔ اور ہاں سنو۔ پیزا میں تو بے حد بے ڈھنگا ثابت ہوا۔ مجھے کامیابی نصیب نہ ہوئی۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے۔"

"ہاں صحیح۔ میرا بڑا ماندہ حال تھا وہاں۔ میں نے نہایت جی لگا کے گایا تھا۔ لیکن اب میں پھر یہاں لینکو میں کوشش کروں گا:"

میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی وہاں ہوتا۔"

"یہ تمہاری انتہائی خوش خلقی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ زیادہ گڑبڑ میں تو نہیں پھنس گئے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"ایسی کوئی بات نہ کہہ بیٹھنا جو مجھے بتانا نہیں چاہتے۔ یہ بتاؤ اس بدبخت جنگی محاذ سے کیوں لوٹ آئے ہو؟"

"میرا خیال ہے میں اس قصے سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔"

"شاباش لڑکے شاباش! میں ہمیشہ کہتا تھا کہ تم میں عقل ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ۔ میں تمہاری کس طرح مدد کروں ؟"

" تم تو بے حد مصروف ہو۔"

" جناب سنہری صاحب، ذرا بھی مصروف نہیں ہوں۔ رتّی بھر نہیں۔ تمہارے لئے کچھ کرنا تو میرے لئے مسرّت کا باعث ہوگا۔"

" اچھا سائینز تمہارا اور میرا تقریباً ایک سا ناپ ہے۔ میرا ایک کام کر دو۔ ذرا بازار سے میرے لئے ایک شہری لباس لا دو۔ یہ وردی میں اتار ڈالنا چاہتا ہوں اور میرے تمام کپڑے روم ہی میں ہیں۔"

" اچھا تم روم ہی میں رہے ہو، نہایت گندی جگہ ہے۔ بھلا تم وہاں رہے کیونکر ؟"

" میں فنِ عمارت سازی سیکھنا چاہتا تھا۔"

" اس فن کے لئے وہ جگہ موزوں نہیں۔ ہاں بھئی کپڑے مت خریدو۔ میں تمہیں ضرورت کے سارے کپڑے دے سکتا ہوں میں تمہیں ایسا سجا بنا کر نکالوں گا کہ ہر طرف کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ اچھا اب اس ڈرائینگ روم میں چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک الماری ملے گی۔ جو بھی چاہے اٹھا کر پہن لو۔ تمہیں کپڑے خریدنے کی کیا ضرورت ہے بھلے آدمی!"

" سم میرا جی چاہتا ہے خرید ہی لوں۔"

" بھائی اپنے کپڑے تمہیں دے دینا میرے لئے آسان ہے اور باہر جا کر کپڑے خریدنا مشکل۔ اچھا یہ بتاؤ تمہارے پاس پاسپورٹ ہے؟ بغیر پاسپورٹ کے تم بہت دور تک نہیں جا سکتے۔"

" خیر پاسپورٹ تو میرے پاس ہے۔"

" اچھا تو اب کپڑے بدل لو میرے بھائی اور سیدھے سیدھے سوئٹزر لینڈ سدھارو۔"

" اس قدر آسان بھی نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔ پہلے مجھے سٹریسا جانا ہے۔"

"آہا ہا کیا معیاری جگہ پسند کی ہے۔ بس کشتی میں بیٹھ کر پار اترنے ہی کی بات ہے۔ اگر مجھے اس گانے والے کا ریاض نہ کرنا ہوتا تو میں تمہارے ساتھ چلتا۔ لیکن خیر میں تو پھر بھی تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا۔"

"تم گانے کی نسبت گنگنانے کی مشق کیا کرو۔"

"بھلے آدمی میں گنگنانا ضرور سیکھوں گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ میں گا بھی سکتا ہوں"

"کیوں نہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم اچھے گا ئیک ہو۔"

وہ بستر میں نیم دراز سگریٹ پیئے جا رہا تھا۔

"زیادہ قسمیں نہ کھاؤ لیکن سچ میں گاتا ہوں اور خوب گاتا ہوں۔ ہے تو مضحکہ خیز بات لیکن میں گا لیتا ہوں۔ مجھے موسیقی سے گہرا لگاؤ ہے — لو سنو۔"

پھر وہ نہایت گھن گرج سے افریقانہ گانے لگا۔ اس کا گلا پھول گیا۔ اور نسیں باہر کو کھنچ آئیں۔

"دیکھا میں گا سکتا ہوں چاہے کوئی پسند کرے یا نہ کرے۔"

میں کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگا۔

"اچھا میں نیچے چل کر اپنی ٹیکسی کو رخصت کر آؤں۔"

"اور واپس آجانا میاں پھر ہم مل کر ناشتہ کریں گے۔" سائمنز بستر میں سے باہر نکلا اور سیدھا کھڑا ہو کر اس نے لمبی سانس لی۔ پھر اس نے اپنی جھکنے کی ورزش شروع کر دی۔ میں نیچے ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے چلا گیا۔

❖

۳۴

عام شہریوں کا لباس پہن کر میں اپنے آپ کو بہروپیا سا دکھائی دیا۔ میں اتنی دیر تک وردی میں ملبوس رہا تھا کہ اب یہ کپڑے مجھے ڈھیلے ڈھالے لگے۔ وردی کی کساوٹ کھو کر مجھے رنج ہوا خاص کر پتلون مجھے نہایت بھدی لگی۔ میں نے میلان سے ستریسا کے لئے ٹکٹ خرید لیا تھا اور ساتھ ہی ایک نیا ہیٹ بھی لے لیا تھا۔ سر کے کپڑوں سے تمباکو کی باس آ رہی تھی۔ جب میں ریل کے ڈبے میں بیٹھا کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ کپڑے بہت پرانے ہیں اور ہیٹ ضرورت سے زیادہ نئی ہے۔ میرا دل تو مبارڈی کے بھیلے ہوئے ویران علاقے کی طرح اداس تھا جو مجھے کھڑکی میں سے نظر آ رہا تھا۔ میرے علاوہ ڈبے میں کچھ طیارچی بھی سفر کر رہے تھے۔ یہ ہوا باز مجھ سے نظریں چرا رہے تھے۔ اور میری عمر کے جوان کو شہری کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر ان کا رویہ بے حد حقارت آمیز ہو گیا تھا۔ لیکن ان کے رویئے سے میری ذرا بھی بے عزتی نہ ہوئی۔ یہی کبھی پہلا زمانہ ہوتا تو ترکی بہ ترکی ان کی حقارت کا جواب دیتا اور ہم میں مڈبھیڑ ہو جاتی۔ جب وہ اگلے سٹیشن پر اتر گئے تو میں نے ڈبہ خالی پا کر سکھ کا سانس لیا۔ میرے پاس اخبار تو تھا لیکن میں اسے اس لئے پڑھنا نہ چاہتا تھا۔ کہ اس میں جنگ کی خبریں تھیں اور جنگ کی خبریں مجھے ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ میں تو جنگ کو بھول جانا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی صلح علیحدہ طور پر کر لی تھی۔ تنہائی لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی جا رہی تھی اور ہر لمحہ اس کا شکنجہ میرے دل پر اپنی گرفت سخت کر رہا تھا۔ اس لئے جب ستریسا کا سٹیشن آ پہنچا تو مجھے دلی راحت محسوس ہوئی۔

مجھے توقع تھی کہ سٹیشن پر ہوٹل کے قلی موجود ہوں گے لیکن وہاں کوئی ایسا قلی نہ تھا۔ سیزن ختم ہوئے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ اس لئے اب سٹیشن پر ٹرین کا کوئی بھی منتظر نہ ہوتا۔ میں سم

کا بیگ اٹھائے ٹرین سے اترا۔ بیگ بے حد ہلکا تھا۔ کیونکہ اس میں سم کی دو قمیصوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ پھر میں گاڑی کے رخصت ہونے تک بارش سے بچنے کے لئے سٹیشن کی چھت تلے کھڑا رہا۔ سٹیشن پر مجھے ایک آدمی مل گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ ان ہوٹلوں کے متعلق کچھ جانتا ہے۔ جو اس موسم میں کھلے ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ گرینڈ ہوٹل کھلا تھا اور کئی چھوٹے ہوٹل جو سال بھر کاروبار کرتے تھے۔ اب بھی کھلے تھے۔ سڑک پر مجھے ایک بگھی اپنی جانب آتی نظر آئی اور میں نے اشارے سے کوچوان کو بلایا۔ کسی بگھی میں سوار ہو کر ہوٹل پر پہنچنا زیادہ مہذب لگتا تھا۔ اس شاندار ہوٹل کے سامنے راستہ پر بگھی رک گئی۔ دربان چھاتا لئے باہر آگیا اور نہایت مودبانہ طریق سے مجھ سے مخاطب ہوا۔

میں نے ایک بڑا اچھا کمرہ منتخب کیا یہ روشن کمرہ بہت بڑا تھا۔ اور اس میں سے جھیل کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ ابھی تو جھیل پر بادل چھائے تھے لیکن میرا خیال تھا کہ سورج کی روشنی میں یہ منظر نہایت دلفریب ہوگا۔ میں نے ہوٹل والوں سے کہہ دیا تھا کہ میری بیوی بھی آنے والی ہے۔ اس لئے انہوں نے مجھے ڈبل بیڈ والا کمرہ دیا تھا۔ پلنگ پر ساٹن کا پلنگ پوش بچھا تھا۔ لمبے لمبے کھلے ہال کمروں میں سے گذر کر کمروں میں سے گذرتی ہوئی چوڑی سیڑھیاں اترتا میں بار پر پہنچا۔ بار والے سے میری کچھ شناسائی تھی میں اونچے سٹول پر بیٹھ کر نمکین بادام اور آلو کی چپس کھانے لگا۔ مارتینی کا ذائقہ ستھرا اور فرحت بخش تھا۔

دوسری بار میرے لئے مارتینی ملاتے ہوئے بار مین نے پوچھا۔ "آپ یہاں شہری کپڑوں میں کیا کر رہے ہیں۔"

"چھٹی پر ہوں۔ بحالی صحت کی چھٹی پر۔"

"سارا ہوٹل خالی پڑا ہے۔ خدا جانے یہ ہوٹل کھلا کس کے لئے رکھتے ہیں۔ خدا جانے۔"

"کبھی مچھلی کے شکار کے لئے بھی گئے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"سال کے اس حصے میں بڑی خوبصورت مچھلی ہاتھ لگتی ہے۔ میں نے بھی چند ایک غضب

کے نمونے پکڑے ہیں۔"

"میرا بھیجا ہوا تمباکو تمہیں مل گیا تھا۔"

"ہاں مل گیا تھا۔ اور میرا کارڈ، وہ تم تک پہنچا کہ نہیں؟"

میں کھلکھلا کر ہنس دیا۔ دراصل مجھے تمباکو مل ہی نہ سکا تھا۔ اس بار والے کو پائپ میں ڈالنے والا امریکن تمباکو درکار تھا۔ لیکن میرے رشتہ داروں نے یا تو بھیجنا بند کر دیا تھا یا پھر وہ راہ میں ہی کہیں رہ جاتا تھا۔ تمباکو مجھ تک نہ پہنچا تھا۔ اسے کہاں سے بھیجتا!

"خیر میں کہیں سے ڈھونڈ لوں گا۔" میں نے کہا" اور ہاں یہ تو بتاؤ بھائی کہ تم نے دو انگریز لڑکیاں تو شہر میں گھومتی پھرتی کہیں دیکھی ہوں گی۔ وہ یہاں اتر ہوٹل پہنچی ہیں۔ دیکھی ہیں کیا؟"

"اس ہوٹل میں تو اس قسم کی کوئی لڑکیاں نہیں آئیں۔"

"نرسیں ہیں دونوں۔"

"ہاں میں نے دو نرسیں دیکھی ضرور ہیں۔ ذرا ٹھہرو میں ابھی پتہ کرتا ہوں۔ کہ وہ کہاں ٹھہری ہیں۔؟"

میں نے کہا۔" ان میں سے ایک میری بیوی ہے میں یہاں اسے ہی ملنے آیا ہوں۔"

"اور دوسری میری بیوی ہے۔" وہ بولا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا۔ سچ۔"

وہ شرمسار ہو کر بولا" معاف کرنا میں نے نہایت بھونڈے پن سے کام لیا۔ دراصل میں سمجھا نہ تھا۔" وہ کچھ دیر کے لئے غائب ہو گیا۔

میں بار کے سامنے ٹنگے ہوئے شیشے میں شہری کپڑوں میں ملبوس اپنا آپ دیکھتا رہا اور آفریں، نمکین بادام اور آلو کے چپس کھاتا رہا۔

پھر بار والا واپس آیا اور کہنے لگا۔ "وہ قریبی سٹیشن کے پاس جو چھوٹا سا ہوٹل

ہے اس میں ٹھہری ہوئی ہیں"۔

"کیا کچھ سینڈوچیز مل سکیں گی؟" میں بولا۔

"ہاں، فون کر کے منگواتا ہوں۔ آپ سمجھئے بات یوں ہے کہ یہاں کوئی موجود ہو تو چیزیں بھی ہوں"

"کیا واقعی یہاں کوئی بھی نہیں؟"

"ہیں چند ایک لوگ۔ لیکن نہ ہونے کے برابر"۔

جب سینڈوچیز آگئیں تو میں نے تین سینڈوچیز کے ساتھ دو عدد مارٹینی کے پیگ اور چڑھا لیئے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسی ستھری اور ٹھنڈی چیز حلق میں نہ انڈیلی تھی، مارٹینی پی کر مجھے احساس ہوا کہ میں بھی ایک مہذب شہری ہوں، سرخ شراب، ڈبل روٹی، پنیر، خراب کافی اور برانڈی سے میرا دل اکتا چکا تھا۔ اس وقت میرے ذہن سے ہر طرح کی سوچ غائب ہو چکی تھی۔ بار والے نے مجھ سے چند ایک سوال پوچھے لیکن میں نے بددلی سے کہا۔

"جنگ کی باتیں نہ کرو — بس"۔

جنگ کہیں دور چھڑی ہوئی تھی شاید اس جنگ کا اصلی وجود کہیں تھا ہی نہیں — کم از کم یہاں تو کوئی جنگ نہ تھی۔ اس وقت میں نے اچھی طرح جان لیا کہ جنگ میرے لئے ختم ہو چکی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ بھی احساس تھا کہ جنگ ابھی جاری تھی اور واقعی ختم نہ ہوئی تھی۔ میری حالت بالکل اسی طالب علم جیسی تھی جو باہر جا کر بھی سوچتا رہتا ہے کہ اس وقت مدرسے میں کیا ہو رہا ہوگا۔

جس وقت میں پہنچا کیتھرائن اور ہیلن فرگسن رات کا کھانا کھا رہی تھیں۔ وہ مجھے میز پر بیٹھی ہوئی نظر آئیں۔ کیتھرائن کا چہرہ پرے تھا۔ لیکن اس کے بالوں کی ترتیب گال کا تھوڑا سا حصہ کندھے اور اس کی خوبصورت گردن مجھے دکھائی دی۔ اس وقت فرگسن باتیں کر رہی تھی۔ جونہی میں قریب پہنچا وہ خاموش ہو گئی۔

"یا میرے خدایا —" وہ بولی۔

"ہیلو" — میں نے کہا۔

کیتھرائن بولی — "ہائے یہ تم ہو۔"

اس کا چہرہ کھل گیا۔ ایسے لگتا تھا کہ کیتھرائن کو مارے خوشی کے یقین نہ آرہا تھا۔ کہ میں سامنے کھڑا ہوں۔ میں نے جھک کر اسے چوم لیا۔ تو وہ گلابی ہوگئی۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"فرگسن بولی۔" تم تو بے حد گندے آدمی نکلے اور اب یہاں کیا کر رہے ہو بھلا۔ کچھ کھایا پیا ہے یا کہ بھوکے ہو۔"

"بھوکا" میں نے منہ پھاڑ کر کہا۔

اسی اثنا میں وہ لڑکی آگئی جو کھانا کھلا رہی تھی اسے میں نے اپنے لئے ایک پلیٹ لانے کو کہا۔ کیتھرائن کی نگاہیں مجھ پر جمی تھیں اور ان آنکھوں میں مسرت تھی۔

"تم ان شہری کپڑوں میں کیا کر رہے ہو جی؟" فرگسن نے پوچھا۔

"میں کیبنٹ میں ہوں فرگی"

"کسی جھمیلے میں پھنسے ہوئے ہو صاف ظاہر ہے۔"

"ذرا تو خوش ہو جاؤ فرگی —" رتی بھر۔"

"بھلا تمہیں دیکھ کر مجھے کیا خوشی ہو سکتی ہے میں خوب جانتی ہوں کہ جناب نے اس لڑکی کو کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ تمہاری شکل دیکھ کر میں کیسے خوش ہوں بھلا۔"

کیتھرائن میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور میز کے نیچے اپنے پیر سے مجھے چھوا۔

"مجھے کوئی مصیبت میں نہیں پھنسا سکتا فرگی۔ میں نے اپنے لئے خود مصیبتیں اکٹھی کر لی ہیں۔"

فرگسن بولی۔ میں تو اس کی صورت سے بیزار ہوں۔ اس نے اپنی اطالوی نوسربازی سے تمہیں برباد

کر دیا ہے اور کیا ؟"

یہ امریکن تو اطالویوں سے برے ہوتے ہیں :

" اور اسکاچ کس قدر با اخلاق ہوتے ہیں ۔ ہیں نا !"

" میرا یہ مطلب تو نہ تھا لیکن میں تو اس کی اطالوی نوسربازی کے متعلق کہہ رہی تھی :

" یعنی میں نوسرباز ہوں ۔ میں فرگی ؟ " میں نے پوچھا ۔

" اور کیا ، تم تو بالکل جیسے سانپ ہوتا ہے سانپ ہو ! ۔

اطالوی سانپ ، وردی میں ملبوس کندھوں پر لبادہ اوڑھے ۔ اطالوی سانپ "

" اب تو میں نے کوئی وردی نہیں پہن رکھی ؟ "

" دیکھا یہ تمہاری نوسربازی کی ایک اور مثال ہے ۔ ساری گرمیاں اس لڑکی سے محبت جگاتے رہے ہو ۔ اور اب لڑکی کے بچہ ہونے والا ہے ۔ تو اب میرا خیال ہے تم پھر ابھری کر کے غوطہ مار جاؤ گے اور کیا ؟ "

میں نے مسکرا کر کیتھرین کی طرف دیکھا ۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی ۔

" اب ہم دونوں اکٹھے خفیہ طور پر جائیں گے جی ۔ "

فرگسن بولی ۔ " تم دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو ۔ کیتھرین بارکلے تم سے تو مجھے شرم آتی ہے ۔ نہ تم میں شرم ہے نہ عزت کا احساس ! اور تم اس سے بھی زیادہ نوسرباز ہو ؟ "

کیتھرین کہنے لگی ۔ " ہائے بس کرو فرگی ۔ مجھ سے کنارہ کشی کرنے سے حاصل ؟ تم تو خوب جانتی ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتی ہیں "

فرگسن نے جلدی سے کہا ۔ " اپنا ہاتھ پرے کر لو ۔ اگر تم میں شرم کا شمہ بھر بھی ہوتا ۔ تو بات ہی مختلف ہوتی ۔ لیکن خدا جانے کتنے مہینوں سے حمل ٹھہرا ہوا ہے اور تم سمجھتی ہو کہ یہ سب مذاق ہے اور اب اپنی صورت دیکھ لو ۔ بھلا مسکرانے کی کیا بات ہے ؟ عصمت دری کرنے والے کو دیکھ کر اتنی خوشی ! توبہ توبہ ۔ تم میں شرم و حیا کا نام تک نہیں تم میں قدرتی بھر احساس نہیں " یہ کہہ کر

نرگس رونے لگی۔ کیتھرین نے آگے بڑھ کر اپنا بازو اس کے گرد حمائل کر دیا۔ جب وہ کھڑی نرگس کو تسلی دے رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ اس کے جسم میں کوئی نمایاں فرق نہ آیا تھا۔

نرگس سسکیاں بھرتی ہوئی بولی "مجھے پروا نہیں۔ پروا نہیں لیکن میرا خیال ہے یہ قصہ نہایت وحشتناک ہے۔"

کیتھرین اسے تھپکتے ہوئے کہنے لگی "بس بس فرگی بس — و دیکھو شرم سے میرا سر جھکا ہوا ہے۔"

"اب نہ روؤ — فرگی — روؤ نہ فرگی خدا کے لئے۔"

نرگس ہچکیاں لیتے ہوئے کہنے لگی — "میں کہاں روتی ہوں؟ مجھے بھلا کاہے کا رونا؟ — مجھے تو بس اس بات کا اندیشہ ہے۔ کہ تم کس مصیبت میں پھنس گئی ہو۔"

پھر مجھے گھورتے ہوئے بولی "مجھے تم سے نفرت ہے یہ اگر کوشش بھی کرے۔ تو اس نفرت میں کمی نہیں آ سکتی۔ تم تو گندے اطالوی امریکی چیڑ قناتیے ہو۔"

نرگس کی آنکھیں اور ناک رونے کے باعث سرخ ہو چکی تھیں۔

کیتھرین میری طرف دیکھتی ہوئی مسکرائے جا رہی تھی

"اچھا! یہ جرأت! بازو میرے گرد ہے اور اس گدھے کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی ہو۔ خبردار!"

"ہائے فرگی تم تو بیحد غیر معقول ہو رہی ہو سچ!"

نرگس سسکیاں بھرتی ہوئی بولی "میں جانتی ہوں ——————

میری باتوں کا تم دونوں برا نہ ماننا — میں اس قدر پریشان ہو گئی ہوں۔ اس قدر — میں غیر معقول نہیں ہوں۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تم دونوں خوش رہو خوش رہو۔"

کیتھرین بولی "ہائے تم کتنی پیاری ہو فرگی۔ اور کون کہتا ہے ہم خوش نہیں — ہم دونوں تو اس قدر مسرور ہیں!"

فرگس نے کہا – "مجھے اس قسم کی مسرت نہیں چاہیئے جو اس وقت تمہیں محسوس ہو رہی ہے – بھلا تم دونوں شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ ہاں یہ بتاؤ۔ تمہارے پاس پہلے تو کوئی بیوی موجود نہیں ہے نا؟"

میں نے کہا — "نہیں تو —"

کیتھرین کھلکھلا کر ہنس دی۔

فرگس نے تیوری چڑھا کر اُسے ٹوکا — "اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ ہزاروں کے پاس پہلی بیویاں موجود ہوتی ہیں"۔

کیتھرین بولی — "فرگی اگر تم چاہتی ہو تو تمہاری خاطر ہم بیاہ کر لیتے ہیں"۔

"مجھے خوش کرنے کے لئے کیوں؟ تمہارا اپنا جی کیوں نہیں چاہتا بھلا؟"

"ہم بیحد مصروف رہتے ہیں فرگی"۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔ بچے بنانے میں مصروف رہتے ہو اور کیا؟"

میرا خیال تھا کہ وہ پھر رونے والی ہے۔ لیکن وہ نہایت کڑوے پن سے بولی۔" اور اب شاید محترمہ ابھی رات ہی کو نوسرباز کے ساتھ چلدیں گی"۔

کیتھرین بولی ۔" ہاں — اگر یہ چاہیں گے تو"۔

"اور میرے متعلق کیا ارشاد ہے"؟

"یہاں تنہا رہتے تمہیں ڈر لگتا ہے کیا؟"

"ہاں —"

"اچھا تو میں پھر تمہارے ساتھ ٹھہر جاتی ہوں"۔

"نہیں نہیں اسی کے ساتھ چلی جاؤ۔ ابھی اس کے ساتھ رفو چکر ہو جاؤ۔ میں تم دونوں سے بیزار ہوں ہاں"۔

"یہ کھانا تو ختم کر لیں"۔

"نہیں ــــ نہیں اسی وقت چلی جاؤ اسی وقت"

"فرگی خدا کے لئے معقول بنو ــــ"

"میں کہتی ہوں اسی وقت اسی لمحہ ــــ اسی وقت نظروں سے اوجھل ہو جاؤ تم دونوں"

میں خود فرگی سے تنگ آچکا تھا۔ اس لئے میں نے کہا ــــ "تو پھر چلو کیتھرین"

"دیکھا ــــ! تمہارا جی جانے کو چاہتا تھا۔ تم چاہتے تھے کہ میں اکیلی بیٹھ کر کھانا کھاؤں ہمیشہ سے میری تمنا تھی کہ اطالوی جھیلیں دیکھوں اور اب ــــ اب اس تمنا کا حشر دیکھو۔ ہائے۔۔۔ ہائے"

وہ سسکیاں لینے لگی۔ پھر ٹومبر اور اس نے کیتھرین کی طرف دیکھا۔ اور الفاظ اس کے حلق میں ہی ڈوب گئے۔ اور جیسے اس کے گلے میں پھندا پڑ گیا ہو۔

کیتھرین بولی ــــ "چلو اچھا ہم کھانے کے بعد تک ٹھہر جاتے ہیں۔ اگر تم چاہو گی تو میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی"

فرگی اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئی کہنے لگی "توبہ توبہ ــــ میں تو خود چاہتی ہوں کہ تم چلی جاؤ۔ بس میری یہی خواہش ہے میں بھی کس قدر غیر معقول ہوں۔ خدا کے لئے میری باتوں کا برا نہ مان لینا"

جوڑے کی کھانا کھلا رہی تھی۔ اس قدر رونا دھونا دیکھ کر خاصی پریشان ہو چکی تھی۔ لیکن جب وہ دوسرا کورس لے کر پہنچی تو اس کا چہرہ تسلی بخش حالات کو دیکھ کر مطمئن ہو گیا تھا۔

ہوٹل میں اسی رات ــــ

باہر لمبا ہال خالی تھا۔ ہمارے جوتے دروازے کے باہر پڑے تھے۔ کمرے کے اندر فرش پر موٹا قالین بچھا تھا۔ باہر کھڑکیوں سے بارش ٹکرا رہی تھی۔ کمرے میں روشنی تھی اور فضا نہایت خوشگوار اور پیاری تھی۔ پھر ہم نے بتی بجھا دی۔ اور ملائم چادروں میں آرام کے ساتھ ساتھ ہمارے جذبات ہولے ہولے مشتعل ہو گئے۔ ایسے احساس ہونے لگا جیسے ہم گھر پلٹ آئے ہوں۔ پہلی بار رات کے وقت جب آنکھ کھلی تو بستر خالی نہ تھا بلکہ وہ بھی ساتھ تھی اور مجھے چھوڑ کر کہیں نہ گئی تھی۔ باقی تمام باتیں بے حقیقت تھیں صرف ساتھ سونے والی کا وجود محسوس تھا۔

جب ہم تھک گئے تو نیند ہم پر غالب آ گئی۔ لیکن رات کے دوران میں جب بھی آنکھ کھلتی ساتھی بھی جاگ جاتا اور انسان لمحہ بھر کے لئے بھی تنہا نہ ہوتا۔ بار ہا اس طرح ہوتا ہے کہ مرد تنہائی چاہتا ہے۔ اور لڑکی بھی اکیلے پن کی خواہشمند ہوتی ہے۔ اور وہ دونوں چاہنے والے ایک دوسرے میں اس تمنا کے شاکی ہوتے ہیں۔ لیکن ہم دونوں میں یہ احساس کبھی نہ ابھرا تھا۔ اکٹھے ہوتے ہوئے ہم نے علیٰحدہ ہونے کی کبھو خواہش نہ کی تھی۔ اکٹھے رہ کر ہم کو احساس تنہائی ستاتا تھا۔ لیکن یہ احساس ایک دوسرے کے خلاف نہ تھا بلکہ ہم دنیا کے خلاف تنہائی محسوس کرتے تھے۔ میں صرف ایک بار پہلے اس احساس سے دوچار ہوا تھا۔ پہلے کئی بار لڑکیوں کے ساتھ میں اکیلے پن کا شکار ہو چکا تھا اور میں جانتا ہوں یہ تنہائی ہر تنہائی سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ لیکن ایک دوسرے کے ساتھ نہ تو کبھی ہمیں تنہائی نے گھیرا اور نہ ہی کبھی ہم خوفزدہ ہوئے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ رات دن کی طرح نہیں ہوتی۔ تمام چیزیں رات کو مختلف ہوتی ہیں۔ اور رات کی باتیں دن کے وقت سمجھائی نہیں جا سکتیں کیونکہ ان کا وجود نہیں ہوتا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تنہائی سے ملول دلوں کے لئے اگر ایک بار تنہائی کا احساس شروع ہو جائے تو رات اور بھی وحشت ناک ہو جاتی ہے۔ لیکن کیتھرائن کے ساتھ رات اور دن میں اگر فرق تھا۔ تو صرف یہ تھا کہ رات اور بھی زیادہ پُرلطف اور خوش گوار ہو جاتی تھی۔

جو لوگ اس قدر جی داری اور دلیری سے دنیا کے منہ آتے ہیں۔ دنیا ان کا کس بل کسی طور پر نکال نہیں سکتی۔ اس لئے وہ اس کی جان لے لیتی ہے۔ کیونکہ یہ دنیا ہر ایک کی تربیت کرتی ہے ہر ایک کو شکستہ ہمت کر کے چھوڑتی ہے۔ ہر ایک کو توڑ پھوڑ کر سانس لیتی ہے۔ اور بہت دنوں کے بعد کئی لوگ ان ہی شکستہ حصوں میں سب سے زیادہ پختہ اور جی دار بن جاتے ہیں۔ لیکن جن کا کس بل نکالنا اس کے بس کا نہیں ہوتا۔ انہیں یہ دنیا مار ڈالتی ہے۔ یہ دنیا نہایت اچھے بے حد نفیس اور انتہا کے دلیر لوگوں کی جان لے لیتی ہے۔ اگر آپ ان تینوں خاصیتوں میں سے ایک کے بھی حامل نہیں تو یقین کیجئے مار تو وہ آپ کو بھی دے گی۔ لیکن آپ کو ختم کرنے

میں وہ کچھ عجلت سے کام نہ لے گی۔

مجھے اس صبح کا جاگنا اچھی طرح یاد ہے۔ کھڑکی میں سے سورج کی روشنی اندر جھانک رہی تھی۔ اور کیتھرائن سوئی پڑی تھی۔ بارش ختم ہو چکی تھی۔ میں بستر میں سے نکل کر کھڑکی تک پہنچا۔ نیچے باغیچے بے برگ و بار تھے۔ لیکن ان کی ترتیب نہایت دل کش تھی۔ بجری والی روشیں، چھوٹے چھوٹے درخت، پتھر والی دیوار سے پرے سورج کی کرنوں میں دمکتی ہوئی جھیل اور جھیل سے پرے پہاڑوں کا سلسلہ سب کچھ میری نظروں کے سامنے تھا۔ میں کھڑکی کے سامنے کھڑا کتنی ہی دیر ان چیزوں کو دیکھتا رہا اور جب میں نے پیٹھ موڑ کر دیکھا۔ کیتھرائن جاگ ہوئی تھی۔ اور میری طرف دیکھ رہی تھی۔

وہ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر بولی۔ "کیسے ہو۔ کتنا خوبصورت دن ہے۔ ہے نا؟"

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ کتنی خوب صورت رات گذری ہے۔"

"ناشتہ کرو گی؟"

اسے ناشتے کی ضرورت تھی۔ مجھے بھی بھوک لگی ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے بستر میں بیٹھ کر سامنے گود میں کشتی رکھ کر ناشتہ کیا۔ اور نومبر کی دھوپ کھڑکی میں سے ہو کر ہمارے بستر پر جگمگاتی رہی۔

"اخبار نہیں چاہیئے۔ ہسپتال میں تو تم ہمیشہ اخبار کا تقاضا کیا کرتے تھے۔"

میں نے کہا: "نہیں۔ اب مجھے اخبار درکار نہیں۔"

"کیا وہاں حالات اس قدر خراب تھے کہ اب تمہیں اخبار سے نفرت ہو گئی ہے۔"

"کم از کم میں اس کے متعلق کچھ پڑھنا نہیں چاہتا۔"

"کاش میں تمہارے ساتھ ہوتی۔ پھر مجھے بھی ان حالات کا علم ہوتا۔"

"اگر کبھی مجھے ان کی سمجھ آ گئی تو میں تمہیں بتاؤں گا۔"

" اچھا! — اگر فوج والوں نے تمہیں وردی کے بغیر دیکھ لیا تو تمہیں پکڑ کر تو نہ لے جائیں گے؟"

" شاید مجھے گولی سے اڑا دیں گے"!

" پھر تو ہم یہاں نہ ٹھہریں گے۔ اس دیس سے جلد نکل بھاگیں گے"۔

" میں نے بھی کچھ اسی قسم کا سوچا ہے"۔

" ہم کسی نہ کسی طرح یہاں سے چلے جائیں گے۔ مری جان تمہیں کسی قسم کا خطرہ مول نہ لینا چاہیئے۔

اچھا یہ بتاؤ تم مسترے سے میلان کیونکر پہنچے تھے؟"

" ٹرین سے آیا تھا۔ اس وقت میں نے وردی پہن رکھی تھی"۔

" اور تمہیں اس وقت کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا کیا؟"

" زیادہ نہیں۔ میرے پاس ایک بہت بڑا پرانا نقل و حرکت کا حکم نامہ تھا۔ میں نے مسترے میں اس کی تاریخیں تبدیل کر دی تھیں"۔

" مری جان یہاں تم کسی لمحے بھی گرفتار ہو سکتے ہو۔ میں اس کی کیونکر اجازت دے سکتی ہوں لیکن تم نے نہایت بے وقوفانہ حرکت کی ہے۔ اب بھلا ہمارا کیا حشر ہو اگر وہ تمہیں پکڑ کر لے جائیں....."

" چلو آؤ کسی اور چیز کے متعلق سوچیں میں تو ان چیزوں کے بارے میں سوچتے سوچتے تھک چکا ہوں"۔

"لیکن اگر وہ تمہیں گرفتار کرنے آ گئے تو تم کیا کرو گے؟"

"انہیں گولی سے اڑا دوں گا اور کیا"

"دیکھا — دیکھا تم میں کس قدر بچپنا ہے کس قدر احمق پن ہے۔ جب تک تم یہاں سے چلنے کی تیاری نہ کرو گے میں تمہیں ہوٹل میں سے باہر نہ جانے دوں گی"۔

"اور ہم کہاں جا سکتے ہیں بھلا؟"

"خدا کے لیے میری جان اب اس طرح کی باتیں نہ بناؤ۔ جہاں تم چاہو گے ہم چلدیں گے لیکن ابھی اسی وقت کہیں چلنے کی ٹھان لو۔ دیر نہ کرو۔"

"جھیل سے پرے سوئٹزرلینڈ ہے۔ ہم وہاں جا سکتے ہیں"۔

"کیسی اچھی بات ہے!"

باہر بادل آسمان پر چھا رہے تھے۔ اور جھیل کی چمکتی سطح ماند پڑتی جا رہی تھی۔

"پھر تم ویسے ہی بن چلے ہو میری جان۔ تم نے زیادہ عرصہ مجرم بن کر نہیں گزارا۔ اور ہم بھلا کیوں مجرمانہ زندگی بسر کریں گے۔ ہم تو غضب کا وقت گزاریں گے غضب کا!"

"لیکن میں اپنے آپ کو مجرم محسوس کرتا ہوں — میں فوج سے بھاگ کر آیا ہوں۔ میں نے میدان کا رزار کو پیٹھ دکھلائی ہے۔"

"خدارا میری جان ذرا تو عقل سے کام لو۔ یہ کوئی فوج سے بھاگنا تھوڑی ہے — یہ تو اطالوی فوج چھوڑنا ہے اور کیا"۔

میں اس کی بات سن کر ہنس دیا اور بولا "تم بڑی شاندار لڑکی ہو کیتھرین چلو آؤ بستر میں واپس چلیں — بستر میں میری طبیعت نہایت اعلیٰ ہو جاتی ہے"۔

کچھ عرصہ بعد کیتھرین کہنے لگی۔ "اچھا تم مجرم کی طرح تو محسوس نہیں کرتے نا!"

"نہیں —" میں نے کہا "تمہارے ساتھ رہ کر ایسا احساس نہیں ہوا"۔

وہ بولی — ہائے تم کس قدر نادان بچے ہو میں تمہاری دیکھ بھال کیا کروں گی۔ یہ غضب کی بات نہیں کہ مجھے صبح کبھی متلی نہیں ہوئی۔ کبھی بھی نہیں —"

"واقعی بڑی شاندار بات ہے"۔

تم نے تو اپنی شاندار بیوی کی قدر ہی نہ جانی۔ لیکن خیر مجھے پروا نہیں۔ میں تو تمہیں کسی ایسی جگہ اڑا لے جاؤں گی۔ جہاں وہ تمہیں گرفتار نہ کر سکیں گے اور پھر؟ — پھر ہم مزے سے کہیں

گئے مزے"۔

"چلو ابھی وہاں چلیں"

"ضرور میری جان — جہاں تم چاہو جس وقت چاہو میں چلی چلوں گی"۔

"اور آؤ اب کچھ نہ سوچیں ——"

"بہت اچھا — جو تم چاہو"۔

٭

۳۵

کیتھرین جھیل کنارے چھوٹے ہوٹل میں فرگسن سے ملنے چلی گئی اور میں بار میں بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا۔ بار میں بڑی آرام دہ چمڑے کی کرسیاں پڑی تھیں۔ انہی میں سے ایک پر میں بیٹھا ہوا بار والے کے آنے تک اخبار پڑھتا رہا۔ فوج "تالیامینتو" پر بھی نہ رک گئی تھی۔ بلکہ انہیں مراجعت کر کے پیاوے پہنچنا پڑا تھا مجھے پیاوے یاد آ گیا۔ محاذ جنگ پر جاتے ہوئے سان ڈون کے قریب ریل یہاں سے گزرتی تھی۔ ریل کی پٹڑی وہاں گہری اور بڑی تنگ تھی اور گاڑی آہستہ آہستہ چلتی تھی۔ نیچے پیچوں سے اٹی ہوئی دلدلیں اور نہریں نظر آتی تھیں۔ اس علاقے میں کچھ بڑے خوبصورت بنگلے بھی تھے۔ جنگ سے پہلے ایک بار جب میں وہاں گیا تھا تو پہاڑیوں میں کئی گھنٹے تراشیوں کے ساتھ ساتھ چل کر گزارے تھے۔ چٹانوں کے سایوں میں تیزی سے بہتی ہوئی ندی میں ٹراؤٹ کی بہتات تھی جا بجا اتھلے پانیوں کے حصے اور ننھے ننھے کنڈ بنے ہوئے تھے۔ اس وقت میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں وہاں پہنچی ہوئی فوج کیونکر واپس پلٹ سکتی ہے جب بار والا آ پہنچا اور کہنے لگا۔

"کاؤنٹ گریفی۔ آپ کے متعلق پوچھ رہے تھے"۔

"کون ؟"

"کاؤنٹ گریفی۔ یاد نہیں وہی کاؤنٹ گریفی جو پچھلی مرتبہ جب آپ یہاں تھے تو اس ہوٹل میں موجود تھے"۔

"اچھا وہ یہاں ہے ؟"

"جی — وہ یہاں اپنی بھانجی کے ساتھ آیا ہوا ہے میں نے ہی اسے بتایا تھا کہ آپ بھی یہاں آکر ٹھہرے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ آپ اس کے ساتھ بلیرڈ کھیلیں"

"ہے کہاں ؟"

اس وقت تو سیر کر رہا ہے"۔

"اور کس حال میں ہے ؟"

"پہلے سے بھی جوان — ابھی کل رات کھانے سے پہلے بڈھے نے تین کاک ٹیل چڑھائی تھیں"

"اور اس کی بلیرڈ کا کیا حال ہے ؟"

"بہت اچھا ہے۔ کل اس نے مجھے ہرا دیا تھا۔ اور جب میں نے اسے بتایا کہ آپ بھی یہاں ہیں تو بہت خوش ہوا۔ بیچارے کے ساتھ یہاں کھیلنے والا کوئی بھی نہیں"۔

کاؤنٹ گریفی چورانوے سال کا بڈھا تھا۔ بے حد باوضع اور رکھ رکھاؤ کا مالک تھا کسی زمانے میں آسٹریلیا اور اٹلی کے سفارت خانوں میں بھی کام کر چکا تھا۔ اور آج کل اس کی سالگرہ کی دعوتوں کا شمار میلان کے اہم واقعوں میں ہوتا تھا۔ اس کی عمر سو برس کے لگ بھگ تھی۔ لیکن جس خوش اسلوبی اور تسلسل سے وہ بلیرڈ کھیلتا اس کے مقابلے میں اس کے چورانوے برس کا بے رچ کڑا کیلا پن بڑا عجیب لگتا تھا۔

ایک بار جب میں سیزن کے بعد سٹریسا آیا تھا تو میری ملاقات سو میں کاؤنٹ سے ہوئی تھی اور یہیں ہم نے بلیرڈ کھیلتے ہوئے شیمپین کے کئی پیگ پئے تھے۔ اس نے مجھے یہیں سے پندرہ پوائنٹ دیئے تھے اور مجھے ہرا دیا تھا۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ وہ یہاں ہے ؟"

"میں بالکل بھول گیا تھا۔"

"اور کون کون یہاں ٹھہرا ہوا ہے ؟"

"آپ کا واقف تو کوئی نہیں۔ کل ملا کر صرف چھ آدمی مقیم ہیں"

"اور تم اس وقت کیا کر رہے ہو ؟"

"کچھ بھی نہیں — فارغ ہوں"

"چلو پھر مچھلیاں پکڑنے چلیں ؟"

"گھنٹے بھر کے لئے تو آ سکتا ہوں۔ زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔"

"آؤ پھر چلیں — ذرا مچھلی پکڑنے کی ڈوری لے آؤ۔"

بارمین نے کوٹ پہن لیا اور ہم دونوں باہر چلے گئے۔ نیچے پہنچ کر ہم نے ایک کشتی لی میں نے چپو سنبھالے اور کشتی کھینے لگا۔ بارمین دنبالے میں بیٹھ گیا۔ اور چرخی پر سے ڈوری جھیل میں چھوڑنے لگا۔ ٹراوٹ کے لئے ڈور کے آخر میں خاصہ بوجھ بندھا تھا۔ ہم کنارے کنارے چلے گئے بارمین کے ہاتھ میں ڈوری تھی۔ اور وہ کبھی کبھار اسے آگے کی طرف بڑھا کر جھٹکا دے دیتا تھا۔ جھیل سے سارا شہر بے حد سونا اور سنسان لگ رہا تھا۔ بے برگ وبار درختوں کی قطاریں، بڑے ہوٹلوں کی عمارتیں اور بند بنگلوں کا منظر بڑا افسردہ تھا۔ میں نے اپنی کشتی جھیل کے پار جزیرے کی جانب کر لی اور دیواروں کے ساتھ ساتھ کھینے لگا۔ یہاں پانی یک لخت بہت گہرا ہو گیا تھا۔ اور چٹانی دیوار شفاف پانی میں ڈھلوان ہوتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ یہاں سے ہوتے ہوئے میں کشتی کو سیدھا ماہی گیروں کے جزیرے کی طرف لے چلا۔ سورج پر بدلی چھائی ہوئی تھی۔ اور پانی کی ہموار سطح گہری سبزی مائل اور بے حد ٹھنڈی تھی۔ ہم نے ابھرتی ہوئی مچھلیوں کے کئی ننھے ننھے گرداب دیکھے لیکن ایک بھی مچھلی ہماری ڈور سے نہ لگی۔

ماہی گیروں کے جزیرے کے سامنے جہاں کشتیاں رکتی تھیں۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ ماہی گیر

اپنے جال مرمت کرنے میں مشغول تھے۔

"کچھ نہیں!"

"بہت خوب"!

میں کشتی کو کھیتا ہوا ہوٹل کے ستون تک لے آیا۔ بارمین نے ڈوری کھینچ لی۔ اور اس کا لچھا بنا کر کشتی کے نیچے رکھ دیا۔ باہر نکل کر میں نے کشتی کو باندھا اور پھر ہم دونوں ایک چھوٹے سے کیفے میں چلے گئے۔ یہاں ہم ایک لکڑی کی خالی میز کے گرد بیٹھ گئے اور ہم نے درحقہ کا آرڈر دیا۔

"کشتی چلاتے چلاتے تھک گئے ہو گے؟"

"نہیں تو"

"واپسی پر میں کشتی چلاؤں گا"!

"لیکن مجھے تو کشتی کھینا پسند ہے"

"شاید ڈوری تمہارے ہاتھ میں ہو تو ہمارا مقدر بدل جائے۔ اور کوئی مچھلی ہی ہاتھ آجائے"

"بہت اچھا"!

"جنگ کا کیا حال ہے؟"

"بیحد خراب"

"مجھے تو جنگ میں نہ جانا پڑے گا۔ کاونٹ گریفی کی طرح میں بھی بہت بوڑھا ہوں"۔

"شاید تمہیں جانا ہی پڑے"۔

"اگلے سال میرے طبقے کے لوگ بلائے جائیں گے۔ لیکن میں نہ جاؤں گا"۔

"اچھا پھر تم کیا کرو گے؟"

"اس ملک سے کہیں نکل جاؤں گا۔ میں تو کسی قیمت پر بھی جنگ میں نہ جاؤں گا۔ ایک بار میں جنگ میں ایسے سینا گیا تھا"!

"کس لئے گئے تھے؟"

"پتہ نہیں کیوں چلا گیا۔ بس میرا احمق پن تھا اور کیا؟"

"ایک اور ورمنفر پیئو؟"

"بہت اچھا"

واپسی پر پتوار ہار والے کے ہاتھ میں تھے۔ ہم ستر لیا سے پرے اوپر تک مچھلیاں پکڑنے گئے اور پھر کنارے سے کچھ دور جاکر رُک گئے۔ میری نظریں نومبر کی رت میں جھیل کے کالے پانی کو تک رہی تھیں۔ سامنے سنسان کنارہ نظر آرہا تھا۔ میرے ہاتھ میں کھینچی ہوئی ڈوری تھی۔ اور گھومتی ہوئی چرخی کی نبض سی ہلکی ہلکی جنبش میرے ہاتھ میں محسوس ہو رہی تھی۔ بارواللا لمبے ہاتھ چلا رہا تھا۔ اور جب کشتی آگے کی طرف دھکا لگا کر بڑھتی تو ڈور دھڑکنے لگتی۔ ایک مرتبہ ایک مچھلی میرے ہاتھ لگ گئی۔ ڈوری یک لخت تن گئی۔ اور پیچھے کی طرف جھٹکا کھایا۔ میں نے ڈوری کھینچی تو ٹراوٹ کا بوجھ میں نے محسوس کیا۔ پھر ڈوری دوبارہ دھڑکنے لگی تو مجھے علم ہوا کہ مچھلی میرے پھندے سے نکل گئی ہے

"مچھلی بڑی تھی کیا؟"

"خاصی"

"ایک بار میں اکیلا مچھلی کا شکار کر رہا تھا ڈوری میرے دانتوں میں پکڑی ہوئی تھی۔ ایک مچھلی ڈور میں پھنس گئی۔ اور جب پھڑکی تو میرے تو دانت ہی نکل چلے تھے"

میں نے کہا "بہترین طریقہ تو یہ ہے کہ ڈور کو اپنی ٹانگ کے اوپر رکھنا چاہیئے۔ اس طرح مچھلی لگتی محسوس ہو جاتی ہے۔ اور دانتوں کے نکلنے کا خدشہ نہیں رہتا"

ہم ہوٹل کے سامنے پہنچ چکے تھے۔

باتھالا بولا۔ "مجھے تو گیارہ بجے وہاں ہونا چاہیئے اس لئے میں تو اندر چلتا ہوں"

"بہت اچھا"۔

میں نے ڈور کھینچ کر اکٹھی کی اور کشتی کے دونوں جانب جو غیل نا چھڑی تھی۔ اس پر اسے ٹانگ دیا۔ بار والے نے کشتی کی دیوار کو جھری میں ایک زنجیر اور پتوار کی مدد سے جکڑ دیا۔

وہ بولا۔ "جس وقت بھی تم چاہو میں تمہیں چابی دے دوں گا۔"

"شکریہ۔"

ہم دونوں ہوٹل میں سے ہو کر بار میں پہنچے۔ اتنی صبح مجھے اور شراب کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ نوکرانی ابھی کمرہ صاف کر کے گئی تھی اور کیتھرین ابھی تک واپس نہ آئی تھی۔ میں بستر میں لیٹ گیا۔ اور کوشش کر کے تفکرات سے پیچھا چھڑانے لگا۔

لیکن جب کیتھرین واپس آ گئی۔ تو پھر تمام وسوسوں کے بادل چھٹ گئے۔ اور مجھے کسی قسم کا اندیشہ نہ رہا۔ کیتھرین نے آ کر مجھے بتایا کہ فرگسن دوپہر کے کھانے کے لئے اس کے ساتھ آئی تھی اور نیچے بیٹھی تھی۔

کیتھرین بولی۔ "میں جانتی تھی۔ کہ تم بُرا نہ مانو گے۔"

"نہیں بُرا کیوں مانوں گا بھلا۔" میں نے کہا۔

"بات کیا ہے میری جان؟" اس نے پوچھا

"میں خود نہیں جانتا۔"

"لیکن میں جانتی ہوں۔ تمہارے پاس کرنے کو کچھ ہے نہیں۔ اور میں ہی میں ہوں اور وہ بھی ایسی ہوں کہ تمہیں چھوڑ کر چلی جاتی ہوں۔"

"ہاں۔ سچ کہتی ہو۔"

"معاف کرو میری جان۔ میں جانتی ہوں کہ تم پر کیا گزرتی ہو گی۔ یہ احساس کتنا وحشتناک ہو گا کہ اب میرے پاس کچھ بھی نہیں۔"

میں نے کہا۔ "میری زندگی کس قدر بھرپور ہوتی تھی اور اب جب تم بھی میرے پاس نہیں ہو تو میری زندگی مزے سے خالی ہے۔ بالکل۔"

"لیکن میں تو تمہارے ساتھ رہوں گی۔ صرف دو گھنٹے باہر رہی ہوں۔ اچھا تمہارے پاس کرنے کرانے کو کچھ بھی نہیں کیا؟"

"میں بارمن کے ساتھ مچھلی کے شکار کے لئے گیا تھا۔"

"کچھ لطف آیا؟"

"ہاں ——"

"جب میں یہاں نہیں ہوتی۔ اس وقت میرے متعلق نہ سوچا کرو — اچھا؟"

محاذِ جنگ پر میں بالکل اسی طرح کیا کرتا تھا۔ لیکن وہاں تو کچھ کام کرنے کو تھا۔ اور یہاں۔"

پھر میں نے کہا۔ "اوتھیلو حبشی تھا حبشی! اور میں اس کی طرح حاسد نہیں ہوں۔ لیکن مجھے تو بس تم سے اس قدر محبت ہو گئی ہے۔ کہ اور کچھ باقی ہی نہیں رہا ——"

"اب اچھے لڑکے بنو گے نا۔ فرگسن آئی ہوئی ہے۔ اس سے اچھی طرح پیش آنا۔"

"میں تو ہمیشہ اس سے اچھی طرح ہی پیش آتا ہوں۔ لیکن جب وہ مجھے بددعائیں دینے لگتی ہے تو۔"

"اچھا اب اس سے مہربانی برتنا۔ ذرا سوچو تو ہمارے پاس کتنا کچھ ہے۔ اور اس کی زندگی کس قدر خالی اور ستم رسیدہ ہے۔"

"میرا خیال نہیں ہے وہ کچھ نہیں چاہیئے جو ہمارے پاس ہے۔"

"اتنے عقلمند ہونے کے باوجود بھی تم کتنا کم جانتے ہو۔"

"اچھا میں اس سے اچھی طرح پیش آؤں گا۔"

"میں جانتی ہوں۔ ہائے تم کتنے اچھے ہو۔"

"اور کھانے کے بعد وہ ٹھہری تو نہ رہے گی۔"

"نہیں — میں کسی طرح اس سے پیچھا چھڑا لوں گی۔"

"اور پھر ہم یہاں آجائیں گے۔"

"یقیناً۔ تمہارا کیا خیال ہے بھلا میں اور کیا کرنا چاہوں گی۔"

پھر ہم فرگسن کے ساتھ کھانا کھانے نیچے چلے گئے۔ اس پر ہوٹل کی عمارت اور کھانے کے کمرے کی شان و شوکت کا بڑا اثر ہوا تھا۔ وہ بوتل کیپری کے ساتھ ہم نے بڑا اچھا کھانا کھایا۔ اسی اثنا میں

کاؤنٹ گریفی کمرے میں آگیا۔ اس نے سر جھکا کر ہمیں سلام کیا۔ اسکی جبانی جو میری دادی سے کچھ کچھ مشابہ تھی۔ اس کے ساتھ تھی۔ میں نے کیتھرئین اور فرگسن کو اسکے متعلق بتایا تو فرگسن اس کی شخصیت سے بہت متاثر ہو گئی۔ یہ شاندار ہوٹل قریباً خالی تھا۔ لیکن اس کا کھانا بہت اچھا تھا۔ اور شراب بےحد خوشگوار تھی۔ اسی شراب نے ہم سب کی طبیعتیں بشاش کر دیں کیتھرئین اس سے بہتر ہو ہی نہ سکتی تھی۔ کیونکہ اس وقت وہ بہت خوش تھی۔ حتیٰ کہ فرگسن بھی خاصی زندہ دل ہو گئی۔ کھانے کے بعد یہ کہہ کر فرگسن اپنے ہوٹل واپس چلی گئی کہ اسے کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام کرنا تھا۔

شام گئے کسی نے ہمارے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟"

"جناب کاؤنٹ گریفی دریافت کر رہے ہیں۔ کہ کیا آپ ان کے ساتھ بلیرڈ کھیلنا پسند فرمائیں گے؟"

میں نے اپنی گھڑی اتار کر تکئے تلے رکھ دی تھی۔ اسے نکال کر میں نے وقت دیکھا۔

کیتھرئین نے سرگوشی میں پوچھا "کیا تمہیں ضرور جانا ہے مری جان؟"

"میرا خیال ہے چلا ہی جاؤں تو بہتر ہو گا"

پھر میں اونچی آواز میں بولا۔ "کاؤنٹ گریفی سے عرض کرنا کہ میں پانچ بجے بلیرڈ روم میں حاضر ہو جاؤں گا"

پونے پانچ بجے کے قریب میں نے کیتھرئین کو بوسہ دے کر غسل خانے کا رخ کیا۔ مجھے کپڑے تبدیل کرنا تھے۔ اور بلیرڈ کے لئے تیار ہونا تھا۔ ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے جب میں نے آئینے میں دیکھا۔ تو شہری لباس میں مجھے اپنا وجود عجیب سا لگا۔ مجھے خیال آیا کہ کچھ قمیضیں اور جرابیں مجھے ضرور خریدنی چاہئیں۔

کیتھرئین نے پوچھا۔ "بہت دیر سے آؤ گے کیا؟"

بستر میں بیٹھی ہوئی وہ بیحد دلکش لگ رہی تھی۔

"ذرا میرا برش پکڑاتے جانا ۔۔۔"

میں اسے بال سنوارتے دیکھنے لگا۔ اُس نے سر ایک طرف کو جھکا رکھا تھا۔ اور اس کے بالوں کا سارا بوجھ اسی جھکاؤ کی طرف تھا۔ باہر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اور بستر کے اوپر جلنے والی روشنی اس کی گردن، کندھوں اور بالوں پہ جگمگا رہی تھی۔ میں اس کی طرف بڑھا اور برش والے ہاتھ کو پکڑ کر میں نے اسے چوم لیا۔ اس کا سر تکیے میں دھنس گیا۔ میں نے بڑے والہانہ جوش سے اس کی گردن اور کندھوں کو بوسے دیئے۔ میں نے اسے کچھ اس شدت سے پیار کیا تھا۔ کہ میں بیہوش سا ہو چلا تھا

"میں جانا نہیں چاہتا۔"

"اور میں بھی نہیں چاہتی کہ تم جاؤ۔"

"پھر ۔۔۔ پھر میں نہیں جاتا کیتھرین۔"

"نہیں ۔۔۔ اس وقت تو چلے جاؤ۔ تھوڑی دیر کی تو بات ہے اور پھر تم میرے پاس ہی تو آ ؤ گے ۔۔۔ سیدھے۔"

"ہم یہیں کھانا کھائیں گے۔"

"جلدی جاؤ ورنہ ۔۔۔ جلدی آنا ۔۔۔"

کاونٹ گریفی مجھے بلیرڈ روم ہی میں ملا۔ بلیرڈ کی میز پہ اترنے والی روشنی میں وہ نازک سا کاونٹ بلیرڈ کی چھڑی ہاتھ میں تھامے کھیل کی مشق کر رہا تھا۔ روشنی سے کچھ ہی دور کارڈ دیکھنے والی میز پہ چاندی کی ایک چھوٹی سی برف بھری بالٹی دھری تھی جس میں شیمپین کی دو بوتلوں کی گردنیں اور کاک برف کے اوپر نظر آ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر کاونٹ گریفی سیدھا ہو کر میری طرف بڑھ آیا

وہ اپنا ہاتھ میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں بیان نہیں کر سکتا۔ آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے کس قدر مسرت ہوئی ہے۔ یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ میرے ساتھ کھیلنے آ گئے ہیں"۔

"یہ آپ کی ذرہ نوازی تھی کہ مجھے طلب فرمایا۔"

"میں نے سنا تھا کہ محاذ پر آپ زخمی ہو گئے تھے۔ اب تو امید ہے آپ صحت یاب ہو چکے ہوں گے"۔

"جی ہاں بالکل ٹھیک ہوں آپ اپنی سنائیے"۔

"میں تو ہمیشہ ٹھیک رہتا ہوں۔ لیکن اب بڑھاپا غالب آنے لگا ہے۔ کچھ ہم کو ایسی نشانیاں دکھائی دینے لگی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں"۔

"میں تو یقین نہیں کر سکتا"۔

"جی ہاں ــ جی ہاں ایسے ہی ہے۔ مثال کے طور پر ایک نشانی تو یہی ہے حضرت کہ اب میں اطالوی زبان زیادہ آسانی سے بول سکتا ہوں۔ میں اپنی تادیب کرتا ہوں اپنی تربیت کرتا ہوں۔ لیکن جب میں تھک جاتا ہوں تو اطالوی ہی میں بات منہ سے نکلتی ہے۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ میں بوڑھا ہو چلا ہوں ــ اور کیا؟"

"میں بھی ذرا ذرا تھکا ہوا ہوں ــ کیوں نہ ہم دونوں اطالوی میں ہی گفتگو کریں"۔ لیکن جب آپ تھکتے ہوں گے۔ تو آپ کے لئے انگریزی میں بات کرنا زیادہ آسان ہو گی"۔

"جی انگریزی نہیں ــ امریکن زبان میں"!

"جی ہاں جی ہاں ــ امریکن ــ آپ از راہ کرم امریکن میں ہی باتیں کیجئے۔ مجھے تو یہ بڑی پر لطف زبان لگتی ہے"!

"مجھے تو بہت کم امریکنوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے"۔

"آپ کو تو وہ بہت یاد آتے ہوں گے۔ اپنے ملک کے لوگ عموماً یاد آتے ہیں۔ مجھے خود اس بات کا تجربہ ہے۔ آپ کھیلیں گے کہ زیادہ تھکے ہوئے ہیں"۔

"تھکان کیسی؟ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اب بتائیے مجھے آپ کس قدر رعایات دیں گے"۔

"آپ کچھ زیادہ کھیلتے رہے ہیں کیا؟"

"میں نے تو عرصہ سے بلیرڈ کی چھڑی کو ہاتھ تک نہیں لگایا"

"لیکن آپ بہت اچھا کھیلتے ہیں۔ سو کے پیچھے دس پوائنٹ کی رعایت ٹھیک رہے گی کیا؟"

"یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے ورنہ ۔"

"پھر پندرہ سہی ۔"

"یہ تو نہایت شاندار بات لیکن میں جانتا ہوں آپ مجھے ہرا دیں گے۔"

"پیسے لگا کر کھیلیں گے کیا؟ پہلے آپ ہمیشہ شرط بد کر کھیلنا پسند کرتے تھے"

"میرا خیال ہے پیسے لگا کر کھیلنا ہی بہتر رہے گا۔"

"بہت خوب ۔ میں آپ کو سو کے پیچھے اٹھارہ پوائنٹ بخش دوں گا اور ہم ایک پوائنٹ کے لئے ایک ایک فرینک لگائیں گے ۔ منظور ہو ؟"

کاؤنٹ بے حد اچھی بلیرڈ کھیلتا تھا۔ رعایت کے باوجود وہ پچاس پر پہنچا تو میں نے صرف چار پوائنٹ بنائے ۔ کاؤنٹ گریفی نے بٹن دبا کر بارمین کو طلب کیا۔

پہلے وہ بارمین کی طرف مخاطب ہو کر بولا ۔ "ایک بوتل کھول دیجئے ذرا ۔" اور پھر مجھ سے کہنے لگا۔ "کچھ اپنے میں جان ڈالنے کے لئے پینا چاہئے۔"

یخ بستہ شراب کا خشک ذائقہ بیحد اچھا تھا۔

"آج کل اطالوی میری بہت بڑی کمزوری ہے۔ آپ برا تو نہ منائیں گے۔ اگر ہم اطالوی میں ہی گفتگو کریں تو"

ہم اطالوی میں باتیں کرتے، نشانے لگانے کے درمیانی وقفوں میں شراب کے گھونٹ چڑھاتے کھیلتے رہے۔ لیکن ہم زیادہ باتیں نہ کر سکے کیونکہ ہماری تمام تر توجہ کھیل پر مرکوز تھی۔ جب کاؤنٹ گریفی نے اپنے سو پوائنٹ پورے کئے ۔ تو میں ابھی رعایت کے چورانوے پر تھا۔ اس نے مسکرا کر میرا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اب دوسری بوتل پئیں گے۔ اور ساتھ ہی آپ مجھے جنگ کے متعلق بتائیں گے کیوں ٹھیک ہے نا؟"

وہ میرے بیٹھنے کا منتظر تھا۔

"جی نہیں جنگ کے سوا۔ اور کوئی بھی بات کیجئے میں تیار ہوں"۔

"آپ جنگ کے متعلق باتیں نہیں کرنا چاہتے — بہت خوب — اچھا۔ تو یہ بتایئے ان دنوں کس چیز کا مطالعہ ہو رہا ہے؟"

"پچھلے دنوں میری صحت بہت خراب رہی اس لئے۔ میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا"۔

"واقعی؟ — لیکن آپ کو پڑھنا تو چاہیئے!"

"جنگ کے دوران میں کیا لکھا بھی گیا ہے؟"

"وہ فرانسیسی ادیب Barbusse نے Le Feu لکھی ہے اور پھر مسٹر برٹلنگ سیزاٹ تھرو

———— بھی تو ہے۔

مسٹر برٹلنگ تو کچھ بھی نہیں دیکھ سکا۔ خواہ مخواہ کتاب لکھ دی۔

"کیا —"

"وہ حالات کو نہیں جانچ سکا۔ یہ کتابیں ہسپتال میں موجود تھیں"۔

"پھر آپ پڑھتے رہے ہیں —"

لیکن اچھی کتاب کوئی بھی نظر سے نہیں گزری"

"میرا خیال ہے مسٹر برٹلنگ انگریزی متوسط طبقے کی روح کا اچھا مطالعہ ہے"۔

"بیچارا مصنف! میرا خیال ہے ہم میں سے روح کے متعلق کوئی بھی کچھ نہیں جانتا — آپ کچھ روحانی ہو رہے ہیں کیا؟"

"رات کے وقت ہو جاتا ہوں"۔ اپنی انگلیوں میں گلاس پھیرتا ہوا کاؤنٹ گریفی مسکرا کر بولا — "میرا خیال تھا عمر کے ساتھ ساتھ میں زیادہ دین دار بن جاؤں گا۔ لیکن پتہ نہیں! ایسے کبھی نہ ہو سکا۔ بڑے افسوس کی بات ہے نا؟"

میں نے پوچھا — "آپ موت کے بعد جینا پسند کریں گے؟"

اور یہ سوال پوچھتے ہی میں نے محسوس کیا کہ موت کا لفظ استعمال کر کے میں نے کتنی بیوقوفی کی۔ لیکن میرا خیال ہے اس نے اس لفظ کا بُرا نہ مانا تھا۔

"یہ تو زندگی کی نوعیت پر منحصر ہے۔ یہ زندگی بڑی خوشگوار ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ زندہ رہوں۔ جیتا ہی چلا جاؤں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے تو تقریباً اتنا جی ہی لیا ہے۔" ہم دونوں چھپرے کی نیچی آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ شمپین برف کی بالٹی میں پڑی تھی اور ہمارے گلاس اس میز پہ پڑے تھے جو ہم دونوں کے درمیان پڑی تھی۔

"اگر عمر نے تم سے بھی اس قسم کی وفا کی جو اس نے میرے ساتھ برتی ہے تو تمہیں زندگی کے کئی عجیب و غریب پہلو نظر آئیں گے۔ کئی انوکھی باتیں تمہیں حیران کریں گی۔"

"لیکن آپ تو بوڑھے لگتے ہی نہیں۔"

"یہ جسم پرانا ہے نا — کبھی کبھی مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میں اپنی انگلی نہ توڑ دوں بالکل جس طرح کوئی چاک کا ٹکڑا ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن اتنے پرانے جسم میں روح اتنی ہی نادان ہے۔ یہ ذرا بھی تو دانا نہیں ہوئی۔"

"لیکن آپ کے دانشمند ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟"

"توبہ توبہ۔ یہی تو مغالطہ ہے لوگوں کو — بڈھے عقلمند نہیں ہوتے — عمر کے ساتھ ان میں دانائی نہیں آتی یہ تو صرف محتاط ہو جاتے ہیں۔"

"شاید محتاط ہونا ہی دانائی ہو۔"

"ایسی دانشمندی تو نہایت بھونڈی شے ہے۔ تم زندگی میں کس چیز کی سب سے زیادہ قدر کرتے ہو؟"

"جس سے مجھے محبت ہے۔"

"میرا بھی یہی حال ہے۔ اور یہ بھلا کہاں کی عقلمندی ہے؟ کیا تم زندگی کی قدر کرتے ہو؟"

"جی ہاں —"

"اور میں بھی اس کی قدر کرتا ہوں۔ کیونکہ اب میرے پاس زندگی کے سوائے اور رہ بھی کیا گیا ہے؟ — زندگی اور سالگرہ کی دعوتیں — اور باقی خلاد — شاید تم مجھ سے زیادہ عقلمند ہو۔ تم سالگرہ کی دعوتیں تو نہیں دیتے ہو نا؟"

وہ ہنس دیا۔ اور ہم دونوں شراب پینے لگے

"آپ کا جنگ کے متعلق دراصل کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے یہ نہایت احمقانہ چیز ہے"

"اور کون جیتے گا؟"

"اطالیہ —"

"کیوں؟

"کیونکہ یہ نسبتاً کم عمر قوم ہے۔"

"کیا کم عمر قومیں ہمیشہ جیتا کرتی ہیں؟"

"ہمیشہ تو نہیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے لئے ان کے جیتنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔"

"اور اس عرصہ کے اختتام پر کیا ہوتا ہے؟"

"پھر یہ چھوٹی اور نوعمر قومیں معتبر اور بوڑھی قومیں بن جاتی ہیں۔"

"اور آپ ابھی کہہ رہے تھے۔ کہ آپ دانا نہیں ہیں۔"

"پیارے بچے یہ دانائی نہیں یہ طنز ہے زہرخند ہے۔"

"لیکن میرے نزدیک تو یہ بڑی عقلمندی کی باتیں ہیں۔"

"یہ کچھ زیادہ دانشمندی نہیں ہے میں اپنی رائے کے عین برخلاف کئی مفروضے پیش کر سکتا ہوں۔

لیکن یہ بھی کوئی ایسی بری بات نہیں کہی میں نے — ہماری شیمپین ختم ہو گئی۔"

"تو پھر —"

"تھوڑا سا دورا اور چلے گا؟ پھر مجھے کپڑے تبدیل کرنا ہیں۔"

"میرا خیال ہے اب بس کریں"

"واقعی ؛ تھوڑی سی اور نہ پئیں گے"؟

"جی نہیں شکریہ"۔

وہ کھڑا ہوگیا۔"

"خدا کرے تم بیحد خوش قسمت، مسرور، اور صحت مند رہو"۔

"شکریہ — ہمیشہ کی شرط قریب قریب پوری ہوچکی ہے۔ اچھا۔ اگر کبھی تم زیادہ دین دار عبادت گزار بن گئے۔ تو میری موت کے بعد میرے لئے دعا کرنا۔ یعنی اگر میں مرگیا۔ میں نے اپنے کئی دوستوں سے یہ گذارش کر رکھی ہے۔ میرا خیال تھا۔ کہ میں بھی عبادت گزار ہو جاؤں گا لیکن یہ ہو نہیں سکا"۔

کاؤنٹ کے چہرے پر افسردہ سی مسکراہٹ آکر گزر گئی۔ لیکن اس مسکراہٹ کے متعلق میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اس کے بڈھے چہرے پر اتنی بے شمار جھریاں پڑی تھیں کہ کسی قسم کی کیفیت کا اندازہ ہی نہ ہوتا تھا۔

میں نے کہا۔ "شاید میں بیحد مذہبی بن جاؤں۔ بہرکیف اگر ایسا نہ ہوسکا تب بھی میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔"

"مجھے تو ہمیشہ یہی توقع تھی کہ مجھ میں بھی عبادت گذاری پیدا ہو جائے گی۔ میرا سارا خاندان خدا سے ڈرنے والا اور پرہیزگار رہا ہے۔ لیکن مجھ پر یہ کیفیت وارد نہیں ہوئی"۔

"ابھی سے ؟ ابھی آپ کا وقت نہیں آیا"۔

"یا شاید بہت زیادہ دیر ہوچکی ہے۔ شاید میرے مذہبی احساسات کی عمر گزر چکی ہے"۔

"مجھ پر یہ کیفیت صرف رات کو طاری ہوتی ہے"۔

"اور اس وقت تم پر محبت کا دورہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن محبت بھی تو مذہبی احساسات میں سے ایک ہے"۔

"آپ یوں سمجھتے ہیں ؟"

"یقیناً" — پھر میز کی طرف ایک قدم بڑھاتے ہوئے وہ بولا "آپ نے کھیلنے کے لئے جو وقت دیا ہے اس کا شکریہ"

"مجھے بھی آپ سے کھیل کر بڑی مسرت ہوئی ہے"

"چلیے اوپر اکٹھے چلتے ہیں"

۳۶

وہ بڑی طوفانی رات تھی۔ جب میری آنکھ کھلی تو بارش کھڑکیوں پہ کوڑے برسا رہی تھی ایک کھلی کھڑکی میں سے بوچھار اندر آرہی تھی۔ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں دبے پاؤں دروازے تک پہنچی ہی کیونکہ میں جگانا نہ چاہتا تھا۔ پھر میں نے آہستہ سے پٹ کھولا۔ بارووالا سامنے کھڑا تھا۔ اس نے اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔ اور ہاتھ میں گیلی ٹوپی تھی۔

"تھے نینتے — میں آپ سے کچھ عرض کرنے آیا تھا"

"کیا بات ہے؟"

"نہایت سنگین بات ہے جی"

میں نے پیچھے دیکھا کمرے میں اندھیرا چھایا تھا۔ جس کھڑکی میں سے پانی آرہا تھا۔ وہاں سامنے فرش گیلا ہو رہا تھا۔

"اندر آجائیے" میں نے کہا۔

میں اسے بازو سے پکڑ کر غسلخانے میں لے گیا۔ اور دروازہ مقفل کر کے بتی جلادی۔

"بات کیا ہے؟ کسی مصیبت میں پھنس گئے ہو کیا؟"

"میں نہیں — آپ نے بینتے۔"

"پھر؟ —"

"وہ لوگ صبح آپ کو گرفتار کرنے آ رہے ہیں"۔

"پھر؟ —"

"میں شہر گیا تھا اور وہاں میں نے ایک کیفے میں انہیں باتیں کرتے سنا تھا۔ میں آپ کو بتانے آیا ہوں"۔

"اچھا"

وہ خاموش کھڑا رہا۔ اس کا کوٹ گیلا تھا۔ اور ہاتھ میں بھیگی ہوئی ٹوپی تھی۔

"وہ مجھے کیوں گرفتار کریں گے بھلا"؟

"اس جنگ کی کوئی تُک بھی ہو تو بتیں؟"

"نہیں وجہ معلوم ہے کیا؟"

"نہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں جی کہ انہیں علم ہے کہ آپ پہلے ایک افسر کی حیثیت میں آئے تھے اور اب آپ بغیر وردی کے یہاں ہیں۔ اس مراجعت کے بعد تو وہ ہر ایک کو گرفتار کر سکتے ہیں۔"

میں نے لمحہ بھر سوچا۔ اور پھر پوچھا۔ "اور یہ گرفتاری کس وقت ہوگی؟"

"صبح کے وقت — عین صحیح وقت کا مجھے علم نہیں"۔

"اب تم بتاؤ کیا کریں۔؟"

"اس نے اپنا ہیٹ سنک میں دھر دیا۔ اس میں سے سارا وقت پانی ٹپکتا رہا تھا۔

"اگر آپ کو کسی قسم کا خوف نہیں۔ تو پھر یہ گرفتاری معمولی چیز ہے۔ لیکن قید ہونا بہت بری بات اور خاص کر ان دنوں — توبہ توبہ"

"میں کب گرفتار ہونا چاہتا ہوں؟"

"تو پھر سوئٹزرلینڈ چلے جائیے۔"

"وہ کس طرح؟"

"میری کشتی میں ——"

میں نے کہا —"لیکن باہر تو طوفان آیا ہوا ہے"

"طوفان تو کب کا گزر چکا۔ اب فضا ناملائم ہے لیکن آپ ٹھیک رہیں گے"

"اور چلا کب جائے؟"

"ابھی —— شاید وہ علی الصبح ہی آپ کو گرفتار کرنے آ جائیں۔"

"اور ہمارا سامان؟ بیگ وغیرہ؟"

"ابھی انہیں بند کر لیجئے۔ اپنی بیگم صاحبہ کو بھی تیار کر لیں۔ میں آپ کے سامان کی دیکھ بھال کروں گا۔"

"اور تم کہاں ہو گے؟"

"میں یہاں انتظار کروں گا۔ میں نہیں چاہتا کوئی مجھے ہال میں دیکھے"

میں نے دروازہ کھولا اور پھر باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ سونے والے کمرے میں پہنچ کر میں نے دیکھا کیتھرین جاگی ہوئی تھی۔

"بات کیا ہے مری جان؟"

میں نے جواب دیا —"کچھ بھی نہیں مانو جی۔ کیا اسی وقت کپڑے بدل کر کشتی میں سوئٹزرلینڈ جانا پسند کرو گی۔"

"تم جانا چاہو گے؟"

"نہیں میرا تو جی چاہتا ہے کہ بستر میں گھس جاؤں"

"بات کیا ہے؟"

"بار والا کہتا ہے کہ وہ لوگ صبح مجھے گرفتار کرنے آئیں گے"

"بار والا دیوانہ ہے کیا؟"

"نہیں تو —"

"تو نے جلدی کرو مری جان — جلدی سے کپڑے بدلو فوراً تیار ہو جاؤ۔"

وہ بستر کی پٹی پر بیٹھ گئی اس کی آنکھوں میں نیند بسی ہوئی تھی۔

"غسل خانے میں بار والا ہے کیا؟"

"ہاں —"

"پھر منہ ہاتھ دھونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مری جان ادھر چہرہ کر لو میں ایک منٹ میں کپڑے بدل لوں گی"

جب اس نے اپنا رات کا لباس اتارا تو اس کی سفید پیٹھ مجھے دکھائی دی۔ پھر میں نے نظریں پرے کر لیں کیونکہ وہ یہی چاہتی تھی۔ اس کا پیٹ بڑھ گیا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں اس کی طرف دیکھوں۔ جب میں کپڑے بدل رہا تھا تو کھڑکیوں پہ بارش کے بجنے کی آواز مجھے سنائی دے رہی تھی۔ میرے لئے سامان باندھنا آسان تھا۔ کیونکہ میرے پاس اکٹھی کرنے والی گنتی کی چیزیں تھیں۔

"مانو اگر تمہیں ضرورت ہو تو میرے بیگ میں کافی جگہ ہے"

وہ بولی — "میرا سامان تو قریباً سارا بندھ چکا ہے۔ میں بڑی بیوقوف ہوں لیکن یہ بتاؤ کہ بار والا غسل خانے میں کیوں گھسا بیٹھا ہے"

"ششش بس — وہ ہمارے بیگ لیجانے کا منتظر بیٹھا ہے"

"بڑی نوازش ہے اس کی"

میں نے کہا — "میرا پرانا دوست ہے۔ ایک بار میں اسے پائپ کے لئے تمباکو بھیجنے والا تھا"

میں نے کھلی کھڑکی میں سے باہر اندھیری رات کا جائزہ لیا۔ جھیل نظر نہ آتی تھی۔ باہر اندھیرا تھا اور بارش تھی صرف ہوا کا زور کم ہو چکا تھا۔

"میں تیار ہوں مری جان — کیتھرین بولی

”بہت اچھا“۔

غسلخانے کے دروازے تک پہنچکر میں نے کہا ۔۔۔ ”ہیلو ۔ یہ لو ہمارے بیگ“

بار والے نے ہمارے دونوں بیگ سنبھال لئے ۔

کیتھرین بولی ۔۔۔ ”آپ کی بڑی مہربانی ہے کہ ہمارے لئے اتنا کچھ کر رہے ہیں“

بار والے نے کہا ۔۔ ”بیگم صاحب آپ تو خواہ مخواہ شرمندہ کرتی ہیں ۔ میں تو آپ کی اس لئے مدد

کر رہا ہوں کہ خود کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں“ پھر میری طرف رخ کر کے بولا ۔

”سنیئے ۔۔۔ میں نوکروں والی سیڑھیوں سے یہ بیگ لے کر کشتی تک پہنچتا ہوں ۔ آپ لوگ اس

طرح باہر جایئے جیسے سیر کے لئے نکلے ہوں“

کیتھرین بولی ۔۔ ”سیر کے لئے تو بیحد پیاری رات ہے“

”رات تو خیر خراب ہے ہی ۔۔۔“

کیتھرین کہنے لگی ۔۔۔ ”شکر ہے میرے پاس چھاتہ ہے“

ہال میں سے ہو کر ہم ان سیڑھیوں پر سے گزرے جن پر موٹے قالین بچھے تھے ۔ سیڑھیوں

کے آخر میں دروازے کے پاس ڈیسک کے پیچھے چپراسی بیٹھا تھا ۔ ہمیں دیکھ کر اس نے متعجب ہوکر پوچھا

”آپ باہر تو نہیں جا رہے جناب ؟“

میں نے جواب دیا ۔۔۔ ”ہاں ۔۔۔ ذرا جھیل پر طوفان کا منظر دیکھنے چلے ہیں“

”اور آپ کے پاس چھتری تو نہیں شاید ؟“

”نہیں ۔۔۔ لیکن کوئی ہرج نہیں اس برساتی پر پانی پھسل جاتا ہے“

اس نے مشکوک نظروں سے کوٹ کی طرف دیکھا ۔ اور پھر کہنے لگا ۔۔۔ ”جی نہیں میں آپ کو کوٹ

لا دیتا ہوں جناب“

وہ تھوڑی دیر کے لئے غائب ہو گیا اور پھر ایک بڑا سا چھاتہ لے کر آیا اور کہنے لگا ۔۔ ”ذرا

پرانا ۔ پھٹا جناب ۔ لیکن ۔۔“

جب میں نے اُسے دس لیرے کا نوٹ دیا تو وہ بولا۔

"آپ بہت ہی اچھے ہیں جناب —— بہت بہت شکریہ۔"

اس نے ہمارے لئے دروازے کا پٹ کھول دیا اور ہم بارش میں باہر چلے گئے۔

وہ کیتھرین کی طرف دیکھ کر مسکرایا

"طوفان میں زیادہ دیر نہ ٹھہریئے گا آپ بھیگ جائیں گے جناب اور بیگم صاحب"

وہ نائب چپڑاسی تھا اور اس کی انگریزی ابھی تک لفظ بہ لفظ ترجمے کی صورت میں چلتی تھی۔

میں نے کہا۔ "ہم واپس آجائیں گے"

پڑا چھاتا تانے ہم روش پر چل دیئے۔ بھیگے بھیگے سیاہ باغوں میں سے ہو کر ہم سڑک پر پہنچے پھر سڑک پار کر کے جھیل کنارے ٹٹیاں لگے راستے پر نکل گئے۔ اب ہوا کنارے سے پرے چل رہی تھی۔ نومبر کی یہ ہوا بیحد سرد تھی اور میں جانتا تھا کہ پہاڑوں میں کہیں برف پڑی تھی۔ گھاٹ پر ورزنوں میں بندھی ہوئی کشتیوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہم وہاں پہنچے جہاں بار والے کی کشتی ہونی چاہئے تھی۔ پتھر دن کے مقابلے میں پانی بالکل سیاہ لگ رہا تھا۔ درختوں کی قطار میں سے بار والا نکل کر آ گیا۔

"آپ کے بیگ کشتی میں ہیں" اس نے کہا

"میں اس کشتی کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہوں" میں نے کہا

"آپ کے پاس کتنے پیسے ہیں؟"

"کچھ ایسے زیادہ نہیں ہیں"

"آپ مجھے بعد میں رقم بھیج دیجئے گا میرے لئے بالکل ٹھیک رہے گا"

"لیکن کس قدر؟"

"جو آپ کا جی چاہے"

"نہیں جی تم ہی بتا دو نا؟"

"اگر آپ پار پہنچ گئے تو مجھے پانچسو فرانک بھیج دیجئے گا۔ اگر آپ نے منزل کو پا لیا تو آپ کو

اتنے پیسے دیتے برا بھی نہ لگے گا"

"بہت خوب"

ایک بنڈل مجھے پکڑاتے ہوئے اس نے کہا — "اس میں کچھ سینڈوچیز ہیں جو کچھ بھی بار میں مل سکا لے آیا ہوں۔ ایک بوتل برانڈی کی ہے دوسری شراب کی"

میں نے ان کو اپنے بیگ میں ڈال کر پوچھا — "کم از کم مجھے ان کی قیمت تو ادا کر لینے دو۔"

"بہت اچھا مجھے پچاس لیرے دے دیجئے"

جب میں نے اسے یہ لیرے دیئے تو وہ بولا — "برانڈی بہت نفیس ہے۔ بیگم صاحبہ کو پلانے میں ذرا بھی تامل نہ کیجئے گا۔ میرا خیال ہے یہ کشتی میں بیٹھ جائیں تو بہتر ہوگا"

کشتی پانی کے ٹکڑوں کے ساتھ پتھریلی دیوار پہ ابھرتی اور ڈوبتی تھی۔ بارمین نے اسے پکڑا اور میں نے کیتھرین کو سہارا دیکر اس میں بٹھا دیا۔

کشتی کے دنبالے میں بیٹھ کر اُس نے اپنا کیپ اردگرد لپیٹ لیا۔

"آپ جانتے ہیں نا کہ کدھر جانا ہے؟"

"جھیل کے شمال کی طرف"

"آپ جانتے ہیں کہ کتنی دور جانا ہوگا"

"لوئینو سے آگے تک"

"لوئینو سے آگے کوینرو۔ کانوبیو اور ٹرانزانو سے گزر کر آپ منزل مقصود تک پہنچیں گے جب تک برساگو نہ پہنچیں ہم سوئیٹزرلینڈ میں داخل نہیں ہوتے"

"اب کیا وقت ہوا ہوگا بھلا؟" کیتھرین نے پوچھا۔

"صرف گیارہ بجے ہیں" میں بولا۔

"اگر آپ ساری رات کشتی چلاتے رہے تو صبح سات بجے آپ کو وہاں پہنچ جانا چاہئے؟"

"اتنی دور ہے کیا؟"

"پنتیس کلو میٹر کے قریب ہے"

"اس بارش میں ہم کمپس کے بغیر کس طرح پہنچ پائیں گے؟"

"نہیں جی کمپس کی تو کوئی ضرورت نہیں۔ پہلے جزیرہ بیلا پہنچ جائیے پھر جزیرہ مادر سے کی دوسری طرف بس ہوا کے رخ چلتے جائیے گا۔ یہ ہوا آپ کو پانزا پہنچائے گی۔ وہاں جب آپ کو بتیاں نظر آئیں تو کنارے پر چلے جائیے"

"شاید ہوا کا رخ بدل جائے ——— پھر!"

وہ بولا ——— "جی نہیں ——— یہ ہوا تین دن تک اسی طرح چلتی رہے گی۔ کشتی کا پانی اُلچنے کے لئے اندر ایک ڈبہ پڑا ہے"

"اس کشتی کی کچھ قیمت ابھی نہ ادا کر دوں"

"نہیں جی میں تو اپنی قسمت آزماؤں گا۔ اگر آپ پہنچ گئے تو جو کچھ آپ کی استطاعت ہوئی مجھے بھیج دیجئے گا"

"بہت خوب"

"مجھے پوری توقع ہے کہ آپ پہنچ جائیں گے"

"پھر تو بڑی اچھی بات ہے۔"

"ہوا کے رخ جھیل کے شمال کی طرف چلتے جائیے ———"

میں نے کشتی میں سوار ہو کر کہا ——— "بہت اچھا"

"آپ ہوٹل کے پیسے وہاں چھوڑ آئے ہیں نا؟"

"ہاں ——— لفافہ میں ڈال کر کمرے میں رکھ آیا ہوں"

"بہت اچھا ——— سفر مبارک ہو۔"

"خوش بختی تمہارے ساتھ ہو اور بہت بہت شکریہ"

"اگر آپ ڈوب گئے تو پھر آپ میرا شکریہ نہ ادا کر سکیں گے"

کیتھرئین نے پوچھا کیا کہتا ہے یہ ؟"

"کہہ رہا ہے خوش بختی آپ کے ساتھ ہو——"

"اور تمہارے بھی ساتھ ہو—بہت بہت شکریہ" کیتھرئین نے بار والے سے کہا

"تیار ہیں ؟"

"ہاں—"

اس نے جھک کر کشتی کو دھکا دیا۔ میں نے چپّو پانی میں ڈال کر چلانا شروع کر دیئے اور پھر ہاتھ ہلا کر بار والے کو الوداع کی۔ بار والے نے اپنا بازو اسی طرح ہلایا جیسے ہمیں روکنے کی التجا کر رہا ہو۔ ہوٹل کی بتیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ میں کشتی کو سیدھا کھیتا ہوا اتنی دُور لے گیا یہ بتیاں مدھم ہوتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ کشتی کے ارد گرد جیسے ایک سمندر بہہ رہا تھا لیکن ہم تند ہوا کے ریلے پر بڑھتے چلے گئے۔

*

۳۷

مَیں تند و تیز ہوا کی طرف رُخ کئے اندھیرے میں چپّو چلاتا رہا۔ بارش ختم ہو چکی تھی فقط کبھی کبھی کسی جھونکے کے ساتھ چھینٹا پڑ جاتا۔ ہر طرف گھور اندھیرا چھایا تھا اور ہوا میں بلا کی سردی تھی۔ دنبالے میں بیٹھی ہوئی کیتھرئین تو مجھے نظر آتی تھی لیکن یہاں پتوار پانی میں ڈوبتے تھے۔ وہاں کا پانی دکھائی نہ دیتا تھا۔ چپّو بڑے لمبے تھے اور ان کے کناروں پر چمڑا نہ تھا۔ اس لئے بار بار میرا ہاتھ پھسلتا تھا۔ میرا یہ عالم تھا کہ چپّو کھینچتا، اٹھاتا، پھر آگے جھک کر پانی دیکھتا اور چپّو کو اس میں ڈبو کر اپنی جانب کھینچتا۔ ان حالات میں جس سہولت سے کشتی چلی

سکتی تھی میں نے چلائی۔ میں نے چپوؤں کے ساتھ کوئی پرزہ باندھا کیونکہ ہوا ہمارے رُخ پر چل رہی تھی۔ مَیں کشتی کو ہوا کے ہوالے لے جانا چاہتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ جائیں گے۔ کشتی بڑی ہلکی تھی اور اسے کھینا آسان تھا۔ اندھیرے پانیوں میں اسے میں چلاتے لئے جا رہا تھا اور سامنے مجھے کچھ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ لیکن میرے دل میں یہی تمنّا تھی کہ کاش ہم جلد ہی پلانزا کی دوسری طرف جا نکلیں۔

لیکن پلانزا ہماری نظروں سے اوجھل ہی رہا۔ ہوا جھیل کے شمال کی جانب چل رہی تھی۔ ایک عرصہ تک تو ہمیں کسی قسم کی روشنی نظر آئی تھی اور نہ ہی ہم نے کوئی ساحل دیکھا تھا۔ بس اندھیرا تھا اور ہماری کشتی تھی کہ جو لہروں پہ ابھرتی چلی جا رہی تھی۔ جب کبھی کوئی لہر ہماری کشتی کو سطح آب سے اوپر اٹھا لیتی تو میرے چپّو پانی تک نہ پہنچ پاتے۔ پانی کی سطح بڑی نا ملائم تھی لیکن میں کشتی چلاتا رہا۔ حتّٰی کہ ہماری کشتی ایک چٹان کے سرے پہ پہنچی۔ لہریں اس چٹان کے اوپر تک بڑھتیں اور پھر پچھاڑ کر پیچھے کی طرف گرتیں۔ بائیں پتوار سے مَیں نے بڑے زور سے پانی پیچھے کی طرف دھکیلا اور دائیں پتوار سے مَیں کشتی آگے کی طرف بڑھانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہم پھر جھیل میں پہنچ گئے۔ چٹان کی نکڑ نظروں سے غائب ہو گئی اور ہم پھر جھیل کے شمال کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مَیں نے کیتھرین سے کہا۔ "ہم جھیل کے پار پہنچ گئے ہیں۔"

"ہمیں تو راہ میں پلانزا نظر آنا تھا۔"

"لیکن وہ تو کہیں راستے میں ہی کھو گیا ہے اور نظر نہیں آیا۔"

"میری جان تمہاری طبیعت کیسی ہے۔"

"نہایت اعلیٰ۔"

"تھوڑی دیر کے لئے مَیں بھی کشتی چلا سکتی تھی۔"

نہیں ـــــ مَیں بالکل ٹھیک ہوں۔"

کیتھرین بولی۔ "بیچاری فرگسن۔ صبح فرگسن ہوٹل میں آئے گی تو دیکھے گی کہ ہم جا چکے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "مجھے اس بات کی تو کچھ ایسی پروا نہیں، مجھے تو بس یہ فکر ہے کہ کسی طرح صبح ہونے سے پہلے سوئٹزرلینڈ کے علاقے میں داخل ہو جاؤں ورنہ اگر کسٹم گارڈ نے ہمیں دیکھ لیا تو پھر خیر نہیں۔"

"بہت دُور ہے کیا؟"

"نہیں، یہی کوئی تیس ایک کلومیٹر ہو گا۔"

میں نے ساری رات کشتی چلائی۔ میرے ہاتھ اس قدر درد کر رہے تھے کہ اب ان میں چپّو پکڑنا قریب قریب ناممکن ہو گیا تھا۔ کئی بار ہماری کشتی کنارے سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ میں نے کشتی کو ساحل کے نزدیک ہی رکھا تھا۔ کیونکہ ایک تو مجھے جھیل پر کھو جانے کا خدشہ تھا۔ دوسرے مجھے یہ خوف لاگو تھا کہ کہیں ہمارا سارا وقت بھٹکتے رہنے میں ہی نہ گزر جائے۔ کبھی کبھی تو ہماری کشتی کنارے کے اس قدر قریب آجاتی کہ درختوں کی قطاریں سڑک، اور سڑک سے پرے پہاڑ صاف نظر آجاتے تھے۔ بارش ختم گئی اور آسمان پہ تیز ہوا بادلوں کو اڑا کر لے چلی تھی۔ بادل پھٹے تو چاند چمکنے لگا اور میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پھر برف پوش پہاڑوں پر چاند چمکنے لگا، اور بادلوں نے ایک بار پھر چاند کو گھیرے میں لے لیا۔ برف پوش پہاڑ اور جھیل سب نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ لیکن پہلے جیسا اندھیرا اب نہ تھا۔ اور کنارہ زیادہ صفائی سے دکھائی دینے لگا تھا۔ میں کشتی کو پلانزا والی راہ پہ اس جگہ نکال لایا جہاں سے کسٹم والے گارڈ اسے نہ دیکھ سکتے تھے۔ جب چاند پھر نکلا تو اس کی چاندنی میں کنارے کنارے پہاڑوں کی اترائی پر سفید بنگلے نظر آتے اور درختوں میں سے جھانکتی ہوئی دودھیا سڑک دکھائی دی۔ میں نے ایک لمحہ بھی ہاتھ نہ روکے اور کشتی چلاتا رہا۔

جھیل پھیل کر چوڑی ہو گئی تھی، اور دوسرے کنارے پہاڑوں کے عین نیچے ہمیں کچھ بتیاں نظر آئیں۔ پہاڑوں کے درمیان ایک شگاف نظر آیا۔ ان ہی دو نشانیوں سے

نے اندازہ لگایا یہ ضرور لومیو ہے۔ اور ہم نے سوچا کہ اگر یہ واقعی لومیو ہے تو پھر ہم بڑے اچھے وقت پہنچ گئے ہیں۔ مَیں نے پتوار کھینچ لئے اور سیٹ پہ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس قدر زیادہ کشتی چلا کر میں بالکل تھک چکا تھا۔ میری باہیں، کندھے، اور پیٹھ دُکھ رہی تھی اور میرے ہاتھ چھل گئے تھے۔

کیتھرین بولی" یہ چھاتا ہمارے کام آسکتا ہے۔ مَیں اسے کھول کر پکڑ لیتی ہوں۔ پھر یہ ہوا کے رُخ بادبان بن کر ہمیں لے چلے گا۔"

"تم کشتی کا رخ پھیرنا جانتی ہو کیتھرین؟" مَیں نے پوچھا۔

"کچھ کر ہی لوں گی۔"

"ایک چپو اٹھا کر اپنی بغل میں دبا لو اور اسے کشتی کے پہلو سے قریب رکھنا۔ تم کشتی کا رُخ دیکھو مَیں یہ چھاتا سنبھالتی ہوں۔"

اُسے پتوار سنبھالنے کا طریقہ بتا کر مَیں دنبالے میں واپس چلا گیا۔ جو بڑا چھاتا مجھے چپراسی نے دیا تھا۔ مَیں نے وہ اٹھا لیا اور ناؤ کے ماتھے کا رُخ کر کے اسے کھولا۔ چھاتا پٹاخ کر کھُلا۔ چھاتے کا ہک سیٹ میں لگا کر ٹانگیں دائیں بائیں کئے مَیں نے چھاتے کو دونوں طرف سے پکڑ لیا۔ چھاتنے میں ہوا اس قدر بھر گئی کہ اس کا کپڑا تن گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے کشتی رینگ کر آگے بڑھی۔ مَیں نے دونوں کنارے پوری شدت سے جکڑ کر پکڑ لئے۔ چھاتا بھی ہوا کے زور سے پیچھے کی طرف کھینچ رہا تھا اور کشتی آگے کی طرف بڑھتی جاتی تھی۔ کیتھرین بولی" بڑی مزے کی رفتار ہے ـــ"

مجھے صرف چھاتے کی تاریں نظر آرہی تھیں۔ چھاتا بے حد زور لگا کر پیچھے کی طرف گھسیٹ رہا اور مجھے لگتا تھا جیسے ہم اس کے ساتھ بہے جا رہے ہوں۔ مَیں نے اپنے پیروں کو مستعد کیا اور ان ہی پر بوجھ ڈال کر مضبوطی سے چھاتے کو پکڑے رکھا لیکن اچانک ہی اس کا بکسوا بند ہو گیا۔ اور چھاتے کی ایک تار میرے ماتھے پر پٹ سے ٹوٹی۔ میں نے اس کا اوپر والا سرا

جو تند ہوا میں جھکا ہوا تھا پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن سارا جھمیلا ہی الٹ لیا۔ اور میں ایک بن ادھڑے ہوئے ایسے چھاتے پر ٹانگیں دائیں بائیں کئے بیٹھا تھا جس کا سارا کپڑا اور تاریں الٹ چکی تھیں۔ ابھی ایک لمحہ پہلے میرے ہاتھ میں ہوا سے لبریز ایک بادبان تھا۔ میں نے سیٹ پر سے چھاتے کا ہک اتارا اور اسے ناؤ کے ماتھے پر رکھ کر کیتھرین کے پاس سے پتوار لینے چل دیا۔ وہ بیٹھی ہنس رہی تھی۔

اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا لیکن ہنستی ہی چلی گئی۔

"پتوار پکڑتے ہوئے میں نے پوچھا: ہیں؟ یہ ہنسے کیوں جا رہی ہو؟ آخر بات کیا ہے"

"ہائے، وہ چیز پکڑتے ہوئے تم کس قدر عجیب لگ رہے تھے"

"شاید لگتا ہی ہوں گا"

"ناراض نہ ہونا میری جان، تم واقعی بےحد عجیب لگ رہے تھے۔ قریباً بیس فٹ چوڑے تھے۔ اور کتنی محبت سے تم نے چھاتا کناروں سے پکڑ رکھا تھا:...... توبہ، توبہ ....."

مارے ہنسی کے اس کا سانس رکنے لگا

"میں کشتی چلاؤں گا اب"

"تھوڑی سی شراب پی لو اور ذرا آرام کر لو۔ اتنی شاندار رات ہے اور ہم کتنی مسافت کاٹ کر آتے ہیں"

"لہروں کی آب ریز میں سے کشتی کو باہر رکھنا ہی ہو گا"

"میں تمہیں شراب دیتی ہوں میری جان بس تھوڑی دیر سانس لو ——— اچھا؟"

میں نے پتوار اونچے کر لئے اور ہماری کشتی ان کے سہارے چلنے لگی۔ کیتھرین نے بیگ کھولا اور مجھے برانڈی کی بوتل پکڑا دی۔ میں نے اپنے جیبی چاقو کے ساتھ اس کا کارک نکالا اور منہ لگا کر خوب شراب چڑھائی۔ اس کا ذائقہ ملائم اور گرم تھا۔ اس کی حدت میرے سارے جسم میں حلول کر گئی اور میں اس کی بدولت گرم ہو کر بشاش ہو گیا۔

"بڑی غضب کی برانڈی ہے۔" مَیں نے کہا۔

چاند پھر چھپ چکا تھا لیکن مجھے کنارہ نظر آرہا تھا۔

"مانو گرم ہوتا ہے؟"

"بہت زیادہ، صرف ذرا جسم اکڑ گیا ہے۔"

"کشتی میں سے پانی نکال دو۔ پھر تم اپنے پیر نیچے رکھ سکو گی۔"

پھر مَیں کشتی چلانے لگا۔ میرے کانوں میں چپّو ——— کی آواز، پتوار کے ڈوبنے ابھرنے کی ہلکی ہلکی صدائیں، اور ڈبّے سے پانی الٹنے کا شور آرہا تھا۔

"یہ ڈول مجھے بھی دینا۔ مجھے پیاس لگی ہے۔" میں نے کہا۔

"ہائے سخت غلیظ ہے۔"

"کوئی ہرج نہیں میں اسے دھو لوں گا۔"

پھر مَیں نے کیتھرین کو اسے ایک جانب دھوتے ہوتے دیکھا اور دھونے کے بعد پانی سے بھرا ہوا ڈول اس نے مجھے پکڑا دیا۔ برانڈی کے بعد مجھے بہت زیادہ پیاس لگ آئی تھی۔ اور برف ایسا ٹھنڈا پانی اس قدر یخ تھا کہ اسے پی کر میرے دانتوں میں درد ہونے لگا۔ مَیں نے کنارے کی طرف نظر کی۔ ہم اس تک آ پہنچے تھے۔ کچھ آگے خلیج میں بتیاں روشن تھیں۔ اسے ٹین کا برتن واپس کرتے ہوئے مَیں نے کہا۔ "شکریہ۔"

کیتھرین بولی ——— "شکریہ کی کیا بات ہے۔ یہاں پانی کی کمی نہیں اور درکار ہو تو لے لیجئے۔"

"تم کچھ کھانا نہیں چاہتیں؟"

"نہیں ابھی نہیں۔ تھوڑی دیر میں مجھے بھوک لگ آئے گی۔ اس وقت کے لئے کھانے کی چیزیں بچا ہی رکھیں۔"

"بہت اچھا۔"

جو اَب تک راس دکھائی دے رہا تھا۔ قریب پہنچنے پر علم ہوا کہ یہ زمین کا وہ بلند ٹکڑا ہے جو ڈوبتا نہیں گیا۔ اسے گزارنے کے لئے ہمیں جھیل میں کچھ دُور تک جانا پڑا۔ جھیل اب تنگ ہوگئی تھی۔ چاند پھر نکل آیا تھا اور اگر وزارت خزانہ کی گارد ہمیں دیکھ رہی ہوتی تو انہیں پانی پہ تیرتی ہوئی ہماری کشتی سیاہ نظر آتی۔

"اب کیا حال ہے؟" مَیں نے پوچھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ لیکن ہم دونوں کہاں ہیں؟"

"میرا خیال ہے اب صرف آٹھ ایک میل باقی رہ گئے ہوں گے۔"

"ہائے خدایا ۔۔۔ اچھا خاصا فاصلہ تمہیں کشتی کھینا پڑے گی۔ تھک نہیں گئے کیا؟"

"نہیں مَیں ٹھیک ہوں، بس صرف ہاتھ چھل گئے ہیں۔"

ہم جھیل کے شمال کی طرف چلے گئے۔ دائیں جانب کے کنارے پر پہاڑوں کا سلسلہ ایک جگہ ٹوٹا ہوا تھا۔ یعنی سطح ہموار ہو کر نیچے ساحل کی شکل اختیار کر گئی تھی میں نے سوچا یہی کانو بیو ہوگا۔ مَیں کشتی چلا کر کنارے سے بہت دُور لے گیا۔ کیونکہ یہاں پر کسی گارڈ کے ملنے کا خطرہ زیادہ تھا۔ مَیں انتہا کا تھک چکا تھا۔ کچھ خاص فاصلہ باقی نہ رہا تھا۔ لیکن جب ایک بار حالت بگڑ جائے تو چھوٹے فاصلے بھی لمبی مسافت لگتی ہے۔ مَیں جانتا تھا کہ مجھے چپّو چلا کر اُس پہاڑ کے آگے سے گزر کر کم از کم پانچ میل تک کشتی چلانی تھی۔ پھر کہیں جا کر ہم سوئٹزرلینڈ کے پانیوں میں ہوں گے۔ چاند قریباً غروب ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے ڈوبنے سے پہلے ایک بار پھر آسمان پر بادل چھا گئے اور چاروں طرف گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ جھیل میں میرا حال ٹھیک رہا۔ مَیں تھوڑی دیر چپّو چلاتا، پھر انہیں اس طرح اٹھا لیتا کہ ہوا چپّو کی تھالی پر زور سے پڑتی۔ کشتی چلتی رہتی اور میں دم لے لیتا۔

"کیتھرین بولی۔۔۔" تھوڑی دیر کے لئے ناؤ میرے حوالے کر دو ۔۔۔"

"میرا خیال ہے تمہیں کشتی نہ چلانی چاہئے۔"

" بکواس ہے۔ بلکہ ناؤ کھینا تو میرے لئے اچھا ہے۔ میرا جسم اکڑا نہ رہے گا۔"

" میرا خیال ہے مانو بلی رہنے ہی دو۔"

" کتنی مہمل بات؟ حاملہ عورت کے لئے اعتدال کی حد تک کشتی چلانا بڑا سود مند ہے۔"

" اچھا ــــ تو بس اس حد تک تم پتوار سنبھال لو۔ پہلے مجھے پیچھے آ جانے دو پھر تم ادھر آنا۔ اور ناؤ کے بالائی حصے پکڑ کر ادھر بڑھنا ــــ کہیں ــــ"

میں اپنے کوٹ کا کالر اٹھا کر دنبالہ کشتی میں بیٹھ گیا اور کیتھرین کو کشتی چلاتے دیکھنے لگا۔ وہ نہایت اچھی طرح سے چپو چلا رہی تھی لیکن پتوار اس کے لئے بہت لمبے تھے اور اسے پریشان کرتے تھے۔ میں نے بیگ کھول کر دو ایک سینڈوچ کھائے اور تھوڑی سی برانڈی چڑھالی۔ برانڈی پیتے ہی حالات اس قدر فسردہ اور برے نہ رہے اس لئے میں نے کچھ اور برانڈی پی لی۔

میں نے کہا ــــ " جب تھک جاؤ تو مجھے بتا دینا ــــ"

اور تھوڑی دیر بعد پھر بولا ــــ " دھیان رکھنا کہیں یہ چپو جھک سے تمہارے پیٹ میں نہ آ لگے۔"

کشتی چلاتے ہوئے وہ کہنے لگی ــــ " اگر ایسے ہوا، تو زندگی بہت آسان ہو جائیگی۔"

میں نے کچھ اور برانڈی چڑھالی۔

" کشتی چلانا مشکل تو نہیں لگ رہا۔"

" نہیں تو۔"

" جب رُکنا چاہو تو مجھے بتا دینا۔"

" بہت اچھا۔"

میں نے تھوڑی سی برانڈی اور پی لی اور دونوں کنارے پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔

" واپس دنبالے میں چلی جاؤ۔ میں نے کافی آرام کر لیا ہے۔"

برانڈی کے طفیل تھوڑی دیر تک میں بڑی آسانی اور باقاعدگی سے کشتی چلاتا رہا۔ لیکن پھر میرے جسم میں چیونٹیاں سی چلنے لگیں اور زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ میں ڈگمگانے لگا۔ برانڈی پینے کے بعد اتنی زیادہ کشتی چلانے کے باعث میرا معدہ صفرے کے کڑوے پن سے بھر گیا۔

"ذرا پانی پلانا مجھے" میں نے کہا۔

"یہ تو بڑی آسان سی بات ہے" کیتھرین بولی۔

صبح ہونے سے پہلے ہی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ یا تو ہوا کا زور ٹوٹ چکا تھا یا ان پہاڑوں کی مہربانی تھی۔ جو جھیل کے گرد ایستادہ تھے کہ ہم بارش سے پناہ میں رہے جب مجھے یقین ہو گیا کہ دن چڑھنے والا ہے تو میں نے مستعد ہو کر چپو سنبھالے اور تیزی سے کشتی چلانے لگا ہمیں قطعی علم نہ تھا کہ ہم جھیل کے کس حصے میں ہیں۔ اور میری یہی کوشش تھی کہ جلد از جلد جھیل کے اُس حصے میں پہنچ جاؤں جو سوئٹزرلینڈ کی ملکیت تھا۔ جب دن کی روشنی پھیلی تو ہم کنارے کے بہت قریب پہنچ چکے تھے۔ درختوں کے جھنڈ اور پتھریلا کنارہ صاف نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیسا شور ہے؟" کیتھرین نے پوچھا۔

میں نے چپو رکھ دیئے اور سننے لگا۔ جھیل کا پانی چیرتی، چھینٹے اڑاتی ایک موٹر بوٹ چلی جا رہی تھی۔ میں نے کشتی کو کنارے کے قریب کر لیا اور خاموشی سے نیم دراز ہو گیا۔ پانی کے کاٹنے کا شور قریب آ گیا اور پھر بارش میں موٹر بوٹ کا تھوڑا سا عقبی حصہ نظر آیا۔ دنبالے میں چار گارڈ بیٹھے تھے انہوں نے سروں پر ٹوپیاں کھینچ رکھی تھیں۔ ان کی قباؤں کے کالر کھڑے تھے۔ اور قرابینیاں کمر کی جانب لٹک رہی تھیں۔ اتنی صبح وہ سب اونگھ سے رہے تھے۔ ان کی ٹوپیوں کا زرد رنگ اور قباؤں پر پیلے رنگ کے نشان مجھے دکھائی دے رہے تھے۔ موٹر بوٹ شور مچاتی پانی چیرتی آگے بڑھتی گئی اور پھر بارش میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں پھر کشتی کو جھیل میں لے آیا۔ مجھے یہی ڈر تھا کہ اگر میں سرحد کے قریب ہو کر گیا تو

کہیں کوئی سڑک کا سنتری ہی مجھے نہ مار ڈالے۔ قریباً پون گھنٹہ میں بارش میں کشتی چلاتا رہا۔ کنارے سے دُور رہ کر بھی اسے ہم نے نظروں سے غائب نہ ہونے دیا۔ ایک بار پھر ہم نے کسی موٹر بوٹ کا شور سُنا۔ لیکن جب تک انجن کا شور ختم نہ ہوا میں خاموش بیٹھا رہا اور کشتی کو ذرا سی جنبش بھی نہ دی۔

"مانو میرا خیال ہے ہم سوئٹزرلینڈ میں پہنچ گئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"واقعی؟"

"وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا کیونکہ جب تک سوئس فوجیں نظر نہ آئیں بات یقینی نہیں ہے۔"

"یا پھر سوئس نیوی نظر پڑ گئی تو یقین ہو جائے گا کہ ہم منزل مقصود پہ پہنچ گئے ہیں۔"

"سوئس نیوی کو مذاق نہ سمجھو۔ یہ جو پچھلی موٹر بوٹ گزری ہے غالباً یہ ان کی نیوی کی تھی۔"

"اگر یہ سوئٹزرلینڈ ہے اور ہم یہاں پہنچ چلے ہیں تو آؤ چل کر خوب اچھا ناشتہ کریں۔ — سوئٹزرلینڈ کے رولز، مکھن اور مربہ بیحد نفیس ہوتا ہے۔"

صبح کی صاف ستھری روشنی پھیلی تھی اور بڑی لطیف قسم کی بارش برس رہی تھی۔ جھیل کے شمال میں ابھی بھی ہوا چل رہی تھی اور پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں شمال کی جانب ہم سے بچھڑتی چلی جا رہی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ ہم سوئٹزرلینڈ میں پہنچ چکے ہیں۔ کنارے سے پرے درختوں میں کچھ گھر نظر آ رہے تھے اور کنارے کے اوپر پتھر سے بنے ہوئے گھروں کا ایک گاؤں آباد تھا۔ پرے کچھ بنگلے اور ایک گرجا دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے سارا وقت ساحل والی سڑک پر نظریں جمائے رکھی تھیں لیکن مجھے ایک بھی سپاہی نظر نہ آیا تھا۔

پھر یہ سڑک جھیل کے بالکل قریب آ گئی اور میں نے سڑک کنارے ایک کیفے میں سے ایک سپاہی کو نکلتے دیکھا۔ اس نے خاکستری سبز وردی پہن رکھی تھی اور جرمنوں جیسا آہنی خود سر پر اوڑھا ہوا تھا۔ اس کے صحت مند چہرے پہ ٹوتھ برش جیسی مونچھیں تھیں اس نے ہماری طرف دیکھا۔

میں نے کیتھرین سے کہا ــــ "ذرا ہاتھ ہلا کر اسے سلام کرو ــــ" کیتھرین نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ سپاہی نے بھی جواباً ہاتھ لہرایا اور جھینپ کر مسکرانے لگا۔ میں نے چپّو چلانے کی رفتار ڈھیلی کر دی اور کہا "ہم سرحد کے اس پار کافی دُور چلے آئے ہیں"

"لیکن میری جان ہمیں تو یقین ہو جانا چاہئیے۔ یہ نہ ہو کہ سرحد سے ہمیں واپس بھیج دیں"

"سرحد بہت پیچھے رہ گئی ہے کیتھرین میں سمجھتا ہوں یہ شہر ہے جہاں کسٹم لگتی ہے۔ بلکہ میں تو وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ برساگو ہے۔"

"یہاں اطالوی نہ ہوں گے کیا؟ کسٹم والے شہر میں تو دونوں ملکوں کے باشندے ہوا کرتے ہیں۔"

"جنگ کے زمانے میں ایسا نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے وہ اطالیوں کو سرحد پار نہ آنے دیتے ہوں گے۔"

یہ چھوٹا سا شہر بڑا پیارا تھا۔ کھاڑی میں ماہی گیروں کی کشتیاں کھڑی تھیں اور جال اڈوں پہ پھیلے ہوتے تھے۔ نومبر کی ستھری بارش برس رہی تھی۔ لیکن اس بارش کے باوجود ساری فضا صاف اور خوشگوار تھی۔

"تو پھر اتر کر ناشتہ کریں؟"

"بہت اچھا"

بائیں ہاتھ کے پتوار سے میں کشتی کھیتا ہوا کنارے کے قریب لے گیا، پھر میں نے کشتی کا رخ سیدھا کر لیا اور کھاڑی میں باقی کشتیوں کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے پتوار اندر کر لئے اور ایک لوہے کی کڑی پکڑ کر گیلے پتھر پہ پیر رکھ کر سوٹزرلینڈ میں پہنچ گیا۔ پھر میں نے کشتی باندھ دی اور اپنا ہاتھ کیتھرین کی طرف بڑھا کر بولا "آؤ ماؤ یہاں آؤ ــــ یہاں اُتر کر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔"

"اور یہ تھیلے؟ ــــ ان کا کیا کروں؟"

"انہیں کشتی میں ہی رہنے دو"

کیتھرین باہر نکل آئی اور ہم دونوں اکٹھے سوئٹزرلینڈ میں تھے۔

"کس قدر خوبصورت ملک ہے" وہ بولی۔

"ہے نا شاندار؟"

"چلو چل کر ناشتہ کریں"

"ہے نا شاندار ملک ـــــ میرے پیروں تلے اس کا احساس ہی لذت بخش ہے"

"میں تو اس قدر اکڑ چکی ہوں کہ فی الحال اس احساس سے لذت نہیں اٹھا سکتی لیکن اس ملک کی خوب صورتی میں کلام نہیں، میری جان کچھ سمجھ رہے ہو ہم اس ملک میں ہیں اور اس بدبخت جگہ میں نہیں"

"کیوں نہیں ـــــ میں خوب سمجھ رہا ہوں۔ اس سے پہلے کوئی بات اس طرح ذہن نشین نہیں ہوتی"

"ذرا گھروں پر ایک نظر ڈالو۔ کتنا نفیس چوک ہے۔ وہاں شاید ہمیں ناشتہ مل سکے گا"

"بارش بھی غضب کی دلکش ہو رہی ہے۔ اطالیہ میں ایسی بارش کبھی ہوتی ہے؟ یہ تو نہایت فرحت بخش بارش ہے"

"اور ہم یہاں ہیں میری جان ـــــ تم اس بات کی اہمیت سمجھتے ہو؟"

ہم کیفے کے اندر پہنچ کر لکڑی کی ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔ مارے خوشی کے ہم بھیگے ہو رہے تھے۔ پھر ایک شاہانہ قسم کی صاف ستھری عورت ایپرن باندھے آئی اور پوچھنے لگی کہ ہم کو کھانے کے لئے کیا کچھ درکار تھا۔

کیتھرین بولی۔ "رولز ـــ مربہ اور کافی"

"معاف کیجئے جنگ کے زمانے میں ہمارے ہاں رولز نہیں ملا کرتے"

"اچھا تو ڈبل روٹی سے آؤ۔"

"میں کچھ ٹوسٹ بنا کر لا سکتی ہوں۔"

"بہت خوب۔"

"میرے لئے کچھ تلے ہوئے انڈے بھی لیتی آنا۔"

"اور جناب کے لئے؟"

"تین ـــــ"

"چار انڈے تو کھاؤ کم از کم ـــــ میری جان"

"اچھا چار ہی سے آؤ۔"

جب عورت چلی گئی تو میں نے کیتھرین کو چوم کر اس کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ہم دونوں کبھی ایک دوسرے کی طرف اور کبھی کیفے کو دیکھتے رہے۔ پھر کیتھرین بولی۔"میری جان ـــــ میری جان دلکش جگہ ہے نا؟"

"نہایت شاندار ـــــ" میں نے کہا۔

کیتھرین کہنے لگی "مجھے تو ذرا بھی پروا نہیں کہ یہاں رولز نہیں ملتے۔ ساری رات مجھے اُن کا خیال ستاتا رہا ہے لیکن اب مجھے رنج نہیں ہوا ـــــ رتی بھر بھی نہیں۔"

"میرا خیال ہے ہم بہت جلد گرفتار ہو جائیں گے۔"

"پروا نہ کرو میری جان۔ پہلے ناشتہ تو کر لیں۔ ناشتے کے بعد نہیں گرفتاری اتنی بُری نہ لگے گی۔ اور یہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ ہم بڑی حیثیت کے انگریز اور امریکن ہیں۔"

"تمہارے پاس پاسپورٹ ہے نا؟"

کیوں نہیں۔ لیکن ایسی باتیں نہ کریں یہ وقت خوشی ہونے کا ہے مسرور ہونے کا ہے۔"

میں نے کہا۔"میں اس سے زیادہ خوش ہو ہی نہیں سکتا۔"

ایک موٹی سی خاکستری بلّی جس کی دم کلغی کی طرح اٹھی ہوتی تھی فرش پار کرکے ہماری میز کے نیچے آ گئی۔ پھر وہ اپنا جسم میری ٹانگ کے ساتھ رگڑنے اور خرخر کرنے لگی میں نے نیچے جھک کر پیار سے اسے تھپکا اور کیتھرین مسرّت سے میری طرف دیکھ کر مسکراتی رہی۔

"لیجئے کافی آ گئی ـــــ" اس نے تھوڑی بعد کہا۔

ناشتے کے بعد انہوں نے ہمیں گرفتار کر لیا۔

ناشتے کے بعد ہم گاؤں میں تھوڑی دیر سیر کرتے رہے پھر ہم کھاڑی کی طرف اپنے بیگ لینے چل دیئے۔ ہماری کشتی پر ایک سپاہی کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔

"یہ تمہاری کشتی ہے کیا؟"

"جی ـــــ"

"اور تم کہاں سے آئے ہو؟"

"جھیل کے اوپر کی طرف سے ـــــ"

"پھر تو تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

"اور ان تھیلوں کا کیا ہو گا؟"

"تم انہیں اٹھا کر لے چلو۔"

میں نے بیگ اٹھا لئے اور کیتھرین میرے ساتھ چلنے لگی۔ ہمارے پیچھے سپاہی تھا۔ اور ہم پرانے کسٹم گھر کی طرف لے چلا تھا۔ وہاں وردی میں ملبوس دبلا پتلا لفٹیننٹ موجود تھا۔ اسی نے ہم سے جرح کی تھی۔

"آپ کی قومیت؟"

"امریکن ـــــ اور انگریز۔"

"ذرا اپنے پاسپورٹ دکھائیے۔"

مَیں نے اپنا پاسپورٹ اس کے حوالے کر دیا اور کیتھرین اپنے بٹوے کو کھولنے لگی۔
وہ کافی دیر تک ان کی جانچ پڑتال کرتا رہا۔
"بھلا اس طرح کشتی میں سوار ہو کر سوئٹزر لینڈ میں گھسنے کی وجہ ؟"
مَیں نے کہا۔" مَیں کھیلوں کا شوقین ہوں اور کشتی چلانا میرا مشغلہ ہے جب بھی مجھے موقع ملتا ہے مَیں کشتی چلایا کرتا ہوں۔"
"اور آپ یہاں کیوں آئے ہیں ؟"
"سردیوں کی کھیلوں کے لئے وارد ہوئے ہیں۔ ہم دونوں سیاح ہیں اور یہاں سردیوں کی کھیلوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔"
"یہاں ایسی کھیلوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"
"یہ تو ہم جانتے ہیں۔ لیکن ہم کسی ایسی جگہ پہنچنا چاہتے ہیں۔ جہاں یہ کھیلیں ہوں گی۔"
"اور اطالیہ میں آپ کا کیا شغل تھا ؟"
"وہاں میں فن عمارت گری سیکھ رہا تھا، اور یہ میری خالہ زاد بہن آرٹ کی مشق کر رہی تھیں۔"
"اور وہاں سے آپ کیوں آ گئے ؟"
"مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں ہم سردیوں کی کھیلوں میں حصہ لینا چاہتے تھے جنگ کے باعث فن عمارت گری سیکھنے کا مشغلہ ختم ہو گیا۔"
لفٹیننٹ کہنے لگا۔" از راہ کرم یہیں ٹھہر جائیے مَیں ابھی آیا۔"
وہ ہمارے پاسپورٹ لے کر بلڈنگ کے اندر چلا گیا۔
کیتھرین بولی۔" تم تو بے حد شاندار ہو میری جان بس اسی انداز میں بولتے چلو۔ یہی ظاہر کرنا کہ تم سردیوں کی کھیلوں کے لئے آئے ہو۔"
"تمہیں آرٹ کے متعلق کچھ علم ہے ؟"

"ہاں روبینز کا پتہ ہے۔"

"موٹا اور بڑا آرٹسٹ۔" مَیں نے کہا۔

"اور تی تیان"

"تیشن جیسے بال، اور مون تین کے متعلق کچھ نہیں جانتیں کیا؟"

کیتھرین بولی۔ "مشکل سوال مت پوچھو۔ گو مَیں اُسے جانتی ضرور ہوں ——
نہایت کڑوا —— نہایت۔"

مَیں نے کہا —— "نہایت ——"

کیتھرین کہنے لگی —— "دیکھائیں تمہارے لئے بڑی شاندار بیوی بنوں گی۔ مَیں تمہارے گاہکوں کے ساتھ آرٹ کی باتیں کیا کروں گی۔"

"وہ آپہنچا۔" مَیں بولا۔

سوکھا لفٹیننٹ ہاتھ میں پاسپورٹ پکڑے کسٹم ہاؤس کی طرف سے آتا دکھائی دیا۔
ہمارے قریب پہنچ کر اس نے کہا: "مجھے آپ کو لوکارنو بھیجنا پڑے گا۔ آپ یہاں سے کوئی گھی پکڑ سکتے ہیں۔ اور میرا سپاہی آپ کے ساتھ جائے گا۔"

مَیں نے کہا —— "بہت خوب لیکن میری کشتی کا کیا بنے گا؟"

"وہ تو ضبط ہو چکی ہے، اور ان تھیلوں میں کیا ہے؟"

اس نے تھیلوں کی تمام چیزیں اتھل پتھل کر دیکھیں اور پھر جب اس نے پونی بوتل برانڈی کی پکڑی تو مَیں نے پوچھا: "میرے ساتھ شراب پینا قبول فرمائیے۔"

وہ سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "جی نہیں شکریہ آپ کے پاس کتنے پیسے ہیں؟"

"پچیس سو لیرے۔"

پیسوں کا سن کر وہ بیحد متاثر ہو گیا اور بولا —— "اور آپ کی کزن کے پاس کتنی رقم ہے؟"

کیتھرین کے پاس بارہ سو سے زائد لیرے تھے۔ لفٹیننٹ خوش ہو گیا۔ اس کا رویہ پہلے کی طرح متکبرانہ نہ رہا۔

وہ بولا ــــ "اگر آپ سردیوں کی کھیلوں میں شرکت کرنا چاہتے ہیں تو پھر لوہانگو بہترین جگہ ہے۔" پھر اس نے کہا۔

"وہاں میرے والد کا نہایت اچھا ہوٹل ہے۔ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔"

مَیں نے کہا "یہ تو بڑی اعلیٰ بات ہوئی۔ آپ مجھے پتہ بتا سکتے ہیں؟"

"مَیں کارڈ پر لکھ دیتا ہوں۔"

ایڈریس لکھنے کے بعد اس نے بڑی شائستگی سے مجھے کارڈ پکڑایا۔

"یہ سپاہی آپ کو لوکارنو لے جائے گا۔ اس کے پاس آپ کے پاسپورٹ ہوں گے مجھے افسوس ہے کہ آپ کو یہ زحمت کرنا ہو گی۔ لیکن کیا کریں۔ یہ ضابطہ ضروری ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ لوکارنو میں آپ کو یا تو ویزا مل جائے گا یا پولیس پرمٹ دستیاب ہو جائیگا۔"

پھر لفٹیننٹ نے ہمارے پاسپورٹ سپاہی کو پکڑا دیئے اور بیگ اٹھا کر ہم گاؤں کی طرف چل دیئے۔ ہمیں بگھی پکڑنا تھی۔

"ارے بات سننا۔" لفٹیننٹ نے سپاہی کو آواز دی۔

پھر اس نے جرمن بولی میں اس سے کچھ کہا۔ سپاہی نے اپنی بندوق پیٹھ پر گل پٹی میں لٹکا دی اور ہمارے بیگ اٹھا لیے۔

"عظیم ملک ہے یہ بھی۔"

"بڑے عملی لوگ ہیں یہاں کے۔"

میں نے لفٹیننٹ کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا ــــ "خدمت ــــ خدمت ہمارا فرض ہے۔"

ہم اپنے گارڈ کے پیچھے پیچھے گاؤں میں داخل ہو گئے۔

ٹیکسی میں بیٹھ کر ہم لوکارنو پہنچے۔ سپاہی ڈرائیور کے ساتھ سامنے والی سیٹ پر بیٹھا۔ لوکارنو میں ہمارا حال کچھ ایسا بُرا نہ رہا۔ وہاں ہماری جواب دہی ضرور ہوئی لیکن چونکہ ہمارے پاس پیسے تھے، پاسپورٹ تھے اس لئے اس کا رویہ مہذب تھا۔ میرا خیال ہے انہیں ہماری کہانی پر ذرا بھی اعتبار نہ آیا تھا۔ خود میرے نزدیک ہماری کہانی بودی اور احمقانہ تھی۔ لیکن وہ جگہ عدالت سے مشابہ تھی۔ وہاں منطق درکار نہ تھی۔ وہاں کچھ خفیت کی ضرورت تھی اور بغیر سمجھے سمجھاتے اس پہ کاربند ہونا تھا۔ ہمارے پاس پاسپورٹ تھے اور خرچنے کو اچھی خاصی رقم تھی۔ اس لئے انہوں نے ہمیں عارضی ویزے دے دیئے۔ کسی وقت بھی انہیں واپس لیا جا سکتا تھا۔ ہمیں حکم ہوا کہ جہاں بھی جائیں پولیس میں رپورٹ کر دیں۔

"کیا ہم جہاں چاہیں جا سکتے ہیں؟"

"جی ہاں ــــــ"

"اور بھلا ہم کہاں جانا چاہتے تھے" میں نے کیتھرین سے پوچھا۔ "ما تو تم کہاں جانا چاہو گی؟"

"مونترو۔"

افسر بولا۔ "بڑی اچھی جگہ ہے۔ میرا خیال ہے آپ کو بہت پسند آئے گی۔"

ایک دوسرا افسر کہنے لگا۔ "لوکارنو بھی بہت اچھی جگہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہاں رہنا بھی پسند کریں گے۔ بڑی دلکش جگہ ہے۔"

"ہم تو کسی ایسی جگہ جانا چاہتے ہیں جہاں سردیوں کی کھیلیں ہوں۔"

"مونترو میں تو اس قسم کی کوئی کھیلیں نہیں ہوتیں۔"

دوسرا افسر بولا۔ "معاف کیجئے میں مونترو کا رہنے والا ہوں۔ اور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہاں سردیوں کی کھیلیں ریوسے سٹیڈیم میں ہوا کرتی ہیں۔ اس بات

کی یوں تردید کرنا سرے سے نادرست ہے۔"

"میں انکار نہیں کر رہا۔ میں نے تو بس صرف یہ کہا ہے کہ وہاں سردیوں کی کھیلیں نہیں ہوتیں"

"معزز حضرات مجھے افسوس ہے کہ اب مجھے چلنا ہوگا میری گنز دی بہت تھک چکی ہیں سو نمائش کے طور پر ہم مونترو ہی چلے چلتے ہیں"

پہلے افسر نے مجھ سے ہاتھ ملا کر کہا۔ "میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں"

دوسرا افسر بولا۔ "میرا خیال ہے آپ کو لوکارنو چھوڑ کر پچھتانا پڑے گا۔ بہرکیف مونترو پہنچ کر پولیس کو رپورٹ دیجئے گا۔"

پہلے افسر نے مجھے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "پولیس کے ساتھ کسی قسم کی ناخوشگواری پیش نہ آئے گی وہاں کے تمام لوگ نہایت خلیق اور شائستہ ہیں۔"

میں نے ان کے جواب میں بات کی۔ "آپ دونوں کا بہت بہت شکریہ۔ آپ دونوں کی صلاح کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں۔"

کیتھرین بولی۔ "خدا حافظ۔ آپ دونوں کا بہت بہت شکریہ"

دونوں نے سر جھکا کر ہمیں سلام کیا۔ صرف لوکارنو کے علمبردار کے سلام میں سرگرمی نہ تھی۔

سیڑھیاں اتر کر ہم بگھی میں سوار ہو گئے

کیتھرین کہنے لگی۔ "بخدا — اس سے پہلے نکلنے کا کوئی طریقہ ہی نہ تھا کیا؟"

میں نے ڈرائیور کو اس ہوٹل کا نام بتا دیا جس کی ایک افسر نے تعریف کی تھی۔

کوچوان نے لگام اٹھا لی۔

کیتھرین پوچھنے لگی۔ "فوج بھول گئی ہے نا؟"

سپاہی بگھی کے پاس ہی کھڑا تھا میں نے اسے دس لیرے کا نوٹ دیا اور بولا۔ "معاف کرنا، ابھی میرے پاس سوئس سکے نہیں ہیں۔"

اس نے میرا شکریہ ادا کر کے فوجی سلام کیا اور چلتا بنا۔

بگھی چل پڑی اور ہم ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔

راہ میں میں نے کیتھرین سے پوچھا " بھلا تمہیں مونترو کا خیال کیسے آیا؟ واقعی وہاں جانا چاہتی ہو"

وہ کہنے لگی۔ "یہی جگہ پہلے میرے ذہن میں آئی اور بری جگہ نہیں۔ اوپر پہاڑوں میں کوئی جگہ ڈھونڈلیں گے۔

"تمہیں تو نیند آرہی ہوگی ماننا؟"

"اس وقت بھی سوئی ہوئی ہوں"

"اب چل کر خوب اچھی طرح سوئیں گے۔ بیچاری لڑکی کیسی لمبی بھیانک رات کاٹی ہے تونے" کیتھرین بولی ـــــ "میرا وقت تو نہایت اچھا کٹا ہے۔ خاص طور پر جب تم چھاتے کے ساتھ اڑے چلے جارہے تھے"

"کیا تمہیں یقین آرہا ہے مانو کہ ہم سوئٹزرلینڈ میں ہیں"

"نہیں۔ مجھے تو لگتا ہے جب میری آنکھ کھلے گی یہ سب خواب ہوگا"

"مجھے بھی یہی لگتا ہے"

"یہ سچ ہے نا مری جان! کہیں میں تمہیں میلان کے سٹیشن پر الوداع کہنے تو نہیں جارہی؟"

"کاش ایسا نہ ہو"

"ہائے اللہ یہ نہ کہو مجھے ڈر آتا ہے ہو سکتا ہے ہم سٹیشن ہی کی طرف جارہے ہوں"

"میں اسقدر مدہوش ہو چکا ہوں کہ اب مجھے کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا ـــــ" میں نے کہا

"ذرا اپنے ہاتھ دکھانا!"

میں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے ان پر چھالے پڑ گئے تھے۔ اور خون سمٹ آیا تھا۔

بگھی سڑک پر چلی جارہی تھی۔

"ہائے بیچارے ہاتھ ـــ" کیتھرین بولی۔

میں نے کہا ۔ "نہیں ہاتھ نہ لگانا ۔ بخدا میں نہیں جانتا کہ ہم کہاں ہیں؟ ۔ کوچوان! ۔ کوچوان ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

کوچوان نے گھوڑا روک لیا ۔

"ہوٹل میتروپول کی طرف ۔ کیا آپ جانا نہیں چاہتے؟"

میں بولا ۔ "ہاں ۔ ہاں ۔ سب ٹھیک ہے ماتو سب کچھ ٹھیک ہے"

"گھبراؤ نہ میری جان ۔ ہم ٹھیک ٹھاک ہیں ۔ آج رات ہم اچھی طرح سوئیں گے اور صبح یہ کیفیت تمہیں طاری نہ ہوگی"

میں نے کہا "میں خاصا متوالا ہو جاتا ہوں ۔ مجھے تو آج کا دن مراحیہ اوپیرا لگتا ہے شاید مجھے بھوک لگی ہے اس لئے ۔"

"تم تھک گئے ہو مری جان اور کوئی وجہ نہیں ۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے"

بگھی ہوٹل کے سامنے رک گئی ۔ کوئی ہمارے تھیلے لینے کے لئے آگے بڑھا ۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں" میں نے کہا ۔

ہم روش پر سے ہو کر ہوٹل کی جانب بڑھ رہے تھے ۔

"میں جانتی ہوں تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے بس ذرا یہ تکان دور ہو جائے تو ۔ ایک عرصہ سے جاگ رہے ہو اسی لئے ۔"

"بہر کیف ہم پہنچ ہی گئے"

واقعی ہم پہنچ ہی گئے ۔

پانچویں کتاب

۳۸

ہم اس لڑکے کے پیچھے ہوٹل میں داخل ہو گئے جس نے ہمارے بیگ اٹھا رکھے تھے اسس خزاں بڑی دیر سے برف باری شروع ہوئی۔ ہم پہاڑ کے پہلو میں صنوبر کے درختوں میں گھرے ہوئے براؤن گھر میں رہتے تھے۔ رات کو اسقدر برف پڑتی کہ ہمارے ڈریسنگ ٹیبل پر دھری ہوئی دونوں ٹھلیاؤں پر بھی صبح کہرے کی تہہ ہوتی۔ تڑکے مسز گٹنگن ہمارے کمرے میں کھڑکیاں بند کرنے آتی۔ پھر وہ پورسلین کے بنے سٹوو میں آگ جلاتی۔ صنوبر کی لکڑیاں چٹختیں اور پھر بھڑکتی ہوئی آگ سٹوو میں جل اٹھتی۔ دوبارہ جب مسز گٹنگن ہمارے کمرے میں آتی۔ تو جلانے کے لئے اس کے پاس لکڑیوں کے بڑے بڑے ٹھنٹھ ہوتے اور ساتھ ہی گرم پانی کی ایک صراحی بھی لے آتی۔ جب کمرہ گرم ہو جاتا۔ تو وہ ناشتہ لے کر پہنچ جاتی۔ بستر میں بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہوئے ہم جھیل دیکھتے۔ جھیل کے پرے فرانسیسی علاقے میں پھیلے ہوئے پہاڑوں کا نظارہ کرتے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی تھیں۔ اور جھیل کا رنگ فولادی نیلاہٹوں میں ڈوبا ہوا خاکستری نظر آتا۔

باہر چوبی جھونپڑی کے سامنے سے ایک سڑک پہاڑ کی طرف جاتی تھی۔ برف کے باعث ابھری ہوئی سڑک کی سطحیں اور پہیوں کے نشان لوہے کی طرح سخت ہو چکے تھے۔ سڑک جنگل میں سے گزرتی پہاڑ پر چڑھتی اور چکر لگاتی وہاں پہنچتی تھی۔ جہاں مرغزار تھے۔ جنگلوں کے آخر میں اس ترائی کے علاقے میں کئی جھونپڑے اور کیبن تھے۔ ان جنگلوں سے آگے نیچی ہوتی وادی صاف نظر آتی تھی۔ یہ وادی بہت گہری تھی۔ اور اس کے آخر میں ایک ندی بہتی تھی۔ جو

آگے چل کر جھیل سے جا ملتی تھی۔ جب وادی میں تیز ہوا چلتی۔ تو چٹان میں بہنے والی اس ندی کا شور سنائی دیتا۔

کبھی کبھار ہم اس سڑک کو چھوڑ کر اس پگڈنڈی پر ہو لیتے۔ جو صنوبر کے جنگل میں سے گزرتی تھی۔ جنگل کی زمین چلنے کے لئے بڑی نرم تھی۔ سڑک کی طرح برف نے اسے سخت نہ کیا تھا۔ ہمیں تو سڑک کا کڑا پن بھی برا نہ لگتا تھا، کیونکہ ہمارے جوتوں کے تلووں میں اور ایڑیوں میں کیل لگے ہوئے تھے۔ گاڑیوں کے بنے ہوئے نشانوں میں ہماری ایڑی کے کیل دھنس جاتے۔ اور اس طرح ہمیں چلنے میں بڑا لطف آ رہا تھا۔

جس گھر میں ہم رہتے تھے۔ اس کے سامنے پہاڑ کی ڈھلوان بڑی تیکھی تھی اور آگے چل کر جھیل کے سامنے چھوٹی سی ہموار زمین سے جا ملتی تھی۔ سورج کی دھوپ میں ہم پورچ میں بیٹھ کر پہاڑ کے پہلو میں پڑتی ہوئی سڑک کا نظارہ دیکھتے۔ نیچے پہاڑ پہ اگے ہوئے تاکستان نظر آتے۔ سردیوں میں انگور کی ساری بیلیں مردہ ہو چکی تھیں۔ ان تاکستانوں سے پرے پتھر کی دیوار میں بٹے ہوئے کھیت تھے۔ اور جھیل کے کنارے ہموار جگہ پر شہر کے گھر نظر آتے تھے۔ جھیل کے اندر ایک ایسا جزیرہ تھا۔ جس پر درخت اگے ہوئے تھے۔ یہ درخت کسی ماہی گیر کی کشتی کے دوہرے بادبانوں سے مشابہہ تھے۔ جھیل کے دوسرے کنارے پر تیکھی ڈھلوانوں والے پہاڑ تھے جہاں جھیل ختم ہوتی تھی۔ اس طرف پہاڑوں کے — دو سلسلوں کے درمیان رون کی ہموار اور سپاٹ وادی تھی۔

جب کبھی سورج کی حدّت زیادہ ہوتی اور اس کی دمکتی کرنیں ہر طرف پھیلتیں۔ ہم پورچ میں بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ لیکن دوسرے وقت عام طور پر ہم اوپر والے چھوٹے سے کمرے میں کھانا کھاتے تھے۔ جس کی دیواریں سادہ لکڑی کی تھیں۔ اور جس کے کونے میں بڑا سٹوو پڑا ہوا تھا۔ شہر سے ہم کچھ کتابیں اور رسالے خرید لائے تھے ہوئیل کی ایک کاپی مہیا کر لی تھی۔ اور تاش کی کئی ایسی کھیلیں سیکھ چکے تھے۔ جو صرف دو آدمی کھیل سکتے ہیں۔ سٹوو والے اس چھوٹے کمرے میں

ہم رہتے بستے تھے۔ کمرے میں دو آرام دہ کرسیاں تھیں۔ رسالے اور کتابوں کے تھے ایک میز تھی۔ اس کے علاوہ سب کھانے پینے کے برتن نہ ہوتے۔ تو ہم کھانے والی میز پر بیٹھ کر تاش کھیلا کرتے تھے۔ گنگلن کا جوڑا نیچے رہتا تھا۔ اور کبھی کبھار شام کے وقت ان کی باتیں کرنے کی آواز آیا کرتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ آپس میں بہت خوش رہتے تھے۔ مسٹر گنگلن ہوٹل میں ہیڈ ویٹر تھا۔ اسی میں بیگم صاحبہ نگرانی کا کام کیا کرتی تھی۔ ان دونوں نے پیسے جوڑ کر یہ جگہ خریدی تھی۔ ان کا لڑکا ان دنوں زیورچ کر کسی ہوٹل میں ہیڈ ویٹر بننے کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ نیچے بیٹھک میں وہ شراب اور بیئر بیچتے تھے اور کبھی کبھی شام کے وقت سڑک پر گاڑیاں رکنے کی آواز آتی تھی۔ گاہک شراب پینے کے لئے سیڑھیاں چڑھ کر نشست گاہ میں چلے جایا کرتے تھے۔

ہمارے کمرے کے باہر لکڑیوں کا بکس دھرا تھا۔ اس میں سے لکڑیاں لے کر آگ کو زندہ رکھا جا سکتا تھا۔ لیکن ہم رات کو دیر تک نہ جاگتے تھے۔ سونے والے بڑے کمرے میں اندھیرا کر کے ہم اپنے بستر میں گھس جاتے۔ جب میں کپڑے تبدیل کر لیتا۔ تو پھر میں کھڑکیاں کھول کر باہر رات کو دیکھتا۔ سرد یخ بستہ ستارے فضا میں ٹمٹماتے نظر آتے۔ کھڑکی کے نیچے صنوبر کے درخت دکھائی دیتے پھر میں جتنی جلد ممکن ہو سکتا۔ بستر میں دبک جاتا۔ باہر کی ستھری سرد رات میں بستر پڑا پر لطف تھا۔ ہم بڑی گہری نیند سویا کرتے تھے۔ اور اگر کبھی رات کو میری آنکھ کھل جاتی۔ تو میں جانتا۔ کہ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔

کبھی کبھی ہم پہاڑ سے اتر کر مونترو چلے جاتے۔ پہاڑ پر ایک پگڈنڈی بھی اترتی تھی۔ لیکن یہ راہ بڑی ڈھلوان اور ترچھی تھی۔ اس لئے ہم عام طور پر چوڑی اور سخت سڑک پر سے جاتے تھے یہ سڑک کھیتوں میں سے گذرتی ہوئی پتھر کی دیواروں میں گھرے ہوئے تاکستانوں سے نکل کر مونترو پہنچتی تھی۔ پہاڑ کے پہلو میں انگوروں کی سیڑھیاں نما کھیتیاں تھیں۔ ہر ایک بیل ایک لکڑی کی چھڑی سے بندھی ہوئی تھی۔ تاکہ گچھوں کے بوجھ سے بیلیں گر نہ جائیں۔ بیلیں بالکل خشک اور پرانی ہو

چکی تھیں۔ نیچے جھیل بالکل ہموار اور فولاد کی طرح بھوری نظر آتی تھی۔

مونترو میں ہماری واقفیت کسی سے بھی نہ تھی۔ ہمارا معمول تھا۔ کہ جھیل کنارے چلتے رہتے۔ جھیل میں راج ہنس اور مرغابیاں تیرا کرتی تھیں۔ اگر وہ پانی میں اپنی شکل دیکھ لیتے۔ تو چیخنے لگتے اور اگر کوئی ان کے قریب پہنچ جاتا۔ تو یہ پر تولے اڑ جاتے۔

شہر میں پہنچ کر ہم شاہراہ پہ چلتے ہوئے دوکانوں کی کھڑکیوں میں جھانکا کرتے۔ زیادہ ہوٹل اس موسم میں بند تھے۔ لیکن دوکانیں تقریباً سبھی کھلی تھیں۔ اور دوکاندار ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ایک بڑا شاندار سنگار گھر تو وہ تھا۔ جہاں کیتھرین اپنے بال بنوانے جایا کرتی تھی۔ صرف اس دوکان کی مالکہ کو ہم سارے مونترو میں جانتے تھے۔ وہ بڑی ہنس مکھ عورت تھی۔ جب کیتھرائین بال بنوانے وہاں گئی۔ تو میں ایک قریبی بئیر خانے میں چلا گیا۔ اور وہاں بیٹھ کر اخبار پڑھنے اور سیاہ میونخ بئیر پینے لگا۔ وہیں میری نظر سے اطالوی اخبار اور پیرس سے آئے ہوئے انگریزی اور امریکن اخبار گذرے۔ اخباروں میں تمام اشتہارات پہ سیاہی پھری ہوئی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ سمجھتے تھے۔ اس طرح دشمن کے ساتھ ہر قسم کی سازباز کو روکا جا سکتا ہے۔ اخباروں کو پڑھنے میں ذرا سا بھی لطف باقی نہ رہا تھا۔ حالات ہر جگہ خراب تر ہو رہے تھے۔

میں ایک کونے میں سیاہ بئیر کا ایک بڑا سا جگ لے کر جا بیٹھا۔ بئیر کا مزہ خوب تھا۔ بئیر پیتے ہوئے نمکین بادام کھاتے ہوئے میں بربادی و تباہی کے متعلق پڑھتا رہا۔ میرا خیال تھا۔ کہ کیتھرئین آ پہنچے گی۔ لیکن جب وہ نہ آئی۔ تو میں نے اخبار سٹینڈ میں واپس لگا دیئے۔ اپنی بئیر کی قیمت ادا کی اور سڑک پر اسے ڈھونڈنے روانہ ہو گیا۔ یہ دن نہایت یخ بستہ اور تاریک سا تھا۔ گھروں کی پتھریلی عمارتیں ٹھنڈی نظر آتی تھیں۔ کیتھرئین ابھی سنگار گھر سے نہ نکلی تھی۔ دوکان میں کام کرنے والی عورت ابھی تک اُس کے بال بنانے میں مشغول تھی۔ میں چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ اس طرح اسے دیکھنا میرے جذبات کو مشتعل کرنے لگا۔ کیتھرئین مجھے دیکھ کر مسکرائی اور مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ اور میری آواز جذبات کی شدت کے باعث بھرا گئی تھی۔ خوشگوار سا شور بلند ہو رہا تھا۔

کیتھرین کی شکل مجھے تین آئینوں میں سے نظر آ رہی تھی۔ اور مجھے ٹب سے کمرے میں بڑی آرام دہ حدّت تھی۔ پھر عورت نے کیتھرین کے بال اوپر چڑھا کر سنوار دیئے۔ کیتھرین نے آئینے میں دیکھا۔ ان بالوں کو ذرا سا بدلا۔ پھر اُس نے بالوں کی پنیں نکالیں اور لگائیں۔ اور میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

"معاف کرنا مجھے اتنی دیر لگ گئی۔"

"تو سیو بڑی دلچسپی لے رہے تھے —— ایسے ہی تھا نا صاحب!"

عورت نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں ——" میں بولا۔

ہم دونوں دوکان میں سے نکل کر سڑک کے شمال کی جانب چل دئے۔ تیز ہوا چل رہی تھی اور ٹھنڈک بڑھتی جا رہی تھی۔

میں نے کہا —— "اف میری جان مجھے تم سے کس قدر محبت ہے۔"

کیتھرین کہنے لگی —— "اور ہمارا وقت کتنا اچھا گزر رہا ہے —— اچھا جی اب اس طرح کریں چائے پینے کے بجائے کسی جگہ چل کر بیئر پئیں۔ ننھی کیتھرین پر بیئر کا بڑا اچھا اثر ہوتا ہے۔ وہ ننھی منی سی رہتی ہے۔"

میں نے کہا —— ننھی کیتھرین! —— اس پیٹ میں گھومنے والی کی بات کر رہی ہو؟"

کیتھرین کہنے لگی "بڑی اچھی ہے۔ اب تو بہت کم تکلیف دیتی ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ کہ بیئر میرے لئے مفید ثابت ہوگی۔ اور ننھی کیتھرین چھوٹی سی رہے گی ننھی منی سی۔"

"اگر تم نے اسے اسی طرح چھوٹا رکھا۔ اور وہ لڑکا بن گئی۔ تو شاید وہ ٹھنگنا گھوڑوں کا جوکی ہی بن سکے۔"

کیتھرین بولی —— "اگر یہ بچہ پیدا ہو گیا یعنی واقعی ہمارا یہ بچہ آ گیا۔ تو شاید ہمیں شادی کر ڈالنی چاہیئے۔"

ہم بیئر پینے کے لئے شراب خانے کے ایک کونے والے میز پر بیٹھے تھے۔ باہر اندھیرا

پھیل رہا تھا۔ ابھی کچھ ایسی دیر نہ ہوئی تھی۔ لیکن شام کے دھندلکے بہت سویرے سے ہی ہر طرف چھانے لگے تھے۔

"پہلا ابھی شادی کروالیں ———" میں نے کہا۔

گھبرا کر بولی "——— نہیں نہیں ——— جی۔ اس وقت تو خواہ مخواہ کی شرمندگی ہی ہوگی۔ اب میرا پیٹ بہت نظر آنے لگا ہے۔ میں تو اس طرح کسی کے سامنے جاؤں گی نہیں آپ کہتے ہیں۔ اس حالت میں شادی کرالوں۔ واہ! ———"

"کاش ہم نے شادی کرلی ہوتی۔"

"شاید بہتر ہی ہوتا ——— لیکن میری جان بھلا ہم کب بیاہ رچاتے؟ کب! کس وقت؟"

"میں نہیں جانتا ——— لیکن اچھا ہی ہوتا۔"

"ایک بات میں خوب جانتی ہوں۔ کہ اس شاندار بیاہتاپن کی حالت میں تو میں شادی کروانے نہ جاؤں گی۔"

"تم میں بیاہتاپن ہے ہی کہاں"

"ہے کیوں نہیں بھلا۔ وہ ہیرڈریسر پوچھنے لگی۔ کہ یہ ہمارا پہلا بچہ ہے کیا؟ تو میں نے جھوٹ بول دیا۔ اور کہا کہ نہیں دو لڑکے اور لڑکیاں اور بھی ہیں۔"

"بھلا ہماری شادی کب ہوگی؟"

"بس جتنی جلدی میں دوبارہ دُبلی ہوگئی۔ پھر ہماری نہایت شاندار شادی ہوگی۔ سب جی ہی جی میں سوچیں گے۔ کہ کتنا خوبصورت جوڑا ہے ——— کتنا حسین"

"تم فکرمند تو نہیں ہونا؟"

"فکر؟ ——— لیکن میری جان فکر کیا؟ بس ایک بار میرا جی خراب ہوا تھا۔ یاد ہے۔ وہ میلان کی رات؟ ایک اس رات میں نے بالکل کسی طوائف کی طرح محسوس کیا تھا۔ لیکن یہ کیفیت سات منٹ سے زیادہ نہ رہی۔ لیکن شاید یہ اس کمرے کی زیبائش کا اثر تھا ——— اچھا باقی باتیں چھوڑو یہ بتاؤ

میں تمہاری اچھی بیوی ثابت نہیں ہوتی گیا۔"

"تم تو بے حد دلکش بیوی ہو ـــــ"

"اچھا تو پھر میری جان اس قدر ٹیکنیکل ہونے سے فائدہ؟ جتنی جلدی ہیں وہ بلی ہو گئی بس تم سے شادی کر لوں گی ـــ ٹھیک ہے نا۔"

"بہت اچھا۔"

تمہارا کیا خیال ہے۔ ایک بیئر کا گلاس اور پی لوں۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ میرے کولہوں کی چوڑائی اس سے بہتر ہو جائے گی

میں متفکر تھا اس لیے میں نے پوچھا۔ "ڈاکٹر اور کیا کہتا تھا؟"

"اوہ ـ کچھ بھی نہیں۔ میری جان میرا بلڈ پریشر غضب کا ہے۔ اس نے میرے بلڈ پریشر کی بڑی تعریف کی تھی۔"

"اور یہ کولہوں کی چوڑائی وغیرہ سے اس کا کیا مطلب ہے؟"

"کچھ بھی نہیں ـ یا خدا کچھ بھی تو نہیں۔ بس وہ کہتا تھا کہ مجھے برف کے کھیل نہ کھیلنے چاہئیں۔"

"بالکل صحیح کہا اس نے۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ اگر خدشہ نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ پھر میں ski کر سکتی ہوں۔"

"ڈاکٹر تو بڑا مسخرہ ہے۔ لیکن ہے کھلے دل والا آدمی"

"بخدا وہ نہایت نفیس آدمی ہے۔ بچہ کی پیدائش کے وقت اسے ہی بلائیں گے۔"

"تم نے اس سے پوچھا کہ ہمیں شادی کر لینی چاہیئے کہ نہیں؟"

"نہیں تو۔ میں نے تو اسے بتایا تھا کہ ہماری شادی کو چار سال گزر چکے ہیں۔ میری جان اگر میری تمہاری شادی ہو گئی تو میں امریکن بن جاؤں گی اور امریکن قانون کے تحت جب شادی ہو گی تو ہمارا بچہ صحیح النسب ٹھہرے گا۔"

"یہ تم نے کہاں سے معلوم کیا؟"

"میں نے ورلڈ المانک میں پڑھا تھا۔"

"تم بیحد شاندار لڑکی ہو۔"

"امریکن بیننے کی مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ پھر ہم امریکہ چلے جائیں گے۔ ہاں نا چلے جائیں گے نا؟
نیاگرا کی آبشاریں دیکھنے کو میرا بہت دل چاہتا ہے۔"

"تم غضب کی لڑکی ہو مانو؟"

"ایک اور چیز کو دیکھنے کو دل چاہا کرتا ہے لیکن اس وقت مجھے اس کا نام یاد نہیں آرہا۔
ووسٹاک یارڈ"

"نہیں! — بس یاد نہیں آرہا۔"

"وولورتھ بلڈنگ"

"نہیں —"

"گرانڈ کینین!"

"نہیں — گو اسے بھی دیکھنے کو دل چاہتا ہے لیکن وہ آدھی چیز ہے۔"

"آخر کون سی جگہ تھی وہ؟"

"گولڈن گیٹ..... یاد آگیا گولڈن گیٹ دیکھنا چاہتی تھی میں — یہ گولڈن گیٹ ہے کہاں۔"

"سان فرانسسکو میں ہے۔"

"تو چلو وہاں چلیں۔ ویسے بھی مجھے سان فرانسسکو دیکھنے کی خواہش تھی۔"

"بہت خوب وہاں چلیں گے۔"

"اور اب چلو پہاڑ کے اوپر چلیں۔ چلو گے نا — اس وقت بڑائی ٹرین مل جائے گی کیا؟"

"پانچ بجنے کے کچھ ہی بعد وہاں ایک ٹرین جاتی تو ہے۔"

"تو چلو اُسے پکڑیں۔"

"اچھا۔ لیکن پہلے میں ایک بیئر کا گلاس اور پیوں گا۔"

جب ہم سڑک پر سے ہو کر سٹیشن کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے تو اس وقت بے حد سردی پڑ رہی تھی۔ رون وادی کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ دوکانوں کی کھڑکیوں میں قمقمے روشن تھے۔ نہایت ڈھلوانی پتھر کی سیڑھیاں چڑھ کر ہم اُوپر والی سڑک پر جا پہنچے۔ یہاں سے پھر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہم سٹیشن پر پہنچ گئے۔ بجلی کی ٹرین کھڑی تھی اور اس کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ میں نے سٹیشن کی گھڑی دیکھی اس میں پانچ بجکر پانچ منٹ کا وقت ہوا تھا۔ جب ہم گاڑی میں سوار ہو گئے اس وقت میں نے دیکھا کہ انجن ڈرائیور اور کنڈکٹر سٹیشن کے شراب خانے میں سے باہر نکل رہے تھے۔ ہم دونوں بیٹھ گئے اور ہم نے کھڑکی کھول دی۔ ٹرین بجلی کی مدد سے گرم کی ہوئی تھی اور اس میں حبس ہو رہا تھا۔ لیکن کھڑکی میں سے تازہ ٹھنڈی ہوا اندر آنے لگی۔

"تھک تو نہیں گئیں کیتھرین؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں میری طبیعت تو نہایت اچھی ہے اُس وقت۔"

"زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ دور کا سفر نہیں ہے۔"

"نہیں مجھے تو ایسی سواری میں لطف آتا ہے میرے متعلق فکر نہ کرو۔ میری طبیعت ٹھیک ٹھاک ہے۔"

کرسمس سے تین دن پہلے تک برف کا نام و نشان تک نہ تھا۔ لیکن اُس صبح جب ہم جاگے تو برف پڑ رہی تھی۔ سٹوو میں آگ بھڑک رہی تھی۔ ہم بستر میں بیٹھے ہوئے برفباری کا نظارہ کرتے رہے۔ مسز گٹنگن ناشتے کی کشتیاں لے گئی اور پھر اس نے سٹوو میں کچھ لکڑیاں ڈال دیں۔ برف باری آندھی کی صورت اختیار کئے ہوئے تھی۔ کیتھرین کو کہنا تھا۔ کہ آدھی رات سے یہ طوفان اٹھا ہوا تھا۔ میں کھڑکی میں جا کھڑا ہوا اور باہر دیکھنے کی کوشش کی لیکن سڑک کے پار کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ برف کے گالے دیوانگی کے انداز میں اتر رہے تھے۔ اور تیز آندھی چل رہی تھی۔ میں واپس بستر میں چلا گیا اور ہم دونوں لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔

کیتھرین بولی "کاش میں سکی کر سکتی اس کھیل میں شرکت نہ کر سکنا بھی انتہائی دکھ کی بات ہے۔"

میں نے کہا "تھوڑی دیر کے بعد ہم برف میں سیر کریں گے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

کیتھرین بولی "ہاں لنچ سے پہلے روز سیر کیا کریں گے پھر خوب بھوک لگا کرے گی۔"

"لیکن مجھے تو ہر وقت بھوک لگی رہتی ہے"

"اور مجھے بھی تو۔"

ہم باہر برف میں گھومنے پھرنے کے لئے چلے گئے۔ لیکن ہوا نے برف کو جا بجا ڈھیروں میں جمع کر دیا تھا۔ اس لئے ہم زیادہ دور نہ جا سکے۔ میں آگے آگے چل رہا تھا۔ برف میں راہ بناتے جب ہم سٹیشن پر پہنچے تو ہمیں خیال آیا کہ ہم خاصے دور نکل آئے ہیں۔ ہوا برف کو اڑائے پھر رہی تھی اور بڑی مشکل سے کچھ نظر آتا تھا۔ سٹیشن کے قریب ہی ایک چھوٹی سی سرائے تھی ہم اس میں چلے گئے یہاں بلے دستے والے جھاڑو سے ہم نے ایک دوسرے کو جھاڑا پھر ایک بنچ پر بیٹھکر ہم ورمتھ پینے لگے۔ بارمیڈ بولی بڑا سخت طوفان آیا ہے۔"

"ہاں ـــ"

"اس سال تو بہت دیر سے برف پڑنے لگی ہے۔"

"ہاں ـــ"

کیتھرین پوچھنے لگی۔ "میں کچھ چاکولیٹ کھاؤں؟ یا پھر لنچ کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے پرہیز ہی کروں؟ مجھے تو ہر وقت بھوک ہی لگی رہتی ہے"

"چلو ـــ کھاؤ جی چوکولیٹ"

وہ کہنے لگی "میں تو دھاری دار چوکولیٹ کھاؤنگی۔"

لڑکی بولی ـــ "جی یہ بہت اچھے ہوتے ہیں مجھے بھی ایسے ہی چوکولیٹ پسند ہیں۔"

میں نے کہا ـــ "میں ایک اور ورمتھ پیؤں گا۔"

جب ہم واپس جانے کے لئے سڑک پر پہنچے تو ہماری بنائی ہوئی پگڈنڈی برف سے بھر چکی تھی۔ جہاں سوراخ تھے وہاں اب ہلکے ہلکے مدھم دندانے دار نشان رہ گئے تھے۔ برف سیدھی ہمارے چہروں میں اڑتی چلی آ رہی تھی۔ اور کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم نے برف کو جھاڑا اور کھانا کھانے اندر چلے گئے مسٹر گٹنگن میز پر کھانا لا تا رہا اور ہم کھاتے رہے۔

وہ کہنے لگا ہے "کسی سکی الگ ہوگی۔ مسٹر ہنری کیا آپ سکی کرتے ہیں؟"

"کرتا تو نہیں۔ لیکن سیکھنے کی خواہش ضرور ہے۔"

"آپ تو بہت جلد سیکھ جائیں گے۔ میرا لڑکا یہاں کرسمس گزارنے آرہا ہے۔ وہی آپ کو سکھا دے گا۔"

"بہت خوب اور وہ کب آرہا ہے؟"

کل رات پہنچ جائے گا۔"

کھانے کے بعد جب ہم اپنے چھوٹے سے کمرے میں سٹوو کے پاس بیٹھے کھڑکی میں سے کرتی ہوئی

"نہیں تو میں تو نہیں چاہتا!"

"میرا خیال تھا کہ کبھی میرے علاوہ کسی اور سے بھی ملنے کو تمہارا جی چاہتا ہوگا۔"

"تمہارے دل میں کسی اور کو ملنے کی خواہش ہے کیا؟"

"نہیں —"

"اور مجھے بھی ایسی کوئی تمنا نہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔ لیکن تمہاری بات اور ہے۔ میرے اندر بچہ پرورش پا رہا ہے اس لئے میں قانع ہوں اور کچھ بھی کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے علم ہے کہ آجکل بڑی کند ذہن ہو گئی ہوں اور سارا دن چپڑ چپڑ باتیں کرتی رہتی ہوں اس لئے مجھے خیال آیا کہ تمہیں مجھ سے کچھ دیر کے لئے دور جانا چاہیئے ——

"اسطرح تم مجھ سے تھکو گے نہیں۔"

"تم چاہتی ہو کہ میں چلا جاؤں؟"

"نہیں —— میں تو چاہتی ہوں کہ تم یہیں رہو —— ہمیشہ"

"اور میں یہی کچھ کروں گا سمجھیں؟ میں یہیں رہوں گا۔"

وہ کہنے لگی۔ "یہاں آنا ذرا — تمہارے ماتھے کا گومڑا چھونے کو دل چاہتا ہے۔" پھر اُس نے اپنی انگلیاں میری چوٹ پر پھیرتے ہوئے کہا "کتنی سوجی ہوئی ہے۔ میری جان ڈاڑھی کے متعلق کیا خیال ہے — تمہارا جی تو نہیں چاہتا کہ چہرے پر یہ خوبصورت سی ڈاڑھی بڑھی ہوئی ہو۔ اور —"

"تم چاہتی ہو تو ہو سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ شاید بڑا مزہ آئے گا۔ میرا جی چاہتا ہے۔ تمہیں داڑھی کے ساتھ دیکھوں"

"بہت اچھا اب میں اسے بڑھاؤں گا۔ اس وقت اسی لئے اسے شروع کر دیتا ہوں۔ خیال تو تمہارا بہت اچھا ہے۔ مجھے بھی کرنے کو کچھ مل جائے گا۔"

"یہ بات تمہیں فکر مند تو نہیں کرتی کہ تمہارے پاس کرنے کرانے کو کچھ نہیں"

"نہیں مجھے تو اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنا پسند ہے۔ میری زندگی بہت اچھی کٹ رہی ہے۔ اپنی کہو تمہیں تو کسی قسم کی شکایت نہیں ہے نا؟"

"میری زندگی؟ انتہائی دلکش اور سہانی ہے۔ لیکن میں ڈرتی رہتی تھی کہ میرا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے شاید میں تمہیں بور کرتی ہونگی"

توبہ ہاتو! — تم جانتی ہی نہیں ہو۔ کہ میں تمہارے لئے کس قدر دیوانہ ہوں"

"اس حالت میں بھی؟ —"

"بالکل جس طرح تم اس وقت ہو۔ میری زندگی نہایت حسین ہے۔ تم بتاؤ ہماری زندگی اچھی طرح نہیں گزر رہی کیا؟"

میں تو اسے بہترین سمجھتی ہوں لیکن میرا خیال تھا۔ شاید تم مضطرب ہو جاتے ہو۔"

"نہیں۔ کبھی کبھار میں محاذ جنگ کے متعلق سوچنے لگتا ہوں اپنے واقفکار یاد آتے ہیں۔ لیکن میں فکر تو نہیں کیا کرتا۔ دراصل میں کسی چیز کے متعلق بھی زیادہ کچھ نہیں سوچتا۔"

"پھر بھی کس کے بارے میں تشویش ہوا کرتی ہے۔

"رینالدی ہے — اپنا پادری ہے اور کسی جاننے والوں کے متعلق تشویش تو ہوتی ہی ہے۔ — لیکن میں زیادہ نہیں سوچا کرتا۔ میں جنگ کو بھول جانا چاہتا ہوں اس کا خیال تک بھی لانا نہیں چاہتا۔ میں نے تو اس سے ہاتھ دھو لئے۔"

"اور اس وقت کیا سوچ رہے ہو میری جان؟!"

"کچھ بھی نہیں"

"کچھ کیوں نہیں۔ جو کچھ اس وقت سوچا جا رہا ہے وہ بتاؤ — لفظ بہ لفظ"

"میں سوچ رہا تھا۔ پتہ نہیں وینا لڈری واقعی آتشک میں مبتلا بھی تھا کہ نہیں؟"

"بس یہی کچھ ذہن میں تھا!"

"ہاں —"

"اُسے آتشک تھی کیا؟"

"مَیں خود نہیں جانتا۔"

شکر ہے بابا تمہیں یہ مرض نہیں۔ اس قسم کی کوئی بیماری جناب کو رہی تو نہیں کیا؟"

"مجھے سوزاک کی شکایت رہی ہے۔"

"اچھا میں اس کے متعلق کچھ سننا نہیں چاہتی — اچھا یہ بتاؤ میری جان زیادہ درد تو نہیں ہوتا تھا؟"

"نہایت شدید"

"کاش مجھے بھی ایسی بیماری ہوتی!"

"بے وقوف — ایسی تمنا مت کرو۔"

"واقعی میرا جی چاہتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے سوزاک کا مرض ہوتا پھر میں تمہاری طرح ہوتی۔ کاش میں نے ان تمام لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارا ہوتا جو تمہارے ساتھ رہی ہیں۔ پھر میں ان کا مذاق اڑاتی — اُن پر ہنستی۔"

"بڑا حسین منظر ہے"

"اور حضور سوزاک میں مبتلا ہیں۔ یہ منظر تو ذرا بھی حسین نہیں"

"میں جانتا ہوں۔ ذرا برفباری کو تو دیکھو"

"میں تو تمہیں دیکھنے کو ترجیح دونگی۔ ذرا ذرا اپنے بال بڑھا کیوں نہیں لیتے میری جان؟"

"کیا مطلب؟"

"اپنے سر کے بال ذرا لمبے کر لو۔"

"اب تو خاصے گردن تک آنے لگے ہیں"

"نہیں تو۔ اگر تم انہیں ذرا اور بڑھا لو۔ اور میں اپنے بال کٹوا لوں پھر ہم ایک سے لگیں گے۔ صرف اتنا فرق ہو گا ہم میں سے ایک سنہری بالوں والا ہو گا۔ ایک سیاہ بالوں والا"

"میں تو تمہیں کبھی بھی بال نہ کاٹنے دوں گا"

"میرا خیال ہے بڑا لطف آئے گا۔ ویسے بھی میں ان سے تھک گئی ہوں۔ رات کو بستر میں بڑی مصیبت رہتی ہے"

"مجھے تو اچھے لگتے ہیں"

"تمہیں چھوٹے بال پسند نہ آئیں گے کیا؟"

"شاید۔ مجھے تو یہ ایسے ہی اچھے لگتے ہیں"

"شاید چھوٹے ہو کر اور بھی پیارے لگیں۔ ہم دونوں ایک سے ہو جائیں گے۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ مری جان مجھے تمہاری اس قدر چاہت ہے۔ کہ میں چاہتی ہوں میں تم بن جاؤں"

"لیکن تم ہو تو۔ ہم تم ایک ہی تو ہیں"

"میں جانتی ہوں۔ رات کو ہم ایک ہو جاتے ہیں مگر"

"راتوں کی کیا بات ہے۔ وہ تو نہایت شاندار ہوتی ہیں"

"میں چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں۔ ہم دونوں اس طرح گڈمڈ ہو جائیں کہ کسی ایک کا علیحدہ وجود باقی نہ رہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ تم کہیں جاؤ۔ ابھی جو بات کی تھی بس وہ ایسے ہی کر دی تھی۔ اگر تمہارا جی چاہے تو چلے جاؤ۔ شوق سے چلے جاؤ۔ لیکن جلد واپس آ جانا۔ بالکل الٹے قدم۔ مجھے سمجھ نہیں آتی مری جان۔ جب تم میرے پاس نہیں ہوتے۔ میری زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ میں زندہ رہتی ہوں۔ لیکن سانس لیتی ہوں۔ لیکن میری زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ نمرسے سے اس کا وجود ہی نہیں رہتا"

میں نے کہا۔ "میں کبھی نہیں جاؤں گا۔ کبھی بھی نہیں۔ جب تم میرے ساتھ نہیں ہوتیں اس وقت میرا وجود بالکل بے مصرف ہو جاتا ہے۔ اب میری اپنی زندگی تو رہی ہی نہیں"

"لیکن میں تو چاہتی ہوں کہ تمہاری اپنی ایک پر معنی زندگی ہو۔ نہایت شاندار۔ لیکن اب ہم دونوں ایک ہیں۔ ہماری شاندار زندگیاں اکٹھی گزریں گی ۔ ہیں نا؟"

"اور اب یہ بتاؤ ڈاڑھی بڑھے کہ اس کا سلسلہ بند کر دوں؟"

"نہیں بڑھنے دو ڈاڑھی کو۔ میرا خیال ہے یہ اچھی محرک ثابت ہوگی شائد سالی تو تک بڑھ کر تیار ہو جاتے ہو"

"اچھا شطرنج کھیلو گی؟"

"شطرنج کے بجائے میں تو تمہارے ساتھ کھیلنا پسند کروں گی"

"نہیں آؤ ۔ شطرنج کھیلیں"

"اور بعد میں؟ ۔ بعد میں اپنا کھیل ہوگا؟"

"ہاں ۔"

"بہت اچھا ۔ تو آؤ پھر"

میں نے بساط نکالی ۔ مہرے سجائے ۔

باہر برف گرتی چلی جا رہی تھی۔

رات کو جب ایک بار میری آنکھ کھلی تو میں نے محسوس کیا کہ کیتھرین بھی جاگی ہوئی ہے. کھڑکی میں سے چمکتا ہوا چاند دکھائی دے رہا تھا اور کھڑکیوں کے شیشوں کے سامنے لگی ہوئی سلاخوں کے سائے بستر پر پڑ رہے تھے۔

"مری جان جاگ رہے ہو ۔"

"ہاں ۔ تمہیں نیند نہیں آ رہی کیا؟"

"میں تو بس یہ سوچتی ہوئی جاگ اٹھی کہ جب پہلی بار میں تمہیں ملی تھی دیوانگی اور مجھ میں

بس دو قدم کا فاصلہ تھا — تمہیں یاد ہے نا؟"

"بس ذرا سا پاگل پن تھا — ہلکا سا!"

"اب تو میں کبھی بھی اس طرح نہیں ہوتی — اب میں شاندار بن گئی ہوں — شاندار۔ تم اس لفظ کو کتنے پیارے طریقے سے ادا کرتے ہو — ذرا کہنا شاندار —"

"شاندار —"

"تم کتنے پیارے ہو — اور اب مجھ پر دیوانگی کا دورہ نہیں پڑتا — میں تو بس خوش رہتی ہوں ہر وقت مسرور رہتی ہوں۔ نہایت مسرور" میں نے کہا "بس اب سو جاؤ"

"اچھا یونہی سہی — لیکن آؤ اکٹھے اس لمحے سو جائیں — ایک ساتھ"

"بہت خوب —"

لیکن ہم دونوں اسی وقت نہ سو سکے۔ میں کتنی ہی دیر جاگتا رہا اور سوچتا رہا — میری نظریں سوئی ہوئی کیتھرین کا طواف کرتی رہیں۔ چاندنی اس کے چہرے پر پھیلی تھی — پھر مجھے بھی نیند نے گھیر لیا اور میں دنیا سے بے خبر سو گیا۔

⁂

۳۹

جنوری کے وسط تک میری ڈاڑھی خاطر خواہ بڑھ چکی تھی۔ سردیاں اپنے معمول پر آ چکی تھیں۔ اس زمانے میں دن نہایت سرد اور روشن ہوتے اور راتیں نہایت تیکھی اور یخ بستہ ہوا کرتیں۔ اب سڑکوں پر چلنا پھرنا آسان ہو گیا تھا۔ برف سخت ہو کر جم گئی تھی۔ گھاس کی گاڑیاں اور لکڑیاں کھینچنے والی گاڑیوں کی بدولت سڑک نہایت ہموار ہو گئی تھی۔ برف سارے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اور مونٹرو تک جا پہنچی تھی۔ جھیل کے

دوسری جانب پہاڑ ـــــــ برف پوش ہو چکے تھے۔ ہم پہاڑ کی دوسری طرف لمبی لمبی سیر کو نکل جاتے تھے۔ کیتھرین کے جوتوں میں گھنڈی دار میخیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ لمبا سا لبادہ پہنے ہوئی اور اس کی چھڑی میں فولاد کی تیکھی نوک چمکا کرتی۔ لبادے میں اس کا پیٹ زیادہ نمایاں نہ لگتا تھا اور پھر ہم کچھ ایسے تیز بھی نہ چلتے تھے۔ جب وہ تھک جاتی تو ہم سڑک کنارے کسی شہتیر پر بیٹھ جاتے اور باتیں کرنے لگتے۔

یہیں درختوں کے ایک جھنڈ میں وہ سرائے تھی جس میں ٹھہر کر لکڑہارے شراب پیا کرتے تھے۔ ہم اندر بیٹھ جاتے۔ سٹوو کی حدت ہمارے جسموں کو گرم کر دیتی۔ اور ہم لیموں اور مصالحے کی سرخ شراب پیتے۔ جسم کو گرمانے اور جشن منانے کے لئے یہ بہت اچھی چیز تھی۔ اندھیری سرائے اندر دھوئیں سے بھری رہتی تھی۔ اس میں سے نکل کر جب انسان باہر جاتا تو ٹھنڈی ہوا بڑی تیزی سے پھیپھڑوں میں داخل ہوتی اور ناک کا سرا سن ہو جاتا۔

مڑ کر ہم سرائے کی طرف دیکھتے تو اس کی کھڑکیوں میں سے روشنی باہر جھانکا کرتی۔ لکڑہاروں کے گھوڑے اپنا آپ گرم رکھنے کے لئے ٹاپیں مارتے گردنیں ہلاتے دکھائی دیتے۔ ان کی تھوتھنیوں کے بال برف میں سنے ہوتے اور ان کی سانسوں سے فضا میں کہر کے فوارے سے چھوٹتے دکھائی دیتے۔ گھر کی طرف جاتے ہوئے تھوڑی دور تک سڑک سیدھی مگر ڈھلوان تھی۔

- پھر سڑک پر سخت برف جمی ہوئی تھی۔ یہ سڑک جنگلوں میں سے گزرتی تھی اور اس روز جب ہم گھر کو لوٹے تو دو بار ہم نے لومڑیاں دیکھیں۔

کیتھرین بولی۔ "اب تو تمہاری ڈاڑھی بڑی پھبے دار بن گئی ہے۔ بالکل لکڑہاروں کی طرح ـــ وہ آدمی دیکھا تھا تم نے جس نے چھوٹی چھوٹی سونے کی بالیاں پہن رکھی تھیں؟"

میں نے کہا۔ "یہ سابر کا شکاری ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ کہ ان بالیوں کے باعث انہیں زیادہ صفائی سے سنائی دیتا ہے۔"

"مجھے تو یقین نہیں آتا۔ میرا تو خیال ہے۔ یہ بالیاں اس لئے پہنتے ہیں تاکہ ظاہر ہو یہ سابر کے شکاری

ہیں۔ یہاں یوپری سا برفتا ہے کیا؟"

"ہاں سلسلہ کوہ سے پرے ملتے ہیں؟"

"لومڑیاں دیکھ کر بڑا مزہ آیا۔"

"جب لومڑی سوتی ہے نا تو اپنی دم اردگرد لپیٹ لیتی ہے۔ بالکل کمبل کی طرح اس طرح لومڑی گرم رہتی ہے۔"

"اُسے بڑا لطف آتا ہوگا۔"

"میرا بھی ہمیشہ سے جی چاہتا ہے کہ کاش میرے بھی لومڑی جیسی دم لگی ہوتی۔ کیسی پرلطف بات ہوتی اگر ہم سب کے ویسے برش لگے ہوتے۔"

"پھر شاید کپڑے پہننے میں بڑی دقت پیش آتی؟"

"پھر ہم دم کو مدِنظر رکھ کر لباس بنواتے یا شائد ہم کسی ایسے ملک میں جا بستے۔ جہاں ایسی باتوں سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔"

"فی الحال ہم ایسی ہی جگہ رہ رہے ہیں جہاں کسی بات — سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہاں تو ہم کسی سے چلتے ہی نہیں۔ ہے نا شاندار بات — تمہیں کمی تو محسوس نہیں ہوتی نا؟ — سچ بتاؤ مری جان تم لوگوں سے ملنا تو نہیں چاہتے؟"

"نہیں —"

"یہاں تھوڑی دیر بیٹھ جائیں۔ میں ذرا تھک گئی ہوں"

ہم لکڑی کے ایک لمبے سے ٹھنٹھ پر ساتھ ساتھ ہو بیٹھے۔ سامنے سڑک ڈھلوان ہوتی جنگل میں سے گزرتی نظر آتی تھی۔

"یہ ننھی چھوکری ہم دونوں میں حائل تو نہ ہو جائے گی؟"

"نہیں — ہم اُسے درمیان میں لائیں گے ہی نہیں"

"روپے پیسے کے حساب سے ہمارا حال آجکل کیسا ہے؟"

"فی الحال تو خوب، اللہ اہیں۔ انہوں نے میرا ڈرافٹ منظور کر لیا تھا"

"اب تمہارے خاندان کو علم ہے کہ تم سوئٹزر لینڈ میں ہو۔ اب تو شاید وہ تمہیں پکڑ ہی لیں گے"

"ممکن ہے ہ ــ لیکن خیر میں انہیں کچھ لکھ لکھا دونگا"

"تم نے انہیں خط نہیں لکھا کیا؟"

"نہیں صرف ڈرافٹ مانگا تھا"

"شکر ہے میں تمہارے خاندان سے تعلق نہیں رکھتی"

"میں انہیں تار بھیج دونگا"

"تمہیں ان کی ذرا بھی پروا نہیں ــ ذرا سی بھی نہیں؟"

"ایک زمانہ تھا کہ مجھے ان کا بہت خیال رہتا تھا۔ پھر ہم اس قدر جھگڑنے لگے اتنی لڑائیاں ہوئیں کہ میرے جذبات مردہ ہو گئے۔

"میرا خیال ہے مجھے وہ لوگ پسند آئیں گے ــ شائد بہت زیادہ پسند آئیں بہت زیادہ"

"چلو ان کے متعلق باتیں نہ کریں ورنہ میں فکر مند ہو کر ان کے لئے سوچنے لگوں گا"

تھوڑی دیر کے بعد میں بولا ــ "اگر تم نے آرام کر لیا ہو تو چلیں"

"ہاں ــ خاصا آرام کر لیا ہے بیٹے"

ہم ڈھلوان سڑک پر چل پڑے۔ اب اندھیرا پھیل چکا تھا اور برف ہمارے جوتوں تلے کچ کچ بولنے لگی تھی۔ سرد رات نہایت نکھری ہوئی تھی۔

کیتھرین بولی "مجھے تمہاری ڈاڑھی سے محبت ہے۔ کتنی کامیاب رہی ہے۔ یہ ڈاڑھی دیکھنے میں کتنی اکڑی ہوئی اور خونخوار لگتی ہے اور چھوؤ تو کتنی نرم کتنی راحت بخش"

"میں تمہیں ڈاڑھی کے ساتھ زیادہ اچھا لگتا ہوں کہ اس کے بغیر ــ؟"

"میرا خیال ہے، اس طرح بہتر لگتے ہو۔ اب ننھی کیتھرین کی پیدائش کے بعد ہی میں اپنے بال کاٹوں گی۔ فی الحال تو میں اس قدر موٹی تازی اور معزز خاتون سی لگتی ہوں کہ بال کٹوانے ممکن نہیں

لیکن جب وہ پیدا ہوگئی۔ اور موٹاپا دور ہو گیا تو میں انہیں کاٹ ڈالوں گی۔ پھر میں تمہارے سے ایک نئی اور بالکل مختلف لڑکی بن جاؤں گی۔ ہم اکٹھے انہیں ترشوانے جائیں گے۔ یا شاید میں اکیلی چلی جاؤں گی اور پھر تمہیں آکر حیران کر دوں گی —"

میں خاموش رہا

وہ پوچھنے — "اس وقت تم انکار تو نہیں کرو گے؟ کہ خبردار بال مت کٹوانا۔"

"نہیں — میرا خیال ہے اس تجربے میں ایک تحریک کا پہلو ہے۔

"ہائے تم کس قدر پیارے ہو اور شاید میں اسی قدر دلکش لگوں گی مری جان — اس قدر دلکش۔ اور اتنی دبلی ہو جاؤں گی — اور مجھے دیکھ کر تمہارے جذبات اس قدر مشتعل ہوں گے کہ تم از سرِ نو میری محبت میں گرفتار ہو جاؤ گے — از سرِ نو —"

میں نے کہا "ولتے بدبختی میں تم سے اب کیا کچھ کم محبت کرتا ہوں — بھلا تم کرنا کیا چاہتی ہو؟ — میری تباہی کا سامان؟"

"ہاں — ہاں — میں تمہیں تباہ کرنا چاہتی ہوں"

میں نے کہا — "بہت خوب — یہی تو میری بھی تمنا ہے"

❖

۴۰

ہماری زندگی نہایت پر لطف تھی۔ جنوری اور فروری کے سرد ماہ بڑے اعلیٰ طریق سے گزرے اور ہم مسرت میں گھرے رہے۔ دو ایک بار جب گرم ہوا چلی اور فضا میں بہار کی کیفیت محسوس ہوئی تو برف نرم پڑ کر پگھلنے لگی۔ لیکن برف پگھلنے کا یہ عمل زیادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ ہر بار

سفری سخت سردی پلٹ آتی اور سردیوں کا دور دورہ جاری ہو جاتا۔ مارچ میں پہلی مرتبہ سردیوں کا زور ٹوٹا۔ رات کے وقت بارش شروع ہو گئی۔ صبح تک مینہ برستا رہا اور برف کیچڑ میں بدل گئی۔ پہاڑی علاقہ بے حد بے رونق اور اداس نظر آنے لگا۔ ساری وادی، اور جھیل پر بادل چھائے ہوتے تھے۔ پہاڑ کے بہت اوپر بارش برس رہی تھی۔ کیتھرین نے جوتوں پر گم بوٹ پہن رکھے تھے میں نے بھی مسٹر گٹنگن کے ربڑ کے جوتے چڑھائے ہوتے تھے اور ہم چھاتا تانے، کیچڑ میں راہ بناتے سٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔ پانی بہہ رہا تھا۔ اور برف بہہ کر نئی سڑکیں نکلتی آ رہی تھیں۔ ہم دوپہر کے کھانے سے پہلے ورمتھ پینے کے لئے شراب خانے میں رک گئے۔ باہر بارش برسنے کا شور سنائی دے رہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ ہمیں شہر میں چلے جانا چاہیئے!"

کیتھرین مجھ سے پوچھنے لگی۔ "تمہاری کیا صلاح ہے؟

"اگر سردیاں ختم ہو چکی ہیں۔ اور بارشوں کا تانتا یونہی بندھا رہے گا تو یہاں کا لطف ختم ہوا۔

ننھی کیتھرین کی آمد میں کتنی دیر رہ گئی ہے بھلا؟"

"بس مہینہ بھر — یا شاید مہینے سے ذرا سی دیر اور —"

"ہم کسی بڑے شہر میں ٹھہرتے تو اچھا تھا"

"بھلا ہم لوسان کیوں نہیں چلے چلتے۔ وہاں تو ہسپتال بھی ہے"

"بہت اچھا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ وہ بہت بڑا شہر ہے"

"بڑے شہر میں بھی ہم اسی قدر علیحدگی سے رہ سکتے ہیں اور کوئی جانے لوسان اچھی بھی جگہ ہو"

"اچھا تو پھر کب چلیں؟"

"میرا خیال نہ کرو مجھے ذرا بھی پروا نہیں۔ مری جان جب تم چاہو گے چلے جائیں گے اور اگر تم نہ جانا چاہو تو پھر کوئی ضرورت نہیں جانے وانے کی"

”دیکھتے ہیں موسم کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟“

تین دن مسلسل بارش ہوتی رہی۔ سٹیشن کے نیچے پہاڑی علاقے کی تمام برف اب پگھل چکی تھی۔ سڑک کیچڑ بھرے برفانی پانی کے دھارے کا روپ دھار چکی تھی۔ فضا اس قدر بھیگی ہوئی اور کیچڑ بھری تھی کہ باہر نکلنا ممکن نہ رہا تھا۔ بارش کے تیسرے دن صبح ہی ہم نے شہر جانے کا ارادہ کر لیا۔

گنگسن کہنے لگا۔ ”مسٹر ہنری آپ کسی قسم کا تردد نہ کریں۔ نوٹس وغیرہ دینے کی ضرورت نہیں میرا پہلے ہی خیال تھا کہ اس خراب موسم میں آپ یہاں ٹھہرنا پسند نہ کریں گے۔“

میں نے جواب دیا۔ ”ویسے بھی بیگم کی وجہ سے ہمیں بہرطور ہسپتال کے قریب ہی ٹھہرنا ہوگا“

وہ بولا۔ ”جی ہاں۔ جی ہاں میں خوب سمجھتا ہوں۔ آپ ننھے میاں کے ساتھ آکر بھی تو کبھی یہاں اتریں گے نا؟“

”ہاں۔ اگر آپ کے پاس جگہ ہوئی تو؟“

”بہار کا موسم یہاں بہت دلفریب ہوتا ہے۔ آپ اس سے ضرور لطف اٹھائیں گے۔ وہ بڑا کمرہ جو اب بند ہے نا؟ اسے ہم چھوٹے میاں اور نرس کے لئے تیار کر دیں گے اور آپ اور بیگم صاحبہ اپنے اسی کمرے میں ہوں گے جس سے جھیل نظر آتی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”میں اپنے آنے کی اطلاع دے دوں گا“

ہم نے سامان باندھ لیا۔ اور جو ٹرین دوپہر کے کھانے کے بعد جاتی ہے اس سے رخصت ہو گئے۔ مسٹر اور مسز گٹنگس ہمارے ساتھ سٹیشن تک آئے۔ برفانی گاڑی میں ہمارا سامان لاد کر مسٹر گٹنگس ہی کھینچ کر لایا تھا۔ وہ سٹیشن پر بارش میں کھڑے ہاتھ ہلا کر ہمیں الوداع کہتے رہے کیتھرین کہنے لگی۔ ”بڑے ہی پیارے لوگ تھے۔“

”ہمارے ساتھ ان کا سلوک بھی نہایت اعلیٰ تھا“

مونتروسے ہم نے لوسان کی ٹرین پکڑی۔ کھڑکی میں سے اس طرف رخ کر کے دیکھا جہاں ہم

بہتے تھے۔ لیکن پہاڑوں کا سلسلہ نظر نہ آیا کیونکہ درمیان میں بادل چھائے تھے۔ کچھ دیر کے لئے ٹرین دیبی پر ٹھہری پھر آگے بڑھی تو ایک کنارے جھیل کا منظر تھا۔ دوسری طرف بھیگے ہوئے خاکستری کھیت تھے۔ ٹنڈ منڈ درختوں بھرے جنگل اور بھیگے ہوئے گھر نظر آرہے تھے۔ لوسان پہنچ کر ہم ایک درمیانے قسم کے ہوٹل میں جا اترے۔ جب ہم ہوٹل میں بگھیوں کے گزرنے والے پھاٹک میں پہنچے اس وقت بھی مینہ برس رہا تھا۔ پیتل والا پلنگ، اور آرام دہ بڑا سونے والا کمرہ ملا تو ہمیں یہ چیزیں بہشت کا نمونہ نظر آئیں۔ کمرے کی کھڑکیوں میں سے بھیگا بھیگا باغیچہ اور وہ دیوار نظر آتی تھی جس کے اوپر لوہے کا جنگلہ تھا۔ تیکھی ڈھلوانی سڑک کے پار اسی قسم کا ایک ہوٹل تھا اور اس کے باغ کے گرد بھی اسی قسم کا جنگلہ تھا۔ باغ کے فوارے میں گرتی ہوئی بارش کو میں کھڑا دیکھتا رہا۔

کیتھرین نے تمام بتیاں جلا دیں اور سامان کھولنا شروع کر دیا۔ میں نے ایک سوڈا اور وہسکی کا آرڈر دیا اور بستر پر لیٹ کر وہ اخبار پڑھنے لگا جو میں نے سٹیشن پر خریدے تھے۔ سن ۱۹۱۸ء کا مارچ کا مہینہ تھا اور فرانس میں جرمنوں نے جارحانہ کارروائیاں شروع کر رکھی تھیں۔ میں وہسکی اور سوڈا پیتا رہا اور پڑھتا رہا۔ کیتھرین سامان کھولنے اور کمرے کے چکر لگانے میں مصروف رہی۔

وہ کہنے لگی "میری جان جانتے ہو مجھے کیا کچھ چاہیئے؟"

"ہاں۔ بتاؤ ذرا؟"

"بچوں کے کپڑے درکار ہیں۔ ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو میرے جیسی حالت کو ان کپڑوں کے بغیر پہنچتے ہوں گے"

"خرید لینا پھر"

"وہ تو میں جانتی ہوں۔ اور کل خریدوں گی بھی لیکن پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ ضروری چیزیں کون کونسی ہیں۔؟"

"تمہیں تو علم ہونا چاہیئے نرس رہی ہو۔"

"لیکن ہسپتالوں میں بہت کم سپاہیوں کے ہاں بچے ہوتے ہیں۔"

"کم از کم مجھے تو وہیں یہ حادثہ پیش آیا ہے۔"

اُسنے مجھے تکیہ دے مارا تو وہسکی اور سوڈا کے گلاس گر گئے۔

وہ کہنے لگی۔ "ہائے معاف کر دینا میں نے تمہاری شراب گرا دی ابھی اور منگوا دیتی ہوں۔"

"کچھ زیادہ رہ بھی نہیں گئی تھی۔ یہاں بستر پر آ جاؤ کیتھرین۔"

"جی نہیں ۔۔۔ ابھی مجھے اس کمرے کی تھوڑی سی صورت سنوارنا ہے"

"یعنی ؟"

"یعنی اسے اپنے گھر کی طرح بنانا ہے"

"تو پھر اتحادیوں کے جھنڈے کھونکر لٹکا دو۔"

"بکواس بند کرو ۔۔۔"

"ذرا ایکبار پھر کہنا ۔۔۔"

بکواس بند کرو ۔۔۔"

میں نے کہا ۔۔۔ "بکواس بند کرو، تم اتنے محتاط طریقے سے کہہ رہی ہو جیسے تمہارا ارادہ کسی کو بھی ناراض کرنے کا نہ ہو ۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔ یہی تو میں چاہتی ہوں"

"تو پھر یہاں آ جاؤ ۔۔۔ پلنگ میں"

وہ میرے قریب آ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ "بہت اچھا! ۔۔۔ میں جانتی ہوں۔ مری جان کہ اب تمہارے لئے مجھ میں کچھ لطف باقی نہیں رہا ہو گا۔ میں تو پوری آٹے کی بوری بن گئی ہوں۔"

"نہیں ہرگز نہیں۔ تم بیحد خوبصورت ہو بڑی پیاری ہو"

"تم نے تو نہایت بے ڈول بے ہنگم سے بیاہ کر لیا ہے"

"نہیں تو — تم تو ہر لمحہ خوبصورت ہوتی جا رہی ہو۔"

"لیکن مری جان میں پھر وہی ہو جاؤں گی"

"تم اب بھی وہی ہو جی —"

"تم شراب پیتے رہے ہو — اسلئے"

"صرف وہسکی اور سوڈا!"

وہ بولی — "ابھی اور بھی آ رہا ہے۔ یہ وہسکی اور سوڈا۔ اور ہاں یہیں کھانا لانے کا آرڈر نہ دے دیں؟"

"ہاں ضرور — بڑا نیک خیال ہے —"

"پھر ہم باہر نہیں جائیں گے۔ نہیں جائیں گے نا؟ آج کی رات ہم یہیں رہیں گے"

"میں نے کہا — اور پھر کھیلیں گے! —"

کیتھرین بولی "میں بھی تھوڑی سی شراب پیوں گی آج۔ میرا خیال ہے میرے لئے مضر نہ ہوگی۔ شاید ہمیں اپنی وہی پرانی سفید کیپری مل سکے؟"

میں نے کہا "ہاں کیوں نہیں۔ اس قسم کے ہوٹل میں اطالوی شرابیں مل جایا کرتی ہیں" بیرے نے دروازے پر دستک دی۔ ایک کشتی میں چھوٹی سی بوتل سوڈے کی تھی اور ساتھ ہی گلاس میں برف بھری وہسکی پڑی ہوئی تھی۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "یہاں رکھ دو۔ ازراہ کرم دو آدمیوں کا کھانا یہیں بھجوا دو۔ ساتھ ہی سفید کیپری کی دو بوتلیں برف میں لگی ہوئی ہوں"

"آپ سوپ کے ساتھ کھانا شروع کرنا پسند فرمائیں گے؟"

"مائونی شوربہ ہوگی؟"

"ضرور۔"

"ایک کے لئے سوپ بھجوا دینا —"

"شکریہ جناب"

اس نے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ میں برف ملی وہسکی میں سوڈا ملانے لگا۔ میرے سامنے اخبار تھے۔ اخباروں کی دنیا تھی۔ اور یہ اخباروں کی دنیا جنگ کی دنیا تھی۔ میں نے سوچا کہ مجھے ہوٹل والوں سے کہنا پڑے گا۔ کہ برف کو وہسکی میں ملا کر نہ بھیجا کریں۔ بلکہ اسے علیحدہ ہی ساتھ بھیج دیا کریں۔ اس طرح پتہ چل جاتا ہے۔ کہ گلاس میں کتنی وہسکی موجود ہے میں نے ارادہ کیا کہ ایک وہسکی کی بوتل منگالوں گا۔ پھر ہوٹل والے سوڈا اور برف بھیج دیں گے تو کام بن جائے گا۔ یہی قابل عمل طریقہ اس وقت میرے ذہن میں آیا۔ اچھی وہسکی بڑی لذت آفریں ہوتی ہے۔ زندگی کے خوشگوار حصوں میں اس کا بھی ایک حصہ تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو مری جان"

"وہسکی کے متعلق ——"

"کیا؟ —— یعنی وہسکی کے متعلق کیا سوچا جا رہا ہے؟"

"یہی —— یہی کہ یہ کتنی اچھی چیز ہے ——"

کیتھرین نے منہ بنایا اور بولی —— "بہت اچھا جی —— سوچے جاؤ"

ہم قریباً تین ہفتے ہوٹل میں رہے۔ یہاں کا قیام کچھ ایسا بُرا نہ رہا۔ عام طور پر ڈائننگ روم خالی ہوتا۔ اور بعض اوقات رات کے وقت ہم اپنے کمرے میں ہی کھانا کھا لیتے۔ ہم شہر میں سیر کرنے کے لئے نکل جاتے۔ اور وہاں سے گاڑی لیکر نواحی علاقوں میں پہنچ جاتے۔ جھیل کنارے پھرتے رہتے۔ موسم خاصہ گرم ہو چلا تھا اور ہواؤں میں بہار کے آثار تھے۔

ہمارا جی چاہتا تھا۔ کہ کاش ہم پہاڑوں پر واپس جا سکتے۔ لیکن یہ بہار دیرپا نہ تھی۔ اس کا قیام چند دن ہی رہا اور پھر سردیوں کے ٹھٹھرتے کا آخری زور پلٹ آیا۔ فضاؤں میں سردی کا کچا پن رہ گیا تھا۔

جو تیتریں بیچنے کے لئے کیتھرین کو درکار تھیں، وہ انہیں شہر سے خرید نے گئی۔ تو میں جمنیزیم میں باکسنگ کی مشق کرنے چلا گیا۔ کیتھرین دیر سے اٹھتی تھی۔ اور میں عموماً وہیں چلا جایا کرتا تھا۔ جتنے دن مصنوعی بہار رہی میں باکسنگ کرنے کے بعد فوارے تلے غسل کرتا اور پھر میں بہار کی ہوائیں سمیٹتا سڑکوں پر ٹہلتا ہوا۔ کسی کیفے میں جا کر بیٹھ جاتا اور منتھ پیتا اور تازہ اخبار پڑھتا۔ اس شغل کے بعد میرا معمول تھا کہ میں ہوٹل میں واپس پہنچ جاتا۔ اور کیتھرین کے ساتھ لنچ کھاتا۔ جمنیزیم کے بوکسنگ پروفیسر کی بڑی لمبی مونچھیں تھیں۔ اور اگر آپ انہیں کا پیچھا کرتے۔ تو وہ ہڑبڑا کر جیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ لیکن جمنیزیم کی فضا خوشگوار تھی۔ اور وہاں بڑا لطف آتا تھا۔ ہوا اور روشنی کا بڑا اچھا انتظام تھا اور میں بھی خوب محنت کرتا تھا کبھی رسی الانگتا۔ کبھی پرچھائیں باکسنگ کرتا۔ کھڑکی میں سے سورج کا ایک تختہ سا اترا کرتا تھا فرش پر اسکی حدت میں لیٹ کر کبھی کبھار پیٹ کی ورزش کیا کرتا۔ اور بعض اوقات جب پروفیسر اور میں باکسنگ کرتے تو اسے ڈرانے میں بڑا لطف ملتا تھا۔ لمبے سے مستطیل آئینے میں پہلے پہل تو عکس کے ساتھ پرچھائیں باکسنگ کرنا بڑا عجیب لگتا تھا کیونکہ ڈاڑھی والے مرد کو باکسنگ کرتے دیکھ کر مجھ پر نرالی کیفیت طاری ہو جاتی۔ لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ صرف مسخرہ پن ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جب میں نے باکسنگ کا ارادہ کیا تو میں نے ڈاڑھی منڈوا ڈالنا چاہی۔ لیکن کیتھرین اس بات پر رضامند نہ ہوئی۔ اسلئے ڈاڑھی بھی چہرے پر رہی۔ اور باکسنگ کا شغل بھی جاری رہا۔

کبھی کبھار کیتھرین اور میں بگھی میں سوار ہو کر شہر سے کافی دور نکل جاتے تھے جب کبھی دن کھلا کھلا اور خوشگوار ہوتا۔ ہماری سیر کو چار چاند لگ جاتے ہم نے دو ایسی جگہیں ڈھونڈ نکالی تھیں۔ جہاں جا کر ہم کھانا وانا کھا لیا کرتے تھے۔ کیتھرین اب زیادہ دور تک چل کر نہ جا سکتی تھی۔ اور دیہاتی سڑکوں پر اس کے ساتھ سوار ہو کر سیر کرنے میں مجھے بڑا لطف ملتا تھا۔ جب کبھی موسم ساتھ دیتا اور بادل نہ چھاتے ہوتے ہمارا وقت بیحد اچھا گزرتا

لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہمارا وقت کبھی بھی خراب نہ گزرا تھا۔ ہمیں علم تھا کہ پھر اب گھر پہنچنے والا ہے۔ اور ہم دونوں محسوس کر رہے تھے۔ جیسے کوئی چیز ہمیں دوڑاتے لئے پھرتی ہے۔ جیسے بھاگم بھاگ ہماری زندگی آگے کو دوڑی جا رہی ہو۔ اور اب ہم ایک دوسرے کی صحبت کا کوئی لمحہ بھی ضائع نہ کرنا چاہتے ہوں۔

⁂

۴۱

ایک صبح تین بجے کے قریب میری آنکھ کھلی۔ کیتھرین بستر میں کروٹیں بدل رہی تھی۔

"مائی ڈارلنگ ٹھیک ہو نا؟"

"مری جان کچھ درد وغیرہ ہونے لگا ہے۔"

"باقاعدگی سے؟"

"نہیں — کچھ زیادہ باقاعدگی سے تو نہیں —"

"دیکھو اگر تم محسوس کرتی ہو کہ ان میں کچھ باقاعدگی ہے تو ہسپتال چلے چلتے ہیں۔"

مجھے نیند آ رہی تھی۔ اور میں سو بھی گیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد پھر میری آنکھ کھل گئی۔ کیتھرین کہنے لگی "میرا خیال ہے ڈاکٹر کو بلوا ہی لو — شاید ویسا ہی درد ہے —"

میں نے فون پر ڈاکٹر کو بلایا تو وہ پوچھنے لگا۔ "کتنی کتنی دیر بعد درد اٹھتا ہے —"

"مائی ڈارلنگ؟ کتنے وقفے کے بعد درد محسوس ہوتا ہے؟"

"میرا خیال ہے پندرہ منٹ کے بعد —"

ڈاکٹر نے کہا "پھر تو آپ کو ہسپتال پہنچنا چاہیئے۔ میں بھی کپڑے تبدیل کر کے ابھی

وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

میں نے چونگا لٹکاتے ہوئے سٹیشن کے قریب والے گیراج میں ٹیکسی کے لئے فون کیا۔ کافی دیر تک کسی نے بھی میرے فون کا جواب نہ دیا۔ بالآخر ایک آدمی ہتھے چڑھ گیا۔ اور اس نے وعدہ کر لیا کہ فوراً ٹیکسی بھجوا دیں گے۔ کیتھرین کپڑے تبدیل کر رہی تھی۔ اس کے بیگ میں ہسپتال میں کام آنے والی چیزیں اور بچے کی اشیاء بند تھیں۔ ہال میں پہنچ کر میں نے نیچے کونٹر پر فون کیا۔ لیکن ادھر سے کوئی جواب نہ ملا۔ میں خود نیچے گیا۔ چوکیدار کے علاوہ وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ میں لفٹ کو لیکر اوپر پہنچا۔ کیتھرین کا بیگ نیچے ہی دھرا رہ سوار ہوئی اور ہم نیچے پہنچ گئے۔ چوکیدار نے ہمارے لئے دروازہ کھولا۔ سڑک کے ساتھ والی سیڑھیوں کے پاس ہی پتھر کی سلوں پر بیٹھ کر ہم ٹیکسی کا انتظار کرنے لگے۔ رات نہایت صاف ستھری اور شفاف تھی۔ آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے۔ کیتھرین بڑی گھبرائی ہوئی اور بے چین سی تھی وہ کہنے لگی۔ "میں تو خوش ہوں کہ آخر سلسلہ شروع ہوا۔ بس تھوڑی دیر میں قصہ پاک ہو جائے گا۔ چھٹی مل جائے گی"

"تم نہایت دلیر اور اچھی لڑکی ہو"

"مجھے ڈر نہیں لگتا —— لیکن کاش یہ کمبخت جلد آ جاتی"

پھر ٹیکسی کا شور سنائی دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد اس کی سامنے والی بتیوں کی روشنی نظر آئی۔ پھر وہ پورچ میں آ کر کھڑی ہوئی۔ میں نے کیتھرین کو پکڑ کر اندر بٹھایا۔ ڈرائیور نے بیگ پکڑ کر رکھ لیا۔

"ہسپتال چلو —— میں بولا۔

ہسپتال پہنچ کر ہم اندر چلے گئے۔ بیگ میرے ہاتھ میں تھا۔ ڈسک پر ایک عورت بیٹھی تھی۔ اس نے کیتھرین کا نام عمر پتہ، مذہب اور رشتہ داروں کے نام ایک کتاب میں نوٹ کر لئے۔ کیتھرین کہنے لگی کہ وہ لا مذہب ہے اور کسی مذہب پر اس کا اعتقاد۔

نہیں۔ اس عورت نے مذہب کے سامنے ایک لمبی سی لکیر کھینچ دی۔ کیتھرین نے اپنا نام کیتھرین ہنری لکھوایا تھا۔

پھر وہ عورت کہنے لگی۔ "چلیئے میں آپ کو آپ کے کمرے میں پہنچا آؤں"

ہم لفٹ میں اوپر پہنچے۔ عورت کے پیچھے پیچھے ہم ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ کیتھرین نے بڑی مضبوطی سے میرا بازو پکڑ رکھا تھا۔

وہ عورت کہنے لگی۔ "جی یہ کمرہ ہے۔ آپ ذرا کپڑے تبدیل کر کے بستر پہ لیٹ جائیں یہ شب خوابی کا لباس پہن لیں"

"میرے پاس نائیٹ گاؤن ہے" کیتھرین بولی۔

اس عورت نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "آپکے لئے یہ گاؤن بہتر رہے گا"

میں باہر نکل کر ہال کے راستے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس عورت نے دروازے میں سے جھانک کر کہا "اب آپ اندر آ سکتے ہیں"

کیتھرین کم چوڑے پلنگ پر لیٹی تھی۔ اُسنے نہایت سادہ سا چوکور گلے کا گاؤن پہن رکھا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور کہنے لگی۔ "اب تو بڑے بڑھیا قسم کے درد ہو رہے ہیں"

نرس کیتھرین کی کلائی پکڑے درد کے درمیانی وقفوں کا وقت دیکھ رہی تھی۔

کیتھرین بولی "اس بار تو خوب درد ہوا ہے"

اس کے چہرے پر سے درد کی شدت عیاں تھی۔

میں نے اس عورت سے پوچھا۔ "اور وہ ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ تو اس وقت سو رہے ہیں۔ لیکن جب ضرورت پڑے گی۔ تو وہ یہیں موجود ہوں گے"

پھر وہ میری طرف دیکھکر بولی۔ "اب مجھے بیگم صاحبہ کے لئے کچھ کرنا ہے۔ مہربانی فرما

کر ذرا سی دیر کے لئے باہر چلے جایئے"

میں ہال میں چلا گیا۔ اس گیلری نما ہال میں کسی قسم کا فرنیچر نہ تھا۔ صرف کھڑکیاں تھیں اور تمام دروازے بند تھے۔ سارے میں ہسپتال کی مخصوص خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھ کر فرش کی طرف تکنے لگا۔ میرے جی سے کیتھرین کے لئے دعائیں اٹھ رہی تھیں۔

پھر نرس بولی "آپ اندر آ سکتے ہیں"

میں اندر پہنچا تو کیتھرین نے میرا استقبال کرتے ہوئے کہا —— "ہیلو مری جان"

"کہو کیا حال ہے؟"

"اب تو درد بہت جلدی جلدی اٹھنے لگا ہے" وہ بولی۔

اس کا چہرہ سکڑ گیا۔ پھر وہ مسکرائی اور کہنے لگی "یہ اصلی درد تھا —— نرس میری کمر پر پھر ہاتھ رکھنا ہے کیا؟"

نرس بولی —— "اگر اس طرح آپکو سکون ملتا ہو تو رکھ لیتی ہوں ——"

کیتھرین نے میری طرف دیکھا اور کہا "مری جان تم اب چلے جاؤ۔ کہیں جا کر ناشتہ کرو۔ نرس کہتی ہے شاید بہت دیر تک یہ دردوں کا سلسلہ جاری رہے:"

نرس کہنے لگی "دردِ زہ کا پہلا حصہ عموماً لمبا ہوتا ہے۔"

کیتھرین بولی —— "خدارا باہر جا کر کچھ کھاؤ پیو —— میں ٹھیک ہوں بالکل ——"

میں نے کہا —— "پھر بھی میں تھوڑی دیر ٹھہروں گا ——"

پہلے درد بڑی باقاعدگی سے آتا رہا۔ پھر اس کی رفتار دھیمی پڑ گئی۔ کیتھرین بڑی بے چین ہو رہی تھی۔ جب درد خرابی کی حد تک ہوتا وہ اسے اچھا اور بہترین کہتی اور جونہی ان کی شدّت میں کمی آتی، وہ مایوس ہو کر شرمندہ سی ہو جاتی۔

پھر وہ کہنے لگی۔ "مری جان تم چلے جاؤ۔ تمہارے سامنے میں جھینپ جاتی ہوں" اس کا چہرہ شکستہ ہو کر گرہ سی بن گیا۔ پھر وہ بولی —— "ہاں —— یہ ٹھیک درد ہوا نا۔

میری کسقدر تمنا ہے کہ اچھی بیوی بنوں اور یہ بچہ بغیر کسی بیوقوفی اور نادانی کے پیدا ہو خدارا میری جان باہر جا کر کہیں سے ناشتہ کر لو۔ اور پھر واپس آ جانا ــــ سچ میں تمہیں یاد نہ کروں گی۔ تمہاری کمی کو ذرا بھی محسوس نہ کروں گی۔ نرس کا برتاؤ میرے ساتھ بیحد اچھا ہے"

نرس بولی ــــ "آپکے ناشتے کے لئے بہت سا وقت ہے"

"تو پھر میں چلتا ہوں ــــ خدا حافظ پیاری کیتھرین"

"خدا حافظ" کیتھرین کہنے لگی ــــ "اور نہایت اعلیٰ ناشتہ کرنا ــــ اور میرے حصہ کا بھی ــــ"

میں نے نرس سے پوچھا۔ "نرس میں کہاں جا کر ناشتہ کر سکتا ہوں۔ کوئی ریستوران قریب ہے" اسنے جواب دیا۔ "بس اس سڑک پہ چلے جایئے سامنے چوراہے پہ ایک کیفے ہے ابتک تو کھل گیا ہوگا"

باہر کچھ کچھ روشنی پھیل رہی تھی۔ میں خالی ویران سڑک پر چلتا ہوا کیفے تک پہنچ گیا۔ کھڑکی میں ایک بتی روشن تھی۔ میں بار کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اور ایک بوڑھے آدمی نے میرے آگے گلاس میں سفید شراب اور ایک ٹکڑا بڑھا دیا۔ ٹکڑا باسی تھا۔ میں نے اسے شراب میں بھگو دیا اور پھر گلاس میں سے شراب پینے لگا۔

بڑھے نے سوال کیا۔ "آپ اتنی صبح یہاں کیا کر رہے ہیں ؟"

"میری بیوی ہسپتال میں ہے ــــ بچہ ہونے والا ہے"

"اچھا ــــ خوش بختی آپ کے ساتھ ہو"

"مجھے ایک گلاس شراب کا اور دیجئے"

اسنے بوتل انڈیلی اور گلاس بھر دیا۔ تھوڑی سی شراب لڑھک کر جست کے کاؤنٹر پر بھی جا پڑی میں نے گلاس چڑھایا قیمت ادا کی اور باہر آگیا۔ سڑک پہ گھروں کے باہر کوڑے کرکٹ کے ڈھول صفائی کرنے والوں کے منتظر پڑے تھے۔ ایک کتا ڈھول میں

منہ دیئے سونگھ رہا تھا۔

"کیا چاہیئے جی" میں نے پوچھا۔

پھر میں نے جُھک کر ڈھول پر نگاہ دوڑائی۔ میں اسے نکال کر کتے کے سامنے
رکھنا چاہتا تھا لیکن ٹین خالی تھا۔ صرف اوپر کافی کی تلچھٹ اور باسی پھولوں کا ملبا سا
پڑا ہوا تھا۔

"کتے میاں اسمیں کچھ نہیں ہے۔ کچھ بھی تو نہیں" میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
کتا سٹرک پار کر کے چلا گیا۔

سٹرھیاں چڑھ کر میں اس منزل پہ پہنچا۔ جہاں کیتھرین تھی۔ پھر ہال میں سے ہوتا
ہوا میں اسکے کمرے میں گیا۔

میں نے دروازہ پہ دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ میں دروازہ کھول
کر اندر چلا گیا۔ کمرہ خالی تھا۔

کرسی پہ اس کا بیگ دھرا تھا اور ایک ہک کے ساتھ دیوار پہ اُسکا شب کا
گاؤن لٹکا ہوا تھا۔

باہر نکل کر میں ہال میں کسی کو ڈھونڈنے کے لئے چلا آیا۔ پھر مجھے ایک نرس نظر آئی
تو میں نے اس سے پوچھا۔

"مسز ہنری کہاں ہیں نرس؟"

"ابھی ابھی ایک خاتون ڈلوری روم میں گئی ہیں"

"اور یہ ڈلوری روم کہاں ہے نرس؟"

"چلیئے میں آپکو دکھا دیتی ہوں"

وہ مجھے ہال کے آخر میں لے گئی۔ کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ کیتھرین چادر
میں چھپی ہوئی میز پہ لیٹی تھی۔ ایک طرف نرس کھڑی تھی۔ اور دوسری جانب ڈاکٹر ایک

سنڈ کے قریب کھڑا تھا۔ ڈاکٹر کے ہاتھ میں ربڑ کا ایک ماسک تھا۔ اور اس ماسک کے ساتھ ٹیوب لگی تھی۔

نرس بولی — "میں آپ ایک گاؤن دے دیتی ہوں پہن کر آپ اندر جا سکتے ہیں یہاں آ جایئے ذرا —"

اس نے مجھ پر ایک سفید گاؤن ڈال دیا۔ پھر گردن کے پیچھے ایک سیفٹی پن لگا کر بولی "جی اب آپ اندر جا سکتے ہیں"

بڑی کھنچی ہوئی آواز میں کیتھرین نے کہا — "میری جان — اب تو میں بس ذرا جی سا کام کر رہی ہوں"

ڈاکٹر نے پوچھا۔ "آپ ہی مسٹر ہنری ہیں؟"

جی ہاں" — ڈاکٹر صاحب صورت حال کیسی ہے؟"

ڈاکٹر بولا — "بالکل ٹھیک ہے۔ ہم تو اسلئے یہاں آ گئے ہیں کہ درد میں گیس دینے میں آسانی ہو"

کیتھرین بولی "اب مجھے اس کی ضرورت ہے ڈاکٹر صاحب"

ڈاکٹر نے ربڑ کا ماسک کیتھرین کے چہرے پر لگا دیا۔ پھر ڈائیل گھمایا۔ میں کیتھرین کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی جلدی جلدی گہرے سانس لے رہی تھی۔ پھر اُسنے ماسک پرے کر دیا۔ ڈاکٹر نے ڈائیل بند کر دیا۔

"یہ کچھ ایسا بڑا درد نہ تھا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی واقعی ایک معرکے کا درد ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب مجھے ناک کی سیدھ میں لے گئے — ہیں نا ڈاکٹر صاحب"

ڈاکٹر مسکرانے لگا۔

کیتھرین بولی — "اب دیکھئے اب پھر مجھے اسکی ضرورت ہے"

اسنے ربڑ کے ماسک کو مضبوطی سے اپنے چہرے پر پکڑ لیا اور تیزی سے سانس

لینے لگی۔ وہ ہوتے ہوئے کراہ رہی تھی۔ پھر اس نے ماسک کو پرے کیا اور مسکراتے ہوئے بولی ــــ "اس بار بڑا درد ہوا ہے۔ اصلی عظیم درد ــــ لیکن مری جان تم فکر نہ کرو ــــ بس تم چلے جاؤ ــــ جاؤ جاکر ایک بار پھر ناشتہ کر لو ــــ جاؤ جی "

نہیں میں ٹھہروں گا ــــ "میں بولا۔

ہم صبح قریباً تین بجے ہسپتال پہنچے تھے۔ لیکن کیتھرین سہ پہر کے وقت بھی ڈیلیوری روم میں ہی پڑی تھی۔ درد پھر مدھم ہو کر ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ وہ نہایت تھکی ہوئی اور پراگندہ حال لگتی تھی۔ لیکن ابھی تک وہ بشاش تھی۔

پھر اس نے کہا۔ "میں تو بالکل ناکارہ ہوں مری جان۔ معاف کرنا میں سمجھتی تھی کہ میں بڑی آسانی سے اس مرحلے سے گزر جاؤں گی ــــ اب ــــ اب درد آیا ... "

اس نے ماسک کے لئے ہاتھ بڑھایا پھر اسے اپنے چہرے پر مضبوطی سے جما دیا ڈاکٹر نے ڈائیل گھمایا اور کیتھرین پر نظریں جما دیں۔ تھوڑی دیر میں ہی درد غائب ہو گیا ماسک اتر گیا۔

کیتھرین کہنے لگی۔ "کچھ بھی نہیں بس معمولی درد تھا۔" پھر وہ مسکرا کر بولی "اس گیس کے معاملے میں میں بالکل احمق ہوں ــــ یہ بھی نہایت حیرت انگیز چیز ہے۔"

میں نے کہا۔ "ہم اپنے گھر کے لئے تھوڑی سی لے چلیں گے "

کیتھرین جلدی جلدی پکاری ــــ "وہ اٹھا ــــ وہ آیا ــــ ہائے میں مری "

ڈاکٹر نے ڈائیل گھمایا اور گھڑی دیکھنے لگا۔

" اب کتنے وقفے کے بعد درد آ رہا ہے ڈاکٹر؟ "میں نے پوچھا

" قریباً ایک ایک منٹ بعد "

" آپ لنچ نہیں کھائیں گے کیا؟"

ڈاکٹر بولا ــــ " میں جلد ہی کچھ کھا لوں گا۔"

کیتھرین بولی۔ "آپ ضرور کچھ نہ کچھ کھا لیں ڈاکٹر مجھے کتنا افسوس ہے کہ میں نے اس قدر دیر کر دی۔" پھر اس نے کہا۔

"یہ میرے شوہر کیا مجھے گیس نہیں دے سکتے؟"

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "ہاں اگر آپ چاہیں تو ہو سکتا ہے۔ دیکھئے اسے لگا کر نمبر ۲ پورے آتے گا۔"

"جی ہاں — میں سمجھ گیا" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ڈائیل پر ایک نشان بنا ہوا تھا جسے ایک ہتھی سے ہلا کر نمبر تبدیل کرتے تھے۔

"آپ — اب دیجئے" کیتھرین بولی

اس نے بے حد زور سے ماسک اپنے چہرے کے قریب کر لیا۔ میں نے ڈائیل نمبر ۲ پر کر دیا۔ اور جب کیتھرین نے ماسک پرے کیا تو میں نے گیس بند کر دی۔ یہ ڈاکٹر کی نوازش تھی کہ اس نے مجھے کچھ کام کرنے کے لئے دے دیا تھا۔

کیتھرین نے پوچھا۔ "اب کے تم نے ڈائیل پھیرا یا تھا مری جان؟"

وہ میری کلائی تھپکنے لگی۔

"جناب! — یہ ہم ہی ننھے"

گیس کا اس کے دماغ پر اثر ہوتا جارہا تھا۔

"تم کس قدر پیارے ہو"

ڈاکٹر بولا — "میں برابر کے کمرے میں کھڑے کھڑے کھانا کھالوں گا۔"

جس وقت میری ضرورت ہو مجھے بلا لیجئے۔

وقت گزرنے لگا۔ پہلے میں نے دیکھا ڈاکٹر کھانا کھا رہا تھا۔ پھر کچھ عرصہ وہ لیٹ کر سگریٹ پینے لگا۔

کیتھرین اب بہت تھک چکی تھی

وہ پوچھنے لگی۔ "تمہارا کیا خیال ہے میرے ہاں یہ بچہ پیدا ہو بھی جائے گا کبھی؟"

"ہاں کیوں نہیں"

"جسقدر ممکن ہے میں کوشش کرتی ہوں۔ بہتیرا میں نیچے کی طرف زور لگاتی ہوں لیکن جیسے درد کہیں وہ رہی رہ جاتا ہے۔" پھر وہ بولی۔

"وہ پھر آ پہنچا — پھر آ پہنچا — لاؤ مجھے دو — ہائے —"

دو بجے باہر نکل کر میں نے لنچ کھایا۔ کیفے میں کچھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے میزوں پر کافی تھی اور چلیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں بھی ایک میز پر بیٹھ گیا۔

پھر میں نے ویٹر سے پوچھا۔ "کچھ کھانے کو ملے گا؟"

"لنچ کا وقت تو گزر چکا ہے جی"

"کھانے کے لئے کچھ تو ہو گا نا!"

"آپ کو بند مل سکتا ہے۔؟"

"چلو بند ہی سہی اور اس کے ساتھ بیئر"

"ایک جگ یا ادھا"

"ادھا"

تھوڑی دیر میں ویٹر دونوں چیزیں لے کر آ گیا۔ میں نے بند کو بیئر میں ڈبو ڈبو کر کھانا شروع کر دیا۔ اور شراب کے گھونٹ حلق سے نیچے اتارتا رہا۔

مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ کیفے میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر بار بار میری نظر پڑتی تھی۔ ایک میز پر چند ایک کھلاڑی تاش کھیل رہے تھے۔ میری ساتھ والی میز پر دو آدمی سگریٹ پیتے ہوئے باتیں کئے جا رہے تھے۔ کیفے میں دھواں بھرا ہوا تھا۔ جست کے بار پر جہاں میں نے ناشتہ کیا تھا۔ اب تین شخص کھڑے تھے۔

ایک تو بوڑھا سا آدمی تھا۔ دوسری سیاہ لباس میں ملبوس وہ موٹی تازہ عورت تھی۔ جو کاؤنٹر کے پیچھے

بیٹھی ہوئی ان تمام چیزوں کی جانچ پڑتال کرتی تھی۔ جو میزوں پہ پہنچائی جاتی تھیں۔ نمبر ا دو کا تھا۔ جس نے ... پہن رکھا تھا۔ میں سوچنے لگا۔ کہ پتہ نہیں اس عورت کے کتنے بچے ہیں۔ اور پتہ نہیں ان کی پیدائش پر کیا ... ہو گی۔ کھانے کے بعد میں ہسپتال میں واپس چلا گیا۔ سڑک اب بالکل صاف تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ لیکن سورج باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں لفٹ میں چڑھ کر اوپر پہنچا۔ اور ہال میں سے ہو کر کیتھرین کے کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں میں جاتے ہوئے اپنا سفید گاؤن چھوڑ گیا تھا ـــ میں نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا۔ تو ایسے لگا جیسے میں داڑھی والا بناوٹی ڈاکٹر ہوں۔ میں ہال میں سے ہو کر ڈیلیوری روم تک پہنچا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔ ڈاکٹر کیتھرین کے پاس بیٹھا تھا۔ نرس کمرے کے دوسرے جانب کسی اور کام میں مشغول تھی۔

"لیجئے۔ یہ رہا آپ کا خاوند ـــ" ڈاکٹر بولا۔

کیتھرین بڑی عجیب سی آواز میں بولی ـــ "میری جان میرا ڈاکٹر نہایت اعلیٰ انسان ہے۔ ابھی ابھی اس نے مجھے ایک عجب حیرت انگیز کہانی سنائی ہے۔ اور جب کبھی شدت کا ناقابلِ برداشت درد اٹھتا ہے یہی مجھے پاس لے جاتے ہیں۔ حیرت انگیز ـــ آپ واقعی حیرت انگیز ہیں ڈاکٹر صاحب واقعی!"

"تمہارے حواس بجا نہیں۔ تم مدہوش ہو گئی ہو" میں نے کہا۔

کیتھرین کہنے لگی۔ "میں جانتی ہوں ـــ میں جانتی ہوں لیکن تمہیں ست نہ کہنا چاہیئے"

پھر مجھے دے دیجئے ـــ ابھی دیجئے ـــ فوراً فوراً کی رٹ شروع ہو گئی۔ اس نے بڑی مضبوطی سے ماسک کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ وہ ہانپ ہانپ کر سانس لے رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے گہرے سانسوں سے ماسک دھڑکنے لگا۔ پھر اس نے لمبی سی آہ بھری۔ ڈاکٹر نے بایاں ہاتھ بڑھا کر ماسک میرے کر لیا۔

کیتھرین بولی ـــ "اس بار بہت شدید درد ہوا ہے۔"

اس کی آواز بدلی ہوئی اور بڑی عجیب تھی۔

"اب میری جان میں مر نہیں سکتی۔ میں اس حد سے گزر گئی ہوں۔ جہاں مجھے مر جانا چاہیئے تھا۔"

"تم خوش ہوناں؟ — بتاؤ خوش ہونا؟"

"اس سرحد پر بھی نہ پہنچنا۔" میں نے کہا۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ گو مجھے بڑا ڈر آ رہا ہے۔ لیکن میں مروں گی نہیں مری جان۔"

ڈاکٹر بولا — "نہیں تم اس قسم کی کوئی نادانی نہ کرو گی۔ مگر کیا اپنے شوہر کو تنہا چھوڑنے کی ٹھانی ہے۔"

"نہیں میں نہیں مروں گی۔ میں تو کسی قیمت پر بھی موت کو قبول نہیں سکتی۔ مرنا تو انتہائی نادانی ہے۔

وہ آیا — وہ آیا درد — دیجئے — دیجئے ماسک دیجئے"

تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر بولا۔ "مسٹر ہنری آپ ذرا سی دیر کے لئے باہر چلے جائیے۔ مجھے معائنہ کرنا ہے۔"

کیتھرائن نے وضاحت کی۔" یہ پوزیشن دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم بعد میں آجانا میری جان۔ یہ آسکتے ہیں نا ڈاکٹر؟"

ڈاکٹر نے اثبات میں جواب دیا۔ "جی ہاں میں خود انہیں اطلاع بھجوا دوں گا۔"

میں نے دروازہ کھولا اور ہال میں سے ہو کر اس کمرے کی طرف چلا۔ جہاں کیتھرائن کو بچے کی پیدائش کے بعد آنا تھا۔ میں کرسی پر بیٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ جب میں لنچ کھانے گیا تھا۔ تو میں نے اخبار خرید کر جیب میں ڈال لیا تھا۔ باہر اندھیرا پھیل رہا تھا۔ میں نے بتی جلائی۔ اور اخبار نکال کر پڑھنے لگا۔ پھر میں سوچنے لگا۔ کہ آخر ڈاکٹر نے مجھے اب تک بلوایا کیوں نہیں؟ شائد دور رہنے میں ہی بہتری ہو۔ شائد وہ یہی چاہتا ہو کہ میں کچھ دیر وہاں نہ رہوں، میں نے اپنی گھڑی دیکھی اور سوچا اگر دس منٹ تک ڈاکٹر نے مجھے نہ بلایا۔ تو میں خود وہاں چلا جاؤں گا۔

بیچاری کیتھرائن! — پیاری سی بیچاری کیٹ! اکٹھے سونے کی یہی تو قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ پھندے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے محبت کرنے کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ شکر ہے۔ گیس ایجاد ہو چکی ہے۔ ورنہ — بھلا جب یہ سن کرنے والی دوائیاں اور اس طرح کی گیس نہیں تھیں تب لوگ کیا کرتے تھے؟ لیکن جب یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تو سبھی چکی میں پس جاتی ہیں۔ جس کے دوران میں

کیتھرین نے خوب مزے کئے تھے۔ کم ازکم اس کی حالت کبھی خراب نہ ہوئی تھی۔ کبھی قے وغیرہ نہ ہوئی تھی۔ کچھ ایسی بے آرامی بھی اسے نہ ہوئی تھی ــــ کم ازکم آخری وقت سے کچھ پہلے تک آرام سے ہی وقت کٹا ــــ لیکن آخر میں وہ پکڑی گئی۔ زندگی میں صاف چھوٹ جانا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ چھوٹ جانا؟ ــــ تو یہ چھٹکارا کیا؟ اگر ہماری شادی کو پچاس برس بھی ہو چکے ہوتے تب بھی یہی حال ہوتا ــــ اور اگر وہ مرگئی تو؟ نہیں نہیں وہ مر نہیں سکتی۔ آجکل بچے کی پیدائش پر کون مرتا ہے۔ سبھی شوہر یہی سوچتے ہیں۔ ہاں ہاں لیکن اگر وہ مرگئی ــــ نہیں جی وہ کیوں مرے گی بھلا؟ وہ تو بس مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ دردِ زہ کا پہلا حصہ عموماً لمبا ہوتا ہے۔" بس اس پر برا وقت آن پڑا ہے۔ بعد میں ہم کہا کریں گے۔ کہ وہ وقت بھی کس خرابی میں کٹا تھا۔ اور کیتھرین تردید کرتے ہوئے کہے گی۔ جی کچھ ایسا برا بھی نہ تھا۔

لیکن اگر وہ مرگئی تو؟ ــــ

نہیں وہ مر نہیں سکتی۔

ہاں مر تو نہیں سکتی۔ لیکن اگر۔ . . . اگر ایسے ہو گیا تو ــــ

نہیں نہیں بھئی میں تمہیں بتا رہا ہوں وہ نہیں مرسکتی۔ احمق نہ بنو۔ بس یہ خراب وقت گزر رہا ہے۔

فطرت نے آفرینش کے دروازے اسی پر کھول دیئے ہیں۔

یہ تو دردِ زہ کا پہلا حصہ ہے۔ اور پہلا حصہ عموماً طویل ہوتا ہے۔

ہاں ہاں ہوتا تو ہے ــــ لیکن اگر وہ مرگئی تو۔

وہ کیونکر مرسکتی ہے؟ وہ کیوں مرنا چاہے گی بھلا؟

اس کے مرنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو؟

ایک بچے کو پیدا ہونا ہے۔ میلان کی دلکش راتوں کا نتیجہ ــــ میلان کی حسین راتوں کی ضمنی پیداوار یہ بچہ بڑی تکلیف دیتا ہے۔ اور پھر اس بچے کی پرورش کیا کرتے ہیں۔ اور شاید اس بچے سے انس بھی ہو جایا کرتا ہے۔

لیکن ــــ لیکن اگر وہ مرگئی تو؟

نہیں وہ کیسے مر سکتی ہے۔؟

لیکن اگر وہ مر گئی —— پھر کیا ہو گا۔

نہیں نہیں ——

وہ بالکل ٹھیک ہے۔

لیکن —— اگر وہ مر ہی گئی۔ تو پھر کیا ہو گا۔؟

وہ نہیں مر سکتی نہیں۔

لیکن —— سوچو تو اگر.... اگر ایسے ہو گیا تو؟

اچھا تو پھر؟ —— پھر اس کے متعلق تو سوچو۔

ہاں ہاں اگر وہ مر گئی تو پھر کیا ہو گا۔ کیا ہو گا۔

ڈاکٹر کمرے میں آ گیا۔

"ڈاکٹر صاحب کیا حال ہے۔؟"

وہ بولا —— کیس ذرا بھی آگے نہیں بڑھا ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوا۔" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟"

"یہی مطلب ہے میرا —— میں نے ابھی معائنہ کیا تھا" اس نے معائنے کی تفصیل سمجھاتے ہوئے کہا

"اس وقت سے میں منتظر رہا ہوں۔ لیکن ذرا بھی ترقی نہیں ہوئی۔"

"آپ کیا مشورہ دیتے ہیں؟"

"دو صورتیں ہیں۔ یا تو اوزاروں سے زبردستی بچہ جنا لیا جائے۔ ایسی صورت میں ایک تو گوشت کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ دوسرے ویسے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اور دوسرا حل یہ ہے کہ پیٹ چاک کر کے بچہ پیدا کیا جائے"

"پیٹ چاک کے آپریشن میں بھلا کتنا کچھ خطرہ ہے ڈاکٹر؟"

اور اگر وہ مر گئی تو؟ پھر کیا ہو گا۔؟

"عام معمولی ڈلیوری سے زیادہ خطرہ تو نہیں ہوتا ؟"

"آپ خود ہی آپریشن کریں گے نا ؟"

"جی ہاں ۔ مجھے تیاری میں تقریباً گھنٹہ لگ جائے گا ۔ کچھ امدادی ہاتھ بھی جمع کرنا ہوں گے شاید اس سے کم وقت درکار ہو ۔۔۔ پھر بھی ۔۔۔"

"آپ کا کیا خیال ہے ؟"

"میں تو آپریشن ہی کا مشورہ دوں گا ۔ اگر میری بیوی کا معاملہ ہوتا تو میں آپریشن ہی کے حق میں ہوتا ۔"

"بعد میں کچھ اثرات تو نہیں رہ جاتے ؟"

"کچھ بھی نہیں ۔ صرف زخم کا نشان باقی رہ جاتا ہے ۔"

"کوئی بیماری وغیرہ تو نہیں لگ جاتی ؟"

"اوزاروں کی ڈلیوری جتنا خطرہ نہیں ہوتا ۔"

"اگر آپ اسی طرح حالات رہنے دیں اور کچھ نہ کریں تو ؟ ۔۔۔"

"بالآخر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا ۔ مسز ہنری بہت نڈھال ہو چکی ہیں ۔ لمحہ بہ لمحہ ان کی طاقت زائل ہوتی جا رہی ہے ۔ جتنی جلدی آپریشن ہو ۔ اسی قدر خطرے کے امکانات کم ہیں ۔"

"پھر تو جلدی کیجئے ۔ جس قدر جلدی ممکن ہو کیجئے ۔" میں نے کہا ۔

"میں ابھی جا کر ہدایات دیتا ہوں ۔۔۔"

میں ڈلیوری والے کمرے میں چلا گیا ۔ کیتھرین میز پر پڑی تھی ۔ اس کا جسم بہت بڑا لگ رہا تھا ۔ لیکن اس کا تھکا ہوا چہرہ نہایت زرد تھا ۔

وہ پوچھنے لگی ۔ "تم نے اسے کہہ دیا ہے نا کہ وہ آپریشن کرے ؟"

"ہاں ۔۔۔"

"بڑی شاندار بات ہے ۔ بس گھنٹہ بھر کی بات ہے ۔ پھر فیصلہ ہو جائے گا ۔ میری تو طاقت جواب دے چکی ہے میری جان ۔ میری جان ٹوٹ رہی ہے ۔۔۔ جسم کے ٹکڑے ہو رہے ہیں سمجھے وہ

دے دو — از راہِ کرم دے دو — ہائے یہ کام نہیں کرتا۔ ہائے خدایا ذرا بھی تو کام نہیں کرتا۔"

"گہرا سانس لو —"

"لے رہی ہوں۔ بس اب یہ کام نہیں کرتا۔ اس نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔"

"ایک نیا سلنڈر لے آؤ نرس،" میں نے نرس سے کہا۔

"یہ نیا ہی ہے جی۔"

کیتھرین بولی: "میں تو خیر گدھی ہوں احمق ہوں میری جان — لیکن یہ بھی اب کام نہیں کرتا۔" وہ رو رو کر کہنے لگی: "ہائے میری کس قدر تمنا تھی کہ بغیر تکلیف دیئے یہ بچہ پیدا ہو جاتا۔ اور اب میری قوت جواب دے چکی ہے۔ اور میرا تن ٹوٹ رہا ہے۔ اور یہ ماسک بھی کام نہیں کرتا۔ ہائے میری جان یہ ناکارہ ہو گیا ہے بالکل — مجھے مرنے سے ذرا بھی ڈر نہیں آتا۔ صرف کہیں اس درد کا قصہ تمام ہو تو — ہائے میری جان ...... میری جان ..... جان ..... اسے روک لو — اسے تھام لو... آگیا .... آگیا درد آگیا۔ ہائے ہائے ہائے۔"

وہ سسکیاں بھرتی ہوئی ماسک میں سانس لینے لگی۔ "یہ کام نہیں کرتا۔ بالکل کام نہیں کرتا۔ بالکل بھی نہیں۔ میری پروا نہ کرو میری جان۔ ہائے روؤ نہیں ...... میری پروا نہ کرو۔ بس میرا وجود ریزہ ریزہ ہو گیا ہے۔ ہائے میری پیاری بیچاری جان — مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ میں پھر سے اچھی بن جاؤں گی۔ اس بار میں ضرور اچھی بنوں گی۔ یہ مجھے کچھ دے دلا نہیں سکتے کیا؟ کاش یہ مجھے کچھ دے سکتے تو ....."

"میں اسے چلا دوں گا۔ میں اسے سارے کا سارا گھما دوں گا۔"

"اب دو — اب"

میں نے ڈائیل کا سارا نشان گھما ڈالا۔ وہ بڑی مشکل سے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ پھر جب اس کا ہاتھ ماسک پر ڈھیلا ہو گیا۔ تو میں نے گیس بند کر دی۔ اور ماسک اٹھا لیا وہ کہیں بڑی دور سے واپس آ گئی۔

"یہ تو نہایت دلکش طریقہ تھا۔ ہائے تم مجھ پر کتنی مہربانیاں کرتے ہو"

"بہادر بنو کیتھرین کیونکہ میں سارا وقت تمہیں اس طرح گیس نہیں دے سکتا۔ شائد اس طرح تم ختم ہی ہو جاؤ۔"

"اب میری جان میں بہادر نہیں رہی۔ میرا وجود ٹوٹ گیا ہے۔ ان لوگوں نے مجھے توڑ دیا ہے اب میں جان گئی ہوں۔ اب مجھے پتہ لگ گیا ہے۔"

"یہ درد اسی طرح کے ہوتے ہیں؟"

"عجیب دہشت ناک درد ہے۔ اس پر ہسپتال والے اس وقت تک چھپا کئے جاتے ہیں جب تک انسان ریزہ ریزہ نہ ہو جائے؟"

"بس ایک گھنٹہ بھر کی اور بات ہے۔"

"ہے نا نہایت اعلیٰ بات ـــــ میری جان میں مر تو نہ جاؤں گی ـــــ بتاؤ نا؟"

"نہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔"

"میں مرنا نہیں چاہتی ـــــ کیونکہ ... کیونکہ میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتی۔ لیکن میں اس قدر تھک جاتی ہوں ـــــ اور مجھے محسوس ہوتا ہے۔ جیسے موت میرے قریب آ رہی ہے۔ ہر لمحہ ... ہر لمحہ"

"واہیات ـــــ سبھی اس طرح محسوس کیا کرتے ہیں۔"

"نہیں نہیں ـــ تم نہیں مر سکتیں"

"لیکن .... لیکن اگر میں مر گئی تو؟ ـــــ تو؟"

"میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا ـــ نہیں ہرگز نہیں"

"دو ـــــ ابھی دو جلدی ـــــ ابھی دو .... ماسک .... ماسک"

اور پھر بعد میں وہ بولی۔ "نہیں میں نہیں مروں گی ـــــ میں اپنے آپ کو مرنے ہی نہیں دوں گی"

"بے شک! ـــــ"

"تم میرے ساتھ ٹھہرو گے نا؟"

"تمہیں دیکھنے کے لئے تو نہیں۔"

"نہیں صرف میرے پاس ٹھہرنے کے لئے تو ہو ــــ"

"کیوں نہیں ــــ میں سارا وقت یہیں ہوں گا۔"

"تم کتنے اچھے ہو۔ مجھ سے کتنی مہربانی سے پیش آتے ہو ــــ لاؤ مجھے کچھ اور دو۔ تھوڑی سی اور ــــ ہائے یہ کام نہیں کرتا۔ یہ ماسک ناکارہ ہے۔"

میں نے ڈائیل گھما کر تین پر کیا۔ پھر اسے چار پہ لے گیا۔ میں ڈاکٹر کی واپسی کے لئے دعائیں مانگ رہا تھا۔ دو سے زیادہ نمبروں پر جاتے ہوئے مجھے ڈر لگتا تھا۔

بالآخر ایک نیا ڈاکٹر دو نرسوں کے ساتھ آ پہنچا۔ انہوں نے کیتھرین کو اٹھا کر پہیوں والے سٹریچر پر ڈالا اور ہم ہال میں چلنے لگے۔ سٹریچر بڑی تیزی سے ہال میں سے گزرتا ہوا لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ پھر ہم سب دیواروں کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے اور سٹریچر کے لئے جگہ بنا دی۔ اوپر پہنچ کر دروازہ کھلا۔ لفٹ میں سے نکلے اور ربڑ والے پہیوں پر بڑھتا ہوا سٹریچر آپریشن والے کمرے میں جا پہنچا۔ منہ پر نقاب اوڑھے ٹوپی پہنے ہوئے ڈاکٹر کو میں پہچان نہ سکا۔ وہاں ایک اور ڈاکٹر اور کچھ اور نرسیں جمع تھیں۔

کیتھرین بولی ــــ "انہیں مجھے کچھ تو دینا ہی پڑے گا۔ کچھ نہ کچھ تو دیں گے ہی۔ ہائے خدایا ڈاکٹر خدایا کم از کم اتنی گیس تو دو کہ مجھے کچھ آرام مل سکے ــــ"

ان میں سے ایک ڈاکٹر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر ماسک لگا دیا۔ میں نے دروازے میں سے دیکھا۔ آپریشن والے کمرے کی چھوٹی سی گیلری جگمگا رہی تھی۔

ایک نرس نے مجھ سے کہا۔ "دوسرے دروازے میں سے جا کر آپ وہاں بیٹھ جائیے۔" ایک جنگلے کے پیچھے بنچیں تھیں۔ یہاں سے سفید میز اور بتیاں صاف نظر آتی تھیں۔ میں نے کیتھرین کی طرف دیکھا۔ ماسک اس کے چہرے پر تھا۔ اور اب وہ خاموش ہو گئی تھی۔ انہوں نے سٹریچر آگے بڑھایا۔ میں نے چہرہ پرے کر لیا۔ اور ہال میں دوسری طرف چلنے لگا۔ دو نرسیں گیلری کے دروازے

کی طرف جلدی جلدی بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔

ایک بولی۔ "آپریشن ---- آپریشن کرنے لگے ہیں۔"

دوسری ہنس کر کہنے لگی۔ "ہم بھی عین وقت پر پہنچی ہیں۔ ہے نا ہماری خوش قسمتی!" وہ گیلری کی طرف جانے والے دروازے سے ہی داخل ہو گئیں۔

ایک اور نرس ادھر آ گئی۔ وہ جلدی میں تھی۔

کہنے لگی۔ "بس ادھر سیدھے چلے جایئے ---- سیدھے"

"میں باہر ٹھہرتا ہوں۔"

وہ جلدی سے اندر چلی گئی۔ میں ہال میں ادھر ادھر پھرنے لگا۔ مجھے اندر جاتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ میں نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ لیکن کھڑکی کی روشنی میں میں نے دیکھا۔ بارش برس رہی تھی میں ہال کے آخری کنارے والے کمرے میں چلا گیا۔ یہاں شیشے کی الماری میں کچھ بوتلیں دھری ہوئی تھیں۔ میں ان کے لیبل دیکھنے لگا۔ پھر میں ہال میں نکل کر کھڑا ہو گیا۔ اور آپریشن والے کمرے کا دروازہ دیکھنے لگا۔

اسی اثنا میں ایک ڈاکٹر باہر نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک نرس چلی آ رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں تازہ چھیلے ہوئے خرگوش ایسی لال لال کوئی چیز تھی۔ وہ اسے اٹھائے ہوئے جلدی جلدی گیلری میں سے گذر کر ایک دروازہ کھول کر اندر غائب ہو گئی میں بھی اسی طرف بڑھا۔ اور دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ وہ نومولود بچے کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے بچے کو مجھے دکھانے کے لئے اٹھایا۔ پھر اسے ٹخنوں سے پکڑ کر سر کے بل لٹکایا۔ اور اس کے چوتڑوں پر تھپڑ مارنے لگا۔

"ڈاکٹر۔ یہ ٹھیک ٹھاک ہے نا؟"

"نہایت ٹھیک ہے۔ تقریباً دس پاؤنڈ کا ہو گا۔"

میرے دل میں اس کے لئے کوئی احساس نہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے میرے اور اس کے بیچ کوئی رابطہ ہی نہ ہو۔ کسی قسم کا تعلق نہ ہو۔ مجھ میں باپ پن کا ذرا بھی احساس پیدا نہ ہوا۔

پھر وہ اسے دھونے لگے۔ نہلانے کے بعد اسے انہوں نے کسی چیز میں لپیٹ دیا۔ اس کا

چہرہ اور ہاتھ مجھے نظر آ رہے تھے۔ لیکن اس کے رونے کی آواز نہ آتی تھی۔ اور نہ ہی وہ حرکت کرتا دکھائی دیتا تھا۔ ڈاکٹر اس پر جھکا ہوا کچھ کرنے میں مشغول تھا۔ میں نے دیکھا ڈاکٹر پریشان نظر آتا تھا۔

میں نے کہا ——— اس نے تو اپنی ماں کی جان ہی لے لی تھی۔"

" اس ننھے سے چاند کا کیا قصور ہے بھلا ! آپ کو لڑکا نہیں چاہیئے تھا ؟ "

"نہیں ———" میں نے کہا۔

ڈاکٹر پھر اس کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ اس نے بچے کو ایڑیوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اور پھر اسے تھپتھپانے لگا۔ میں نے نتیجہ دیکھنے کا انتظار نہ کیا۔ اور ہال میں چلا گیا۔ اب تو میں اندر جا کر دیکھ سکتا تھا۔ دروازے میں سے ہو کر میں گیلری میں کچھ دور تک چلا گیا۔ کچھ نرسیں جنگلے کے پاس بیٹھی تھی۔ انہوں نے مجھے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ جہاں میں کھڑا تھا۔ وہاں سے بھی بہت کچھ نظر آ رہا تھا۔

کتیھرین کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ وہ مر چکی ہے۔ وہ مردہ سی لگ رہی تھی۔ جتنا کچھ چہرہ مجھے نظر آ رہا تھا۔ خاکستری ہو چکا تھا نیچے جہاں روشنی پڑ رہی تھی۔ نہایت گہرا لمبا اور موٹے کناروں والا زخم نظر آ رہا تھا۔ ایک ڈاکٹر اس زخم کو سینے میں مشغول تھا۔ دوسرا ڈاکٹر جس کے چہرے پر نقاب تھا۔ کیتھرین کو بے ہوشی کی دوا دے رہا تھا۔ چہروں پر سفید نقاب اوڑھے دو نرسیں چیزیں پکڑانے میں مصروف تھیں۔

جب میں نے اس زخم کو دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ میں ساری کاروائی ہی دیکھ سکتا تھا۔ لیکن شکر ہے میں آپریشن کے وقت موجود نہ تھا۔ شائد میں انہیں کیتھرین کا پیٹ چاک کرتے ہوئے نہ دیکھ سکتا۔ لیکن جب انہوں نے زخم کو نہایت سلیقے سے بدھیاں چابکدست موچی کی طرح سی ڈالا ——— تو میں نے شکر کا سانس لیا۔ جب کھلے ہوئے زخم کا منہ بند ہو گیا۔ تو میں ہال میں نکل کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد ڈاکٹر باہر آیا۔ تو میں نے پوچھا۔

" اب ان کی طبیعت کیسی ہے ؟ "

" ٹھیک ہے۔ آپ نے آپریشن دیکھا تھا۔"

ڈاکٹر تھکا ہوا نظر آتا تھا۔

"میں نے آپ کو سیتے ہوئے دیکھا تھا۔ شگاف تو بہت لمبا تھا۔"

"اچھا —— ؟"

"جی ہاں —— نشان ہموار ہو جائے گا نا ؟"

"جی ہاں —— کیوں نہیں۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ پہیوں والا اسٹریچر لے آئے اور اسے بڑی تیزی سے لفٹ کی طرف لے چلے۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ کیتھرین کراہ رہی تھی۔ نیچے پہنچ کر انہوں نے اسے اس کے کمرے میں بستر پر ڈال دیا۔ میں پلنگ کی پائنتی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک نرس کمرے میں گھوم پھر رہی تھی۔ پھر میں اٹھ کر بستر کے پاس جا کھڑا ہوا۔ کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

کیتھرین نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کہا —— "ہیلو مری جان"

اس کی کمزور سی آواز نہایت تھکی ہوئی تھی۔

"ہیلو مائی"

"بچہ کیسا ہے ؟"

نرس نے چپ کراتے ہوئے کہا —— "ششش ! —— بات نہ کیجئے"

"لڑکا ہے —— لمبا چوڑا اور سنولایا ہوا سا"

"بالکل ٹھیک ٹھاک ہے نا ——"

"—— بالکل" میں نے جواب دیا۔

میں نے دیکھا۔ نرس مجھے عجیب سی نظروں سے گھور رہی تھی۔

کیتھرین کہنے لگی۔ "میں بیحد تھکی ہوئی ہوں۔ اور بے پناہ درد ہو رہا ہے۔ تم ٹھیک ہو نا مری جان ؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم باتیں نہ کرو کیتھرین۔"

"تم نے میرے ساتھ کتنی مہربانی کی تھی۔ ہائے میری جان بیحد درد ہوتا ہے ——"

بچہ کس پر ہے ؟"

" بالکل تازہ چھپلا ہوا خرگوش اور شکل ایسی ہے - جیسے جھریوں والے بڈھے کا سکڑا ہوا چہرہ"

نرس بولی —— " آپ باہر چلے جائیے - مسز منزی کو باتیں نہیں کرنا چاہئیں "

" میں باہر ہی رہوں گا ——" میں بولا

" جاکر کچھ کھا پی لو ——"

" نہیں —— میں باہر رہوں یہیں "

میں نے کیتھرین کو چوم لیا۔

تھکی ہوئی کمزور کیتھرین کا سارا وجود خاکستری لگ رہا تھا۔

میں نے نرس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ " مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے"

وہ میرے ساتھ ہال میں آگئی۔ میں اسے لے کر تھوڑی دور تک چلا گیا۔

پھر میں نے نرس سے پوچھا۔ " بچے کو کیا ہوا ہے نرس ؟"

" آپ نہیں جانتے کیا ؟ "

" نہیں "

" وہ زندہ نہیں تھا۔"

" یعنی —— یعنی وہ مرا ہوا تھا۔"

" انہوں نے بہت کوشش کی۔ لیکن بچے نے سانس نہیں لیا۔ شاید آنول اس کی گردن میں پھنس گئی تھی۔ یا شاید ——"

" وہ تو مر چکا ہے ——"

" جی ہاں —— کتنے دکھ کی بات ہے۔ کس قدر بڑا اور خوبصورت لڑکا تھا۔ میرا خیال تھا۔ آپ کو علم ہو گا۔"

" نہیں تو ——" میں نے کہا —— " بہتر ہے کہ آپ بیگم صاحبہ کے پاس لوٹ جائیں۔"

میں ایک کرسی پر جا بیٹھا۔ سامنے ایک میز پڑی تھی۔ اس پر چٹکیوں میں لگی نرسوں کی رپورٹیں ایک طرف لٹک رہی تھیں۔ میں کھڑکی میں سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

سو یہ انجام ہُوا ـــــ بچہ مر چکا تھا۔

اسی لئے تو ڈاکٹر اس قدر تھکا ہُوا تھا۔ لیکن اس کمرے میں بھلا بچے کے ساتھ اس طرح پیش آنے کی کیا ضرورت تھی؟ شاید ان کا خیال تھا کہ مارنے سے اس میں زندگی عود کر آئے گی۔ اور وہ سانس لینے لگے گا۔ میرا کوئی مذہب نہ تھا۔ لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ بچے کا بپتسمہ کروانا ضروری تھا۔ لیکن اگر اس نے سانس ہی نہ لیا ہو تو پھر؟ ـــــ کم از کم اس بچے نے تو ایک بار بھی سانس نہ لیا تھا۔ وہ کبھی زندہ تھا ہی نہیں۔ بس وہ کیتھرین کے اندر زندہ تھا۔ وہاں تو کئی بار میں نے اسے ٹانگیں مارتے محسوس کیا تھا۔ لیکن پچھلے ہفتے سے اس کی یہ حرکت بھی بند تھی۔ شاید سارا وقت اس کے گلے میں پھندا رہا تھا۔ اور اس کا دم گھٹتا رہا تھا۔

بیچارہ ننھا سا بچہ! میرے جی میں بڑی شدت سے تمنا اٹھی۔ کہ کاش میرا دم اسی طرح گھٹ گیا ہوتا۔ لیکن پھر دوسرے لمحے میں اس تمنا سے گریزاں ہو گیا۔ اگر میں اس طرح مر گیا ہوتا۔ تو اس لمحے مجھے موت کے یہ پہلو نہ دیکھنا پڑتے ـــــ ہم نے سوچا اب کیتھرین بھی مر جائے گی۔ بس یہی ہوتا ہے۔ انسان مر جاتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا۔ کہ آخر کیوں ایسے ہوتا ہے۔ لیکن موت آ جاتی ہے۔ کچھ بھی سیکھنے کی مہلت نہیں ملتی۔ بس انسان کو یہاں دھکیل دیتے ہیں کچھ اصول بتا دیتے ہیں۔ اور پہلی بار جب آپ کے پیر ذرا سے اٹھتے ہیں۔ آپ ذرا سے بے سہارا ہوتے ہیں۔ آپ کو مار دیا جاتا ہے۔ یا پھر ایمو کی طرح ناحق موت کا پھندا آپ کے گلے میں پڑ جاتا ہے ـــــ بلاقیمت خواہ مخواہ اور کچھ نہیں تو رینالدی کی طرح آتشک ہی کا تحفہ مل جاتا ہے۔ لیکن آخرکار آپ کو مار دیا جاتا ہے ـــــ ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس بات کی تسلی کم از کم رکھنی چاہیئے بس منتظر رہیئے۔ انجام یہی ہو گا۔ کہ آپ کو ختم کر دیا جائے گا۔ موت کے گھاٹ اتار دیا جائیگا ایک بار کیمپ میں میں نے آگ کے اوپر لکڑی کا ایک ایسا ٹھنڈ رکھا۔ جو چیونٹیوں سے

بھرا ہوا تھا۔ جونہی اسے آگ لگائی۔ چیونٹیوں گروہ در گروہ اُمڈتی ہوتی باہر نکل آئیں۔ پہلے وہ اس طرف بڑھیں جہاں آگ روشن تھی۔ اور پھر منہ پھیر کر لکڑی کے دوسرے کنارے کی طرف دوڑنے لگیں۔ اور جب ان چیونٹیوں کا خاصہ ہجوم آخری سرے پر جمع ہو جاتا۔ تو ان میں سے بیشتر آگ میں گر جاتیں۔ کچھ اس جلتی آگ میں سے بھی نکل آتیں۔ لیکن ان کے جلے ہوئے جسم چپٹے ہو گئے ہوتے۔ اور پھر ان چپٹے جسموں کے ساتھ بغیر جانے بوجھے وہ ادھر اُدھر چلنے لگتیں۔ لیکن زیادہ تر چیونٹیوں کا ہجوم پہلے آگ کی طرف جاتا پھر وہاں سے ہٹ کر ٹھنڈا ہوا دوسرے سرے کی طرف چلنے لگتا۔ اور اس ٹھنڈے سرے پر جب ان کی تعداد بڑھ جاتی۔ تو بیشتر چیونٹیوں آگ میں گر جاتیں۔ مجھے یاد ہے۔ اس وقت مجھے خیال آیا تھا۔ کہ دنیا کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ اور یہی وقت ہے یسوع مسیح بننے کا کہ لکڑی اٹھا کر باہر پھینک دینے کا۔ جہاں سے چیونٹیاں اتر کر سلامتی کی طرف جا سکیں۔ لیکن میں نے یہ موقع جانے دیا اور اپنے ٹین والے پیالے کا پانی جلتے ہوئے مُنڈھ پر پھینک دیا۔ کسی نیکی کے خیال سے نہیں محض اس لئے کہ خالی پیالے میں پانی ملانے سے پہلے وسکی ڈال سکوں۔ میرا خیال ہے جلتی لکڑی پر جب پانی پڑا۔ تو جلتی ہوئی چیونٹیاں بھاپ میں پکنے لگیں۔

کیتھرین کی خیریت معلوم کرنے کے لئے میں کرسی پر ساکت و جامد بیٹھا تھا۔ جب نرس کافی دیر تک باہر نہ نکلی۔ تو میں دروازے تک پہنچا۔ اسے نہایت آہستگی سے کھول کر میں نے اندر جھانک کے دیکھا۔ ہال میں تیکھی روشنی تھی۔ اور کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس لئے پہلے تو مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ لیکن پھر میں نے دیکھا۔ کہ نرس بستر کے پاس بیٹھی ہے کیتھرین کا جسم چادر کے نیچے سپاٹ لگ رہا تھا۔ اور وہ تکیے پر سر دھرنے لیٹی ہوئی تھی۔

نرس نے اپنی انگلی لبوں پہ رکھی اور پھر وہ اٹھ کر دروازے تک آگئی۔

"ان کا کیا حال ہے" میں نے پوچھا۔

نرس نے جواب دیا" ٹھیک ہیں۔ آپ جا کر رات کا کھانا کھالیں۔ اور اگر جی چاہے

تو بعد میں یہیں لوٹ آیئے۔"

میں ہال میں سے ہو کر سیڑھیوں تک پہنچا۔ اور ان پر سے اتر کر میں ہسپتال کے دروازے تک جا پہنچا۔ سڑک پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بارش میں چلتا ہوا میں کیفے میں پہنچا۔ کیفے کے اندر روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ اور میزوں پر بہت سے آدمی بیٹھے تھے۔ مجھے بیٹھنے کے لئے کوئی بھی خالی جگہ نظر نہ آ رہی تھی۔ پھر ایک بیرا مجھ تک آیا۔ اس نے میرا بھیگا ہوا کوٹ اور ہیٹ پکڑ لی۔ اور مجھے ایک میز پر بٹھا دیا۔ دوسری طرف ایک بڈھا اخبار پڑھتا ہوا بیئر پی رہا تھا۔ میں بیٹھ گیا اور ویٹر سے اس دن کے سب سے بڑھیا کھانے کی بابت پوچھا۔

"ویل کا سٹیو ہے۔ لیکن تھا۔ اب ختم ہو چکا ہے۔ جناب؟"

"پھر کھانے کو کیا مل سکتا ہے اب؟"

"ہیم اور انڈے — انڈے اور توس، یا پھر نیہ؟"

میں نے کہا۔ "میں نے دوپہر کو بھی سینڈ ہی کھایا تھا۔"

وہ کہنے لگا۔ "جی ہاں — وہ تو آپ بجا فرماتے ہیں۔ آپ نے دوپہر کو بھی یہی کھایا تھا۔"

بیرا ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کے سر کا اوپر والا حصہ سپاٹ تھا۔ اور اس پر نہایت استادی سے بال جمائے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے چہرے پر لطف و عنایت کی پرچھائیاں تھیں۔

"اچھا آپ کیا کھائیں گے۔ ہیم اور انڈے؟ یا پنیر اور انڈے؟"

"ہیم اور انڈے — اور بیئر۔"

"ایک آدھا؟"

"جی ہاں مجھے یاد آ گیا۔ دوپہر کو بھی آپ نے آدھا ہی لیا تھا۔"

ایک گول طشتری میں نیچے ہیم اور اوپر انڈے رکھے تھے۔ میں انہیں کھانے لگا لیکن ہیم اور انڈے نہایت گرم تھے۔ ابھی میں نے پہلا لقمہ منہ میں ڈالا تھا۔ کہ مجھے منہ ٹھنڈا کرنے

کے لئے بیئر پینا پڑی۔ مجھے بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اس لئے میں نے ویٹر کو دوبارہ آرڈر دیا۔ اور گھٹی گلاس بیئر کے چڑھا گیا۔ خالی الذہن بیٹھا میں سامنے والے آدمی کا اخبار پڑھ رہا تھا۔ زیادہ خبریں برطانوی محاذ میں راہ بنانے کے متعلق تھیں۔ جب اس آدمی کو احساس ہوا کہ میں اس کا پرچہ پڑھ رہا ہوں۔ تو اس نے جلدی سے اخبار تہہ کر لیا۔ میرے جی میں آئی۔ کہ وہ ویٹر سے کہہ کر اخبار منگوا لوں۔ لیکن میں یکجہتی سے اخبار کی طرف بھی متوجہ نہ ہو سکتا تھا۔ کیفے کی بند بند حبس زدہ فضا گرم تھی۔ میزوں پہ بیٹھے ہوئے لوگ زیادہ تر ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ تاش کی بازیاں لگ رہی تھیں۔ بیرے بار سے شراب لا لا کر میزوں پہ رکھتے جا رہے تھے۔ پھر دو آدمی اندر آ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں بیٹھنے کے لئے جگہ نہ مل رہی تھی۔ وہ میری میز کے عین مقابل کھڑے تھے۔ میں نے ایک اور بیئر لانے کا آرڈر دے دیا۔ ابھی میں ہسپتال واپس لوٹنے کے لئے تیار نہ تھا۔

اتنی جلد وہاں پلٹ جانا بیکار تھا۔ میں نے خالی الذہن ہو کر اپنے آپ کو بہلا دینے کی بہت کوشش کی۔ وہ دونوں آدمی کھڑے رہے۔ لیکن چونکہ کوئی بھی اپنی میز چھوڑ کر نہ اٹھا۔ اس لئے وہ کچھ دیر انتظار کر کے چلے گئے۔ میں نے ایک گلاس بیئر کا اور چڑھا لیا۔ اب میرے سامنے میز پہ پرچوں کا خاصہ انبار لگ گیا تھا۔ میرے سامنے والے بڈھے نے عینک اتار کر انہیں ایک غلاف میں ڈالا۔ اخبار تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھا۔ اور ہاتھ میں شراب کا گلاس پکڑ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا۔ کہ مجھے واپس چلنا چاہئے۔ میں نے ویٹر کو بلایا۔ اپنا بل دیا۔ کوٹ پہن کر سر پہ ٹوپی رکھی۔ اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ میں بارش میں چلتا ہوا ہسپتال پہنچا۔

اوپر پہنچ کر میں کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ جب میں نے ایک نرس کو ہال میں اپنی جانب آتے دیکھا۔

وہ کہنے لگی: "میں ابھی آپ کو ہوٹل پہ فون کر کے آ رہی ہوں۔"

میرے اندر کوئی چیز جیسے پٹاخ سے گری۔

"بات کیا ہے۔؟"

"مسز ہنری جریانِ خون میں مبتلا ہیں۔"

"میں اندر جا سکتا ہوں؟"

"جی نہیں ——— ابھی نہیں۔ اس وقت ان کے پاس ڈاکٹر صاحب ہیں۔"

"خطرناک ہے کیا؟"

"بہت زیادہ ——— بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے جریانِ خون۔"

نرس کمرے میں چلی گئی۔ اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔ میں باہر ہال میں بیٹھا رہا۔ میرا سارا وجود کھوکھلا ہو گیا تھا۔ میرے ذہن سے ساری باتیں نکل گئی تھیں۔ میں کچھ سمجھ ہی نہ سکتا تھا۔ میں جانتا تھا۔ کہ کیتھرین مرنے والی ہے۔ اور میں اس کے جینے کی دعائیں مانگ رہا تھا اسے مرنے نہ دو ——— یا میرے خدا کیتھرین کو نہ مارنا ——— اگر تم نے اسے زندہ رکھا۔ تو میں تمہارے لئے جو کچھ تم چاہو گے۔ کروں گا ——— خدا کے لئے مہربانی فرما کر...... قربانی فرما کر... میرے پیارے خدا اس کی زندگی نہ لو ——— یا میرے خدا ایا کچھ ایسا کرو کہ وہ مر نہ سکے ——— جو کچھ تم کہو گے میں کروں گا ——— مگر تم اس کی جان نہ لو ——— تم نے بچہ تو لے لیا۔ اب اسے اپنے پاس نہ بلاؤ۔ وہ تو خیر ٹھیک بات تھی ——— لیکن کیتھرائن نہ مرے۔ مہربانی فرما کر...... اے پیارے خدا اسے مرنے نہ دو ——— مرنے نہ دو...... مرنے نہ دو......"

نرس نے دروازہ کھولا۔ اور مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں گیا۔ میرے اندر پہنچنے پر بھی کیتھرین نے آنکھیں کھول کر نہ دیکھا۔ میں اس کے پاس چلا گیا۔ دوسری طرف بستر کے پاس ڈاکٹر کھڑا تھا۔ پھر کیتھرین نے میری طرف دیکھا اور مسکرا دی۔

میں بستر پہ جھکا اور رونے لگا۔

بڑی آہستگی سے کیتھرین بولی ——— "بیچاری ——— بیچاری میری جان!"

اس کا چہرہ نہایت مٹیالا ہو رہا تھا۔

میں نے کہا ــــ "تم ٹھیک ہو جاؤ گی ــ مانو ــــ بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

وہ کہنے لگی۔ "میں مر رہی ہوں ــــ" پھر ذرا سے وقفے کے بعد وہ بولی ــــ "اور اس مرنے سے مجھے کتنی نفرت ہے کتنی!"

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ بولی ــــ "مجھے نہ چھوؤ ــــــ"

میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

وہ مسکرا کر کہنے لگی۔ "ہائے بیچارہ! ــــ جتنا جی چاہتا ہے۔ چھو لو میری جان ــ اپنی یادگار رکھنے کے لئے میرا ارادہ تھا۔ کہ تمہیں ایک خط لکھتی ــ لیکن میں وہ خط لکھ ہی نہ سکی۔"

"کوئی پادری وغیرہ بلواؤں؟ کسی سے ملنے کا خیال ہو۔ تو مجھے بتا دو۔"

"صرف تم سے ملنے کی تمنا ہے ــــ" پھر کچھ توقف کے بعد وہ بولی ــــ "مجھے ڈر تو نہیں آتا۔ مجھے بس نفرت سی ہوتی ہے۔ نفرت ...... ہے اس مرنے سے۔"

ڈاکٹر کہنے لگا ــــ "اس قدر باتیں نہ کیجئے مسز ہنری۔"

"بہت اچھا" کیتھرین نے کہا۔

"مانو کوئی خواہش ہو تو بتا دو ــــ کوئی کام ہو تو کہو ــــ میں تمہارے لئے جو کچھ چاہو گی۔ کر دوں گا۔"

کیتھرین نے مسکرا کر کہا ــــ "نہیں ــــ"

پھر چند لمحے بعد وہ بولی ــــ "جو کچھ ہم کیا کرتے تھے۔ وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ نہ کرنا ــــ اور وہ باتیں بھی نہ کرنا جو صرف مجھ سے کیا کرتے تھے؟ نہیں کہو گے نا؟"

"کبھی بھی نہیں ———"

"لیکن میرا جی چاہتا ہے۔ کہ تمہارے پاس اور بھی سہیلیاں ہوں۔"

"مجھے نہیں چاہئیں لڑکیاں، لڑکیاں"

ڈاکٹر بولا ——— "آپ بہت زیادہ باتیں کر رہی ہیں۔ اور آپ کو ذرا بھی نہ بولنا چاہیئے۔ مسٹر ہنری آپ کو باہر جانا پڑے گا۔ پھر بعد میں آپ واپس آسکتے ہیں آپ مر نہیں رہیں۔ ایسی احمقانہ باتیں نہ کیجیے۔"

"بہت اچھا" وہ کہنے لگی۔ "میں راتیں گزار نے تمہارے پاس آؤں گی۔"

اس کے ساتھ باتیں کرنا بہت ہی مشکل تھا۔

ڈاکٹر نے مجھ سے کہا ——— "ازراہ کرم باہر چلے جائیے۔"

کیتھرین نے مجھے آنکھ ماری۔ اس کا چہرہ بالکل خاکستری ہو رہا تھا۔

"میں یہاں باہر بیٹھا ہوں۔" میں بولا۔

کیتھرین کہنے لگی۔ "فکر نہ کرو میری جان۔ مجھے ذرا بھی ڈر نہیں آتا ——— یہ تو بس ایک فریب تھا۔ دھوکا سراسر۔"

"تم کتنی بہادر ہو کتنی پیاری ———"

میں ہال میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ ایک مدت بیت گئی۔ پھر نرس دروازہ کھول کر میرے پاس آکر بولی۔ "میرا خیال ہے مسز ہنری بہت سخت بیمار ہیں۔ مجھے ان کے لئے ڈر لگتا ہے۔"

"مر گئی ہیں وہ؟ ———"

"نہیں ——— لیکن ان کو ہوش نہیں ہے۔"

یوں لگتا ہے۔ کہ کیتھرین کا لہو تھمتا نہیں۔ بلکہ ایک دورے کے بعد دوسرا دورہ پڑتا تھا۔ لہو کا بہاؤ روک نہ سکے۔ میں اندر چلا گیا اور کیتھرین کے مرنے تک میں اس کے پاس ہی رہا۔ وہ سارا وقت بیہوش رہی۔ اور موت کو قبول کرنے میں اسے کچھ ایسی دیر بھی نہ لگی۔

کمرے کے باہر میں نے ڈاکٹر سے کہا — "کوئی ایسا کام جو میرے لائق ہو بتا دیجئے"

"جی نہیں ——— میں آپ کو ہوٹل تک پہنچا آؤں؟"

"جی نہیں شکریہ - میں ابھی کچھ دیر یہیں ٹھہرونگا"

"میں جانتا ہوں کہنے کو کچھ باقی نہیں رہا — میں کچھ بھی بتا نہیں سکتا۔"

"نہیں — اب کہنے کی بات ہی کونسی رہ گئی ہے۔"

"شب بخیر۔ آپ اجازت دیں۔ تو آپ کو ہوٹل تک چھوڑ آؤں۔"

"جی نہیں شکریہ"

"یہی ایک راہ رہ گئی تھی۔ لیکن آپریشن تو خاصا کامیاب ......؟"

"میں اس کے متعلق کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔" میں نے بات کاٹی۔

"میں چاہتا تھا۔ کہ آپ کو ہوٹل تک لے چلتا؟"

"جی نہیں شکریہ"

وہ ہال میں آگے کی طرف بڑھ گیا۔ میں کمرے کے دروازے پر پہنچا۔

ایک نرس اندر سے بولی — "آپ اب اندر نہیں آ سکتے۔"

"کیوں نہیں آ سکتا؟ ———" میں نے کہا۔

"آپ ابھی یہاں نہیں آ سکتے۔"

"تم باہر نکل جاؤ ———" میں چیخا ——— "اور وہ دوسری نرس بھی ——— تم دونوں"

لیکن جب وہ دونوں نرسیں باہر چلی گئیں۔ اور میں نے دروازہ بند کرکے بتی بجھائی۔ تو مجھے محسوس ہوا۔ کہ یہ سب کچھ فضول ہے۔ یہ ایک بت کو ایک مجسمے کو الوداع کہنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں کمرے سے باہر نکلا۔ اور ہسپتال سے ہوتا ہوا ہوٹل کی طرف چل دیا۔

بارش برسے جا رہی تھی۔